اسلام اور جمہوریت

خلافت اور جمہوریت کی تعریف اور تعارف اور جمہوریت پر
کیے جانے والے اعتراضات کے مدلل جوابات

مولانا محمد اسحاق باجوڑی
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
استاذ حدیث جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی
خادم جمعیت علماء اسلام پاکستان

مکتبہ عمر فاروق

میں جمہوریت کا قائل ہوں لیکن یورپی جمہوریت نہیں، بلکہ اسلامی جمہوریت کا۔

(مفکر اسلام فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ: اقوال محمود، ص ۲۶۹)

پاکستان میں مغربی جمہوریت نہیں ہے، آج بہت سے لوگوں کو یہ اشکال بھی ہوا کرتا ہے کہ جمہوریت تو اسلام میں نہیں ہے، پاکستان کو ہم جمہوری کیوں کہیں؟ ٹھیک ہے ہم جمہوری نہ کہیں تو اسلامی تو کہیں گے، لیکن جمہوری کہنے میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں، کیونکہ یہ مغربی جمہوریت تو نہیں ہے، یہ وہ جمہوریت ہے جو اللہ کے فضل و کرم سے اسلام، قرآن وسنت اور احکام الٰہی کے تابع ہے، قرارداد مقاصد کے تابع ہے۔

(مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب: تحریک پاکستان، یوم آزادی اور ہماری ذمہ داریاں، ص ۲۱،۲۲)

اسلام اور جمہوریت

مولانا محمد اسحاق باجوڑی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

استاذ حدیث جامعہ انوارالعلوم

مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

خادم جمعیت علماء اسلام پاکستان

فہرستِ مضامین

اسلام اور جمہوریت

صفحہ نمبر	مضامین

باب اول: خلافت

باب دوم: جمہوریت

باب سوم: انتخابات

باب چہارم: پارلیمانی سیاست پر چند اعتراضات اوران کے جوابات

انتساب

علم اور میدان سیاست کی ان دو عظیم ہستیوں کی طرف اپنی اس کاوش کی نسبت و انتساب کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں:

۱۔۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ، جنہوں نے جمعیت علماء ہند کے صدر ہونے کی حیثیت سے جمہوری اور سیاسی میدان میں مسلمانوں کی قیادت کی۔

۲۔۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ، جن کی قیادت اور صدارت میں جمعیت علماء اسلام معرض وجود میں آئی، اور پھر اس جماعت کو سیاسی اور جمہوری عمل کی صف اول میں شریک ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ علی ما انعم وعلم من البیان ما لم نعلم، فسبحان الذی لایحصیٰ امتنانہ باللسان ولا بالقلم، والصلوۃ والسلام علی رسولہ الذی اوتی جوامع الکلم وکرائم الحکم ومکارم الشیم، وعلی آلہ واصحابہ الذین ھم نجوم طریق الامم، اما بعد.

۱......علم سیاست سے بندہ کی دلچسپی

علم سیاست (پولیٹکل سائنس) سے بندہ کو شروع سے دلچسپی رہی ہے۔اس کی پہلی وجہ اور سبب خاندانی اثرات ہیں، کہ ہمارے خاندان سب کے سب کا تعلق جمعیت علماء اسلام سے ہے جو ملک پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جمہوری مذہبی جماعت ہے۔ بندہ کے عم محترم فقیہ العصر شیخ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد صادق دامت برکاتہم العالیہ (سابق رکن قومی اسمبلی) جمعیت علماء اسلام باجوڑ کے بانی ہیں، سن شعور اور تمیز کے بعد بندہ نے اپنی آنکھوں سے ان کی سیاسی جدو جہد اور مساعی کو قریب سے دیکھا، جس کی وجہ سے سیاست ذہن میں ''النقش فی الحجر'' کی طرح داخل ہوگئی۔ دوسری وجہ عموما ایسے اساتذہ کے زیر سایہ وتربیت کا ہونا ہے جو درس وتدریس کے ساتھ میدان سیاست کے بھی شہسوار تھے، اور ظاہر ہے کہ اساتذہ کے اثرات اپنے تلامذہ میں سرایت کر جاتے ہیں۔اس پر مزید جب اکابرین دار العلوم دیوبند کے حالات کا مطالعہ کیا، تو یہ بات سورج کی طرح عیاں ہوگئی کہ ہمارے اکابر صرف مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کی چار دیواری تک محدود نہیں تھے، اور نہ یہ کہ انہوں اپنے آپ کو درس وتدریس اور تصنیف تک محصور کر دیا تھا، وہ میدان جہاد وحریت اور میدان سیاست کے بھی رجال کار اور قائدین تھے۔ سیاسی میدان میں نہ صرف مسلمانوں

بلکہ دوسری اقوام عالم کی بھی انہوں نے قیادت کی، ہندوستان کی تحریک آزادی میں وہ صف اول کے معمار اور قائدین ورہنماء تھے، پاکستان بننے میں اور اس کے بعد میدان سیاست اور پارلیمنٹ میں آوازحق بلند کرنے والے یہی اکابر نظر آتے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر بندہ کو علم سیاست سے دلچسپی اور اس کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔

۲......انتخاب واہمیت موضوع

الف ۔۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ، مولانا صدر الشہیدؒ، مولانا شہید احمدؒ کرک، مولانا عبد الحکیمؒ، مولانا نعمت اللہ رحمہ اللہ، مولانا علی اکبرؒ بنوں، مولانا محمد احمدؒ آف شیر گڑھ، مولانا حسن جان شہیدؒ، مولانا دیندارؒ، مولانا نور محمدؒ وانا، مولانا عبد الغنیؒ چمن، مولانا نور محمدؒ کوئٹہ، مولانا رحمت اللہؒ بلوچستان، مولانا صدیق شاہ رحمہ اللہ، مولانا عبدالحلیمؒ کوہستان، مولانا مجاہد خانؒ نوشہرہ، مولانا نصیب علی شاہؒ، شیخ امان اللہؒ، قاضی حمید اللہؒ، قاضی عبد اللطیفؒ، مولانا منظور احمد چینوٹیؒ، قاری سعید الرحمٰنؒ، مولانا ڈاکٹر خالد محمود سومرو شہیدؒ، مولانا سمیع الحق شہیدؒ، مولانا اعظم طارق شہیدؒ، مولانا ایثار القاسمی شہیدؒ، مولانا معراج الدین شہیدؒ، قاری عبد الباعثؒ، قاضی فضل اللہ ایڈووکیٹ، عم محترم مولانا محمد صادق، مولانا محمد خان شیرانی، حافظ حسین احمد، مولانا محمد قاسم مردان، مولانا گوہر شاہ، قاری فیاض الرحمٰن، مولانا گل نصیب خان، قاری عبد اللہ بنوں، مولانا عصمت اللہ، مولانا فیض محمد، مولانا قمر الدین، مولانا امیر زمان، حافظ حمد اللہ، قاری محمد یوسف، شیخ محمد ادریس، مفتی کفایت اللہ، مولانا شجاع الملک، حافظ اختر علی، مولانا فضلی علی، مولانا عطاء الرحمٰن، مولانا لطف الرحمٰن، مفتی عبد الشکور مولانا عبد الواسع اور دیگر کئی حضرات خصوصاً قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور مولانا عبد الغفور صاحب کی قیادت میں علماء اور اکابر کی ایک بڑی جماعت ارکان پارلیمنٹ کے طور پر سیاسی اور

جمہوری میدان میں دین اور اسلام کی سربلندی اور دفاع کے لئے شاندار خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

ب......مولانا سید گل بادشاہؒ مردان، شیخ القرآن مولانا عبدالہادیؒ شاہ منصور، مولانا عبدالکریم بیروی شریفؒ، مولانا عبداللہ بھکرؒ، مولانا لقمان علی پوریؒ، مولانا حمداللہ جان ڈاگئؒ، مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہؒ، شیخ سلیم اللہ خانؒ، مولانا عبدالرحمٰنؒ آف تھانہ سوات، مولانا عبید الرحمٰنؒ، مولانا احمد جانؒ لکی مروت، مولانا عبدالرحمٰن بونیر، مولانا عبدالغفور قاسمیؒ، مولانا حق نواز شہیدؒ، مولانا عبیداللہ چترالی شہیدؒ، مولانا عبدالحلیمؒ باجوڑ، پیر غلام نبی شاہ، مولانا محمد احمد لدھیانوی، مولانا عبدالقیوم ہالیجوی، مولانا عبدالسلام دیر، مولانا قاضی فضل اللہ دیر، مولانا صالح الحداد، قاری شیر افضل، مولانا امداد اللہ یوسفزئی، مولانا عبدالکریم عابد، قاری محمد عثمان، ڈاکٹر نصرالدین سواتی، مفتی عبدالحق عثمانی اور ملک کے دیگر کئی اکابر دیوبند حضرات وہ ہیں جنہوں نے اعلاء کلمۃ اللہ، دفاع اسلام اور جہاد کی نیت سے سیاسی اور انتخابی میدان میں بطور امیدوار مقابلہ کیا اگرچہ وہ جیت نہ سکے، تاہم انہوں نے اپنے نام غازیوں اور مجاہدین کی رجسٹر میں درج کروائے، جو مسلمان کے لئے اصل کامیابی اور جیت ہے۔

ج......مولانا احمد علی لاہوریؒ، علامہ شمس الحق افغانیؒ، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد ایوب جان بنوریؒ، مولانا عبداللہ درخواستیؒ، مولانا حامد میاںؒ، مولانا عبید اللہ انورؒ، مولانا سراج احمد دین پوریؒ، مولانا عبدالشکور دین پوریؒ، مولانا امیر حسین گیلانیؒ، مولانا اجمل خان لاہوریؒ، شیخ سرفراز خان صفدرؒ، صوفی عبدالحمیدؒ، خواجہ خان محمدؒ، مفتی محمد فریدؒ، قاضی عبدالکریمؒ، مولانا محمد امیر بجلی گھرؒ، مفتی احمد الرحمٰنؒ، مولانا عبداللہ شہیدؒ اسلام آباد، مفتی نظام الدین شہیدؒ، مولانا عبدالمجید ندیمؒ، مولانا ضیاء القاسمیؒ، مولانا عبید اللہ لاہورؒ، مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ، مفتی جمیل خان شہیدؒ، مولانا عبدالصمد ہالیجوی، مفتی محمد رفیع عثمانی،

مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا محمد یوسف رحیم یار خان، مولانا زاہد الراشدی، مفتی محمد ادریس سومرو، مولانا محمد حنیف جالندھری، مفتی زرولی خان، مولانا عبدالودود بونیر، پیر عزیز الرحمٰن، مولانا اللہ وسایا، مولانا عبدالقیوم حقانی، مفتی عبداللہ شاہ، مفتی غلام الرحمٰن اور دیگر اکابرین یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اگرچہ خود انتخابی میدان میں حصہ تو نہیں لیا ہے، لیکن تقریراً وتحریراً انتخاب اور ووٹ کی شرعی حیثیت بتانے کے ساتھ ساتھ آئین اور دستور میں اسلام دفعات کو شامل کرنے اور پھر ان کو برقرار رکھنے کے لئے سیاسی جمہوری جدوجہد ضرور فرمائی ہے۔

بہرحال یہ ہمارے وہ اکابرین ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی طور پر سیاسی اور جمہوری میدان میں جدوجہد کر کے ہمیں یہ سبق سکھایا کہ پاکستان کی جمہوریت کئی کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود اس سیاسی میدان کو سیکولر طبقات کے لئے خالی نہیں چھوڑا جا سکتا ہے، اور جو بھی صحیح نیت کے ساتھ اس میدان میں اپنی خدمات پیش کریں، ان کی اس جدوجہد کو غیر شرعی قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

جو حضرات پاکستان کی جمہوریت کو کفر، کفریہ نظام، طاغوتی نظام، دجالی فتنہ اور غیر شرعی قرار دیتے ہیں، تو یہ درحقیقت ان اکابر کی مساعی اور جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کے مترادف ہے، اس لئے کہ شرعی اور مذہبی طور پر یہی حضرات سیاست کے میدان میں مصروف عمل ہیں، اور وہ سیاست ومذہب کو ایک سمجھتے ہیں۔ جہاں تک سیکولر یا لادین طبقات اور جماعتیں ہیں، وہ تو سیاست کو مذہب سے الگ اور علیحدہ عمل سمجھتی ہیں، تو جمہوریت اور سیاست کو غیر شرعی قرار دینے سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس کا نشانہ اور اس سے متاثر مذہبی جماعتیں اور مذہبی طبقات ہو سکتے ہیں۔ چونکہ بندہ اپنے جمہور اکابرین پر اعتماد کی وجہ سے گویا ان کا مقلد جامد ہے، لہذا ان کے اور ان کی جدوجہد کو قابل طعن وتشنیع سمجھنے کو جائز نہیں سمجھتا ہے، ان کو ''سواد اعظم'' اور ان کے مقابل کو شرذمہ قلیلہ اور ان کے اقوال کو اقوال شاذہ قرار دیتا ہے، اور ان اکابر کے دفاع کو اپنا فریضہ سمجھتا ہے، جس کی ایک

مثال اور ِکرن یہ تالیف ہے، جس میں بندہ نے اکابر کی جمہوری اور آئینی جدوجہد پر کئے گئے اعتراضات واشکالات کو مدلل انداز میں دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

۳......قابل تعجب وحیرانگی

بندہ کے علم میں ایسے حضرات بھی ہیں، جو ایک طرف تو جمہوریت کو کفر کہتے ہیں، لیکن دوسری طرف وہ انتخابات کے موقع پر جمعیت علماء اسلام کے مدمقابل جمہوری پارٹیوں اور جماعتوں کے اسٹیج میں نظر آتے ہیں، اور ان کے لئے ووٹ مانگتے ہیں، جس سے ان کے اس قول اور عمل سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان کا مقصد کیا ہے، اور وہ کس کے ہاتھ استعمال ہورہے ہیں۔ اسی طرح وہ حضرات بھی قابل تعجب ہیں، جو جمہوریت کے خلاف مختلف فتوی صادر کرتے ہیں، لیکن جمہوریت کے باب میں ان کی تحقیق اور مطالعہ کا حال یہ ہوتا نظر آرہا ہے کہ انہوں ''دستور پاکستان'' کا بھی مطالعہ نہیں کیا ہے۔

۴......بے جا تکفیر بازی ایک سنگین مسئلہ

شریعت میں تمام مسائل میں سب سے سخت اور شدید مسئلہ کسی پر کفر کا فتوی لگانا ہے، یہ آسان مسئلہ نہیں ہے، اس کو سب سے آسان اور اپنے ہاتھ کا کھیل نہ سمجھا جائے، اور ایسا نہ ہو کہ ابتدائی درجات کے طلبہ بلکہ عام لوگ بھی کفر کے فتویٰ دینے میں کوئی جھجک محسوس نہ کریں۔ بعض حضرات نے چونکہ دوسرے مسائل کی طرح جمہوریت پر علی الاطلاق کفر کا فتوی صادر کیا ہے، جس سے ہمارے اکابر کی جدوجہد کو زَد پڑتی ہے، جس کو ہم کسی طور روا اور جائز نہیں سمجھتے ہیں، اگر ان کا مسئلہ صرف اختلاف کرنا یا راجح اور مرجوح کا ہوتا تو بڑی بات نہ ہوتی، لیکن جب انہوں حدود سے تجاوز کر کے اس کو کفر قرار دیا، تو ہمارے لئے دفاع کا جواز پیدا ہوگیا۔

ہم جب قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ بے جا کفر اور بدعت

کا الزام انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین پر بھی لگا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون نے کفر کا الزام لگایا تھا، جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے" **وفعلت فعلتک التی فعلت وانت من الکٰفرین** "(الشعرآء: ۱۹) اسی طرح مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوی نبوت میں بدعتی سمجھ کر ان کی نبوت کا انکار کیا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ ان سے کہیں کہ میں کوئی بدعتی پیغمبر نہیں ہوں۔" **قل ما کنت بدعا من الرسل** "(الاحقاف: ۹)

اس امت میں بے جا تکفیر کا سلسلہ خوارج سے شروع ہوا، اور پھر امام عبد الوہاب نجدی کے پیروکاروں اور متبعین نے اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کو تقویت دی، اور اپنے مخالفین پر نہ صرف کفر اور شرک کے فتوے لگائے، بلکہ ان کے قتل اور ان کے اموال لوٹنے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ جیسا کہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں: محمد بن عبد الوہاب کی جماعت نے اہل مدینہ اور اہل مکہ وحجاز کے باشندوں کو اس مدت اقامت میں بہت ستایا تھا۔ لوگوں کو قتل کرنا، مار پیٹ، لوٹنا، ذلیل کرنا وغیرہ وغیرہ عمل میں لاتے رہتے تھے۔ 1

امام عبد الوہاب نجدیؒ کے متبعین کے اس طرح کفر اور شرک کے فتوے دینے کی شکایت علامہ شامیؒ کو بھی ہے، جس کی وجہ سے ان کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

کما وقع فی زماننا فی اَتباع عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین، وکانوا ینتحلون مذهب الحنابلة، لکنهم اعتقدوا انهم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون، واستباحوا بذلک قتل اهل السنة وقتل علمائهم، حتی کسر الله شوکتهم وخرّب بلادهم،

1 نقش حیات، مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷ء، ج ۲ ص ۴۳۱، دارالاشاعت کراچی، ط ن

وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين. 1

''جیسے کہ ہمارے زمانے میں عبدالوہاب کے متبعین ہیں، جو کہ نجد سے نکل کر حرمین پر انہوں نے غلبہ پایا، وہ اپنے آپ کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے، لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ صرف مسلمان ہیں، ان کے عقائد سے اختلاف کرنے والے مشرک ہیں، اوراس بنا پر انہوں نے اہل السنّت کے عوام اور علماء کے قتل کو مباح سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۲۳۳ھ میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی قوت اور زور ٹوٹ گیا، ان کے شہریں ویران ہوگئے، اور مسلمانوں کے لشکر نے ان پر غلبہ پایا''۔

آج جو حضرات جمہوریت کے بارے میں کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں، عموماً وہ امام عبدالوہاب نجدیؒ (وہابی فرقہ) کے متبعین ہیں یا کم ازکم ان سے متاثر ہیں، اور علامہ شامیؒ کے زمانے میں جن حالات کا سامنا علماء اہل السنّت والجماعت کو تھا، موجودہ دور میں اسی طرح حالات کا سامنا اہل السنّت اولجماعت کے صحیح مصداق جمعیت علماء اسلام کے کارکنان اور قائدین کو رہا ہے، ان پر نہ صرف کفر اور شرک کے فتوے لگے، بلکہ کئی رہنماؤں اور کارکنوں کو قتل کیا گیا، قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب پر کئی خودکش اور قاتلانہ حملوں کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کے سابق اراکین قومی اسمبلی حضرت مولانا نور محمد وانأ، محدث کبیر حضرت مولانا حسن جانؒ اور حضرت مولانا معراج الدینؒ کو شہید کردیا گیا۔

ہمیں اکابر نے اس بارے میں بہت زیادہ احتیاط کا سبق دیا ہے، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: اس جگہ ایک دوسری بے احتیاطی کا خطرہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی تکفیر کا دروازہ کھل سکتا ہے، جو ان کے لئے تباہی کا راستہ ہے۔ اور ایک زمانہ سے یہ خطرہ ہی نہیں رہا، بلکہ ایک ایک واقعہ بن گیا کہ حقائق دین سے ناواقف کچھ نام

1 ردالمحتار علی الدرالمختار (فتاوی شامی)، ابن عابدین محمد أمین بن عمر الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ، کتاب الجہاد، باب البغاۃ، ج۴ص۲۶۲، دارالفکر بیروت، ط۱۴۱۲ھ

کے علماء نے یہ پیشہ بنالیا کہ ذرا ذرا سی بات پر مسلمانوں کو کافر قرار دینے لگے، باہمی کفر کے فتوے چلنے لگے۔ 1

اور مفکر اسلام فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی محمودؒ تو اپنے تلامذہ اور متوسلین کو یہ نصیحت فرماتے تھے: تمھیں اختلافی مسائل میں راہ اعتدال پر گامزن ہونا ہوگا، ایسا نہ ہو کہ یہاں سے نکل کر اپنے علاقہ میں کافر اور مشرک بنانے کی مشینیں بن کر رہ جاؤ۔ 2

اس سوال ''کہ معاشرے میں جمہوریت اور دینی مدارس کا تضاد پیدا کیا گیا، دینی مدارس کے طلبہ شاید جمہوریت کو درست نہیں سمجھتے ہیں؟'' کے جواب میں قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں: وہ اس لئے کہ ان کے سامنے عملی نقشہ ہے، لیکن اپنے ملک کے آئین اور جو صورت حال ہے اس پر ان کی نظر نہیں ہے، لہذا انہیں یورپ کا عملی نقشہ نظر آرہا ہے، جیسے ہماری جمہوریت یورپ والی جمہوریت ہے تو پھر اس حوالے سے فتویٰ دیتے ہیں، لیکن اگر ہم آئین کو پڑھ لیں اور آئین نے جو حکومت کا مفہوم متعین کیا ہے، تو پھر اسے یہ سمجھ آتی ہے کہ آئینی طور پر جمہوریت کو شریعت کا پابند بنایا گیا ہے، تو پھر اس طرح فتویٰ نہیں دیں گے۔ سیاسی کارکن آئین اور دستور کو پڑھتے ہیں، وہ اس حوالے سے فتویٰ دینے میں محتاط ہوتے ہیں۔ 3

اس تربیت کا اثر اور مابہ الامتیاز ہے کہ ہمارے ہاں طلباء تو درکنار عام علماء کو بھی کسی پر کفر کے فتوی لگانے کی جرأت نہیں ہوسکتی، اور صرف فقہائے کرام اور مفتیان عظام بڑی تحقیق کے بعد اجتماعی حیثیت سے کسی پر کفر کا فتوی لگا اور صادر کر سکتے ہیں۔

1 جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیعؒ متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۱ ص ۹۹، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء

2 تذکار محمود رحمہ اللہ، محمد فاروق قریشی، ص ۱۱۳، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۰۶ء

3 جنگ سنڈے میگزین، ۲ جولائی ۲۰۰۰ بحوالہ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۲ ص ۱۸۱، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

شاعرمشرق علامہ اقبال مرحوم نے بے جا فتوی لگانے والوں کے بارے میں یہ فرمایا:

امت کو بانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر　　　اسلام ہے فقیہوں! ممنوں بہت تمارا

۵...... ہمارے لئے باعث اطمینان

جمعیت علماء اسلام اوراس کے قائدین پر جب ہر طرف سے الزامات اور طعنوں کی بارش ہوتی ہے، تو بعض کارکنوں کو گھٹن اور تنگدلی محسوس ہوتی ہے، جب کہ میرے خیال میں یہ باعث اطمینان ہے، اس لئے کہ یہ حق ہونے کی علامت ہے، انبیاء کرام علیہم السلام سے لیکر اکابرین علماء دیوبند پر کیا بے جا مختلف الزامات نہیں لگے تھے؟ اور جب سیکولر اور بے دین طبقہ کے علاوہ مذہبی حضرات بھی ایسے بے جا الزامات لگانے میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں، تو میں ساتھیوں سے کہہ کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُس وقت لا دین مشرکین اور مذہبی طبقہ اہل کتاب الزامات لگانے میں ایک ہوتے تھے، اورآج ایک قسم اسی صورت حال کا سامنا جمعیت علماء اسلام کے قائدین کو ہے کہ غیر مذہبی جماعتوں سے زیادہ مذہبی جماعتیں اوران کے کارکنان جمعیت علماء اسلام کے خلاف بے جا الزامات میں مصروف عمل ہوتے ہیں۔

مختلف لوگ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو بدنام کرنے کے لئے ان پر الزامات لگا رہے، لیکن آج تک ایک الزام بھی ثابت نہ ہوسکا، اور خصوصاً ۱۹۹۵ء سے لے کر آج تک ڈیزل کا الزام بار بار دہرایا جا رہا ہے، لیکن مولانا صاحب کے بار بار مطالبہ پر بھی کوئی نہ اس کو ثابت کرسکا، اور نہ کسی کو ان کے خلاف کورٹ میں جانے کی ہمت ہوسکی۔

اس بارے میں پوری تفصیل قائد جمعیت نے مختلف انٹرویوز میں بیان کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: مجھ پر ڈیزل کا الزام لگایا جاتا ہے... جب کبھی کوئی دوست ہوٹل، پلازہ یا گھر بنا رہا ہوتو وہ بھی میرے کھاتے میں ڈالا دیا جاتا ہے، اوراگر کہیں کسی دوست کی شادی میں

شرکت کرلوں تو اسے بھی میری شادی قرار دے کر پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ سیاست کے سنجیدہ ماحول کو مذاق بنایا جا رہا ہے، اور اگر میں نے کوئی کرپشن کی ہے اور کسی کو اطلاع ہے تو خدارا اس کو منظر عام پر لائیں۔ 1

بے نظیر دور میں میرے خلاف سیکنڈ انجینئر ڈ کرنے والے آئی ایس آئی کے لوگ تھے، اس وقت آئی ایس آئی کے ڈی جی حمید گل تھے، انہوں نے بریگیڈئیر امتیاز اور بعض دیگر اہلکاروں کے ذریعے کام کیا۔ یہ فوج کے لوگ تھے، سیاسی طور پر انہوں نے مسلم لیگ، اے این پی اور جماعت اسلامی کو استعمال کیا، بڑے منظّم طریقے سے انہوں نے ایک فضا ہمارے خلاف بنائی، تاہم وہ ناکام رہے، اور میں بلیک میل نہیں ہوا۔ سیاسی لوگوں کو اذیت دینے کا یہی طریقہ ہے، سیاسی لوگوں پر کوئی گولی نہیں چلاتا، بلکہ سیاسی طور پر بدنام کیا کیا جاتا ہے، میرے ساتھ بھی یہی ہوا اور ہو رہا ہے...اگرچہ اس میں کچھ لوگ فوج کے شامل ہیں، لیکن ادارے نہیں...مجھ کو بدنام کرنے کی یہی بنیادی وجہ ہو سکتی ہے کہ میں نے کبھی ایجنسیوں کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ 2

روز اول سے دینی قوتوں کے خلاف یہ طریقہ واردات اختیار کیا گیا ہے، یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے اور نہ ہم پریشان ہیں، ہم جذباتی طور پر ان قوتوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے ہیں، یہ ہم پر تیر چلا رہے ہیں کسی نہ کسی طرح ہمیں دفاعی پوزیشن میں ڈالنے کے لئے ایسا کررہے ہیں، تاکہ ہم اپنا کام کاج چھوڑ کر صفائی پیش کرتے رہیں۔ 3

1 روزنامہ مشرق پشاور، ۱۳ مئی ۱۹۹۶ء، بحوالہ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ا ص ۳۴۶، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

2 روزنامہ مشرق پشاور، ۱۲ جنوری ۲۰۰۹، بحوالہ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۳ ص ۱۸۳...۱۸۶، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

3 ہفت روزہ فیملی میگزین، ۱۸ تا ۲۴ اگست ۱۹۹۶ء، بحوالہ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ا ص ۳۶۴، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

پاکستان کی بدقسمتی رہی ہے کہ یہاں کے سیاسی لوگ کو کمزور کرنا مقتدر قوتوں کی ہمیشہ خواہش اور ضرورت رہی ہے، اس میں ہمارے ملک کی مقتدر قوتیں ایجنسیوں کے ذریعے سیاستدانوں کو کمزور کرتی ہیں۔ سیاستدانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہوتی ہے کہ ان کو عوام کی نظروں میں بدنام کیا جائے، جبکہ میں آپ کے سامنے ایک گناہ گار انسان کے طور پر موجود ہوں، اللہ تعالیٰ کے سامنے میری ہمت نہیں کہ اپنے آپ کو پیش کرسکوں، لیکن ملک کی سیاست کا جو ماحول ہے، اس حوالے سے میرا دعویٰ یہ ہے کہ ہم صاف ستھرے سیاست کے علمبردار ہیں، اور شاید ہمارے بعد اس قدر صاف ستھری قیادت ملک کو ملے گی۔ ۱۹۹۵،۹۶ء میں مجھ پر صرف ڈیزل کا الزام نہیں لگا، بلکہ پشاور میں ایک بڑی بلڈنگ کو میرے نام منسوب کیا گیا، آج مجھے کوئی وہ بلڈنگ تو دکھائے؟ میرے بارے میں کہا گیا کہ لاہور میں میں نے ایک گلاس فیکٹری خریدی ہے، اور فیکٹری بھی ایسی کہ عرب صنعتکار اس کی قیمت ادا کرنے سے قاصر تھے اور مولانا فضل الرحمٰن نے خرید لی ہے، کہاں ہے وہ فیکٹری؟ میرے بارے میں کہا گیا کہ میں دبئ میں ایک بڑے ہوٹل کا مالک ہوں، تو خدا کے لئے بتائے کہ اس قسم کی میری جائیدایں کہاں ہیں؟ کوئی مجھے بتائے تاکہ میں وہ اس کے نام کردوں۔ اس وقت میرے خلاف مہم اس شروع کی گئی تھی کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پیپلز پارٹی کے ساتھ یہ جو مولوی آدمی ہے اور فوج کے خلاف بولتا ہے اور صاف ستھری سیاست کرتا ہے، اس کو روکنا ضروری ہے۔ 1

۶......جمہوریت کے مخالفین کی غلط فہمیاں

جو حضرات پاکستان کی جمہوریت کو کفریہ نظام کہتے ہیں، ان کی تقریرات سننے اور

1 الجمعیۃ فروری ۲۰۰۹ء، بحوالہ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکرانگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۳ ص ۲۰۳، ۲۰۴، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

تحریرات پڑھنے کے بعد بندہ اس نتیجے پر پہنچا ہے، کہ ان کے اس نظریہ کی بنیاد جمہوریت کے بارے میں چار غلط فہمیاں ہیں، جن پر انہوں نے اپنے نظریہ کی بنیاد قائم کر کے جمہوریت کے بارے میں مذکورہ رائے صادر کیا ہے۔ وہ چار بنیادی باتیں یہ ہیں: ۱۔۔ اسلامی نظام کو خلافت میں منحصر سمجھنا، خلافت کے علاوہ ہر طریقہ کار اور نظام کو رد کرنا۔۲۔۔ جمہوریت کی ایک خاص تعریف جو ایک انگریز نے کی ہے، صرف اسے کو مدنظر رکھ کر اس کی بنیاد پر جمہوریت اور اسلام کو متضاد سمجھنا، اور اس پر مزید مغربی جمہوریت اور پاکستان کی جمہوریت میں فرق ان کے سمجھ میں نہ آنا۔۳۔۔ انتخاب امیر کو صرف شوریٰ کے طریقے میں منحصر سمجھنا، اور پھر اس کی بنیاد پر ووٹ کے طریقہ کار کو خلاف شریعت سمجھنا۔۴۔۔ عملاً اسلامی نظام کو نافذ نہ کرنے کو کفر قرار دینا۔

بندہ نے مدلل انداز میں ان کی ان چار بنیادی باتوں کو غلط ثابت کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ خلافت اسلام کا ایک مثالی نظام ضرور ہے، لیکن اسلامی حکومت اور نظام اس میں منحصر نہیں ہے، جس کا ظاہری ثبوت حضرت معاویہؓ کے دور حکومت ہے، جس کو علماء نے خلافت میں شمار نہیں کیا، لیکن اسلامی حکومت اور سلطنت ضرور قرار دیا ہے۔ اسی طرح مسلمان مفکرین اور مصنفین حضرات نے جمہوریت کی جو تعریف کی ہے، انگریز کی کردہ تعریف کے بجائے مسلمان مفکرین کی تعریف کو اگر مدنظر رکھا جائے، تو پھر جمہوریت اسلام کے مقابل اور متضاد نہیں ہوگی۔ اور ساتھ یہ کہ بندہ نے مغربی جمہوریت اور پاکستان کی جمہوریت کے درمیان کئی وجوہات سے فرق بیان کیا ہے۔ جہاں تک انتخاب خلیفہ و امیر کی بات ہے، تو فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ شوریٰ کے علاوہ دوسرے طریقے کار سے بھی انتخاب حاکم و امیر ہوسکتا ہے۔ جن میں ووٹ کا طریقہ کار بھی ہے، اس کو خلاف شرع قرار دینا درست نہیں ہے۔ اور اسلامی نظام عملاً نافذ نہ کرنا ایک بڑا

گناہ اور فسق ضرور ہے، لیکن اہل السنّت والجماعت کے نزدیک عمل نہ کرنے کو کفر قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۷......خلاصہ مباحث کتاب

یہ کتاب ان چار ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول: خلافت، باب دوم: جمہوریت، باب سوم: انتخاب اور ووٹ، باب چہارم: پارلیمانی سیاست پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔

۸......مقصد تالیف کتاب

اس کتاب کی تالیف اور تصنیف سے بندہ کا مقصود اصلی جمہوریت سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار بالکل نہیں ہے، اور نہ اس میں موجود سقم اور خامیوں سے انکار ہے، بلکہ مقصود اصلی ان مذکورہ اکابر کی جمہوری اور سیاسی جدوجہد کو قابل تحسین اور قابل ستائش قرار دینا ہے، اور اس طور پر ان کا دفاع کرنا مقصود ہے کہ ان کی دینی جدوجہد کو سبوتاژ نہ کیا جاسکے۔ اور یہ ثابت کرنا ہے کہ جس طرح ہماری دینی تعلیم، تعلیمی ادارے اور ان کے معلمین اور متعلمین اگرچہ صفہ اور اصحاب صفہؓ کے ہو بہو مماثل نہیں، لیکن کمزویوں اور خامیوں کے باوجود ہم جنس متبادل ضرور ہیں، اسی طرح پاکستانی جمہوریت اور نظام حکومت اگرچہ پورے طور پر خلافت راشدہ کے مماثل نہیں ہے، لیکن علماء کی جدوجہد سے دستوری اور آئینی طور پر اس کو خلافت کے مقابل نہیں، بلکہ متبادل قرار دیا جاسکتا ہے۔

۹......مستحقین شکریہ

جو لوگ کسی کے ساتھ تعاون اور بھلائی کریں، تو وہ شکریہ کے ضرور مستحق ہوتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا ہے۔ 1

1 جامع الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الشکر لمن أحسن الیک، ج ۲ ص ۱۷، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

اور یہ تعاون صرف مالی یا جانی تعاون کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہر قسم کے تعاون خصوصاً علم اور اسباب علم مہیا کر کے تعاون کرنے والا بھی ضرور شکریہ کا مستحق ہوتا ہے۔

بندہ نے اس تالیف میں اپنی ذاتی کتابوں کے علاوہ ان چار مکتبوں اور لائبریریوں سے استفادہ کیا ہے: مکتبہ شاملہ، مکتبہ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن، مکتبہ دار العلوم کراچی، اور ہمارے محترم دوست قاری سید خطیب شاہ صاحب کے مکتبہ جو بظاہر ایک چھوٹا سا مکتبہ نظر آتا ہے، لیکن ہمارے جیسے چھوٹے طالب العلم کے لئے اس میں بہت سے مواد ہیں، اور وقتاً فوقتاً بندہ اس سے استفادہ کرتا رہتا ہے۔ بہرحال ان مکتبوں کے مدیران اور منتظمین کا میں بھرپور شکریہ ادا کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ان کو دنیا اور آخرت میں اس کا صلہ اور جزاء خیر عطا فرمائیں۔

۱۰......گزارش اور التماس

چونکہ جمہوریت کے خلاف مختلف حضرات کی تصانیف اور تالیفات منظر عام پر آئی ہیں، لیکن شرعاً تجزیہ کرتے ہوئے اس کے حق اور اثبات میں کوئی مستقل تالیف بندہ کی نظر سے نہیں گزری ہے، اس بناپر بندہ اس تالیف کو پہلی کاوش سمجھتا ہے، لہٰذا جن حضرات اور احباب کا نظریہ اس کے خلاف ہے، ان کی خدمت میں التماس اور گزارش ہے کہ وہ اس کا اچھی طرح بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نظریہ کا اس کے ساتھ تقابل کریں۔ اگر یہ حضرات صحیح نیت سے اس کا مطالعہ کریں، تو امید واثق یہ ہے کہ ان شاء اللہ یہ اپنے رویوں پر نظر ثانی کرتے ہوئے نرمی اختیار کریں گے، اور کم از کم کفر کے فتوی صادر کرنے میں احتیاط کو ملحوظ رکھیں گے۔ اور جو حضرات پہلے سے جمہوریت سے متفق اور اس میدان میں مصروف عمل ہیں، کتاب مطالعہ کرنے کے بعد ان سے امید یہ ہے کہ وہ اپنے اکابر پر اعتماد بحال رکھتے ہوئے اب علیٰ وجہ البصیرت اس جدوجہد کو شرعی سمجھ کر اس میدان میں مزید پیش قدمی کریں گے۔

شعر ؎ انداز بیاں گر چہ بہت شوخ نہیں ہے

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائیں، اور اس کتاب میں اگر بندہ سے کوئی کوتاہی اور غلطی سرزد ہوئی ہو تو اس کو عفو اور معاف فرمائیں۔ آمین

طالب دعا: محمد اسحاق باجوڑی غفرلہ الباری

خادم طلبہ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

بروز پیر ۲۴ ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ/ ۲۶ اگست ۲۰۱۹ء

رابطہ: ۰۳۰۰۲۶۴۷۷۹۵

۰۳۴۳:۲۱۰۱۳۰۷

باب اول: خلافت

ا......خلافت کی تعریف

خلافۃ خلف یخلف کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی ہیں کسی اور کے بعد آنا اور اس کی ذمہ داری لینا، اس سے لفظ خلیفہ آتا ہے جس کی جمع خلفاء اور خلائف دونوں ہیں۔خلیفہ یا تو اسم مفعول کے معنی میں ہے جیسے جریح بمعنی مجروح تو اس کا مطلب ہوگا کہ اس کے بعد کسی اور کا آنا، اور یا اسم فاعل کے معنی میں ہے جسے قدیر بمعنی قادر پھر اس کا مطلب ہوگا کہ اس کا کسی اور کے بعد آنا۔

اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تین احتمال ہیں (الف) خلیفۃ اللہ یعنی اقامت دین اور نفاذ احکام کے اعتبار سے دنیا میں اللہ کا خلیفہ اور نائب بننا۔(ب) خلیفۃ الرسول ﷺ، حضرت ابوبکرؓ کو ایک شخص نے خلیفۃ اللہ پکارا تو انھوں نے جواب میں فرمایا: میں خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفۃ الرسول ﷺ ہوں۔ (ج) ہر دوسرے حاکم کا اپنے سے پہلے اور سابق حکمران کا نائب اور خلیفہ ہونا۔ ❶

امام ماوردیؒ نے اس کی تعریف کے بارے میں فرمایا:

الامامة موضوعة لخلافة النبوة فی حراسة الدین وسیاسة الدنیا. ❷

''کہ امامت عبارت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت سے اس طور پر کہ اس میں دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست اور انتظام ہو''۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ خلافت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

''ھی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة الدین باحیاء العلوم الدینیة و

❶ مآثر الاناقۃ فی معالم الخلافۃ، احمد بن علی القلقشندی المتوفی: ۸۲۱ھ، ص ۸...۱۷، مطبعہ حکومت الکویت، ط ۱۹۸۵ء ❷ الاحکام السلطانیۃ، ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ، ص ۱۵، مکتبہ دار الحدیث القاہرہ

اقامة ارکان الاسلام ،والقیام بالجهاد وما یتعلق به من ترتیب الجیوش، والفرض للمقاتلة ،واعطائهم من الفیٔ والقیام بالقضاء واقامة الحدود، ورفع المظالم ،والأمر بالمعروف والنهی عن المنکر ،نیابة عن النبی صلی الله علیه وسلم". ❶

''خلافت عبارت ہے اس اقتدار اعلی سے جو اقامت دین کے لئے ہو، اس طرح کہ دینی علوم کو زندہ کیا جائے، ارکان اسلام کو قائم کیا جائے، جہاد اور اس سے متعلق امور فوجوں کی تنظیم، مجاہدین کی بھرتی اور ان پر مال غنیمت کی تقسیم کے انتظامات کئے جائیں، مظالم کا قلع قمع کیا جائے اور امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا قیام عمل میں آئے اور یہ سب کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے طور پر انجام دیا جائے''۔ پھر فرماتے ہیں'' کہ خلافت کے ان سب مقاصد اور شعبوں کو اگر ایک جملہ میں بیان کرنا چاہیں جو ان جزئیات کے لئے کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ان انواع واجناس کی جنس اعلی ہے تو وہ ''اقامت دین'' ہے۔

عرب کی مشہور شخصیت علامہ محمد رشید رضاؒ فرماتے ہیں:

الخلافة والامامة العظمی وامارة المومنین ثلاث کلمات معناها واحد وهو رئاسة الحکومة الاسلامیة الجامعة لمصالح الدین والدنیا. ❷

''خلافت امامت عظمی اور امارت تینوں کے معنی ہیں حکومت اسلامی کی سربراہی اس طور پر کرنا کہ دینی اور دنیاوی دونوں کے منافع اور مصالح کو جامع ہو''۔

استاذ محترم حضرت مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''انی جاعل فی الارض خلیفة ای یخلفنی فی تنفیذ الاحکام

---

❶ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ المتوفی: ۱۱۷۶ھ ج ا ص ۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

❷ الخلافۃ، ص ۱۷، محمد رشید رضاؒ المتوفی: ۱۳۵۴ھ مطبع الزہرہ القاہرہ، ط ن

والحدود او یسعی فی اقامة الخلافة.

اور خلیفہ کے معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الذی یخلف احدا و یأتی بعده فیاخذ مسؤلیته".

"خلیفہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی اور کے بعد آتا ہے اور اس کی ذمہ داری لیتا ہے۔ آدم علیہ السلام کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ احکام اور حدود کے نفاذ میں اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ ہے اور خلافت کے قیام میں سعی وکوشش کرنا ان کی ذمہ داری تھی"۔ ❶

۲...... مدت خلافت

عن سفینة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یؤتی الله الملک من یشاء او ملکه من یشاء. ❷

"آپ ﷺ نے فرمایا کہ خلافت نبوی تیس سال تک ہوگی اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اس کو بادشاہت عطا کرے گا"۔

عن سفینه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الخلافة ثلاثون عاما ثم یکون بعد الملک قال سفینة امسک خلافة ابی بکر سنتین و خلافة عمر عشر سنین و خلافة عثمان اثنتی عشرة سنة و خلافة علی ست سنین. ❸

"حضرت سفینہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خلافت تیس سال ہوگی اس کے بعد ملوکیت اور بادشاہت ہوگی۔ پھر حضرت سفینہؓ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت دو سال، حضرت عمرؓ کی دس

---

❶ اسلام اور سیاست، ص ۲۱، ۵۳، مکتبہ شیخ الہند صوابی، ط ۲۰۱۷ء ❷ سنن ابی داود، ابوداود سلیمان بن الاشعث المتوفی ۲۷۵ھ، باب فی الخلفاء، ج ۴ ص ۲۱۱، المکتبۃ العصریۃ بیروت ❸ مسند الامام احمد بن محمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، حدیث ابی عبدالرحمٰن سفینۃ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۳۶ ص ۲۴۸، المکتبۃ مؤسسۃ الرسالۃ

سال، حضرت عثمانؓ کی بارہ سال اور حضرت علیؓ کی خلافت کی مدت چھ سال تھی، تو ان سب کی مدت شمار کر تیس سال پورے ہو جاتے ہیں''۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الخلافة بعدی ثلاثون عامًا۔ خلافت نبوت میرے بعد تیس سال رہے گی۔ چنانچہ آپ کے وصال کے بعد بلا فصل ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ہوئے اور دو سال چار ماہ خلافت کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ہوئے اور دس سال اور چھ ماہ خلافت کی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ہوئے، بارہ سال سے چند روز کم خلافت کی، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ہوئے، چار سال اور نو ماہ خلافت کی، اور پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ ہوئے، پانچ ماہ خلافت کی۔ اس حساب سے خلفاء اربعہ کی مُدت خلافت انتیس سال اور سات مہینہ ہوئی، اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی پانچ ماہ خلافت سے تیس سال پُورے ہو گئے۔ ❶

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئی کے مطابق اصل خلافت کا عرصہ تیس سال تھا، اس کے بعد ملوکیت کا زمانہ رہا، چنانچہ امام الحرمینؒ فرماتے ہیں:

ولم يتفرغ على كرم الله وجهه من مصادمة البغاة، ومكاوحة الطغاة الى تجهيز الغزاة، وجرت هنأة على اثر هنأة، ثم صار بعد مقتله رسم الخلافة مرفوضا، وانقلب الامر ملكا عضوضا. ❷

''کہ باغیوں کے ساتھ مقابلے اور سرکشوں کو دبانے کی کوشش میں لگے رہنے کی وجہ سے حضرت علیؓ کو لشکر اور غازیوں کی تیاری کا موقع نہ مل سکا، یہ حالات پے در پے اور مسلسل رہے۔ اور ان کی شہادت سے خلافت ایک رسمی چیز رہ کر ملوکیت مفسدہ میں تبدیل ہو گئی''۔

❶ خلافت راشدہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۹۷۴ء، ص ۲۰۷، المکتبۃ الاشرفیۃ لاہور، ط ن ❷ غیاث الامم فی التیاث الظلم، امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ المتوفی ۴۷۸ھ، ص ۲۵۴، مکتبۃ امام الحرمین، ط ۱۴۱۱ھ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس تیس سال مدت خلافت کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خلافت راشدہ متصلا تیس سال ہوگی، پھر اس کے بعد سلطنت غالب ہوگی، خلافت نہیں ہوگی، اگر ہوگی تو راشدہ نہیں ہوگی یا متصلا نہیں ہوگی، جیسا کہ خلافت عمر بن عبدالعزیزؒ (فارسی مترجم)۔ ❶

۳......خلیفہ بننے کے لئے قریشی ہونے کی شرط

علامہ نوویؒ نے تو اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ھذہ الاحادیث واشباھھا دلیل ظاھر ان الخلافۃ مختصۃ بقریش لایجوز عقدھا لاحد من غیرھم علی ھذا انعقد الاجماع فی زمن الصحابۃ فکذلک من بعدھم. ❷

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: واز انجملہ آنست کہ قریشی باشد باعتبار نسب آبائی خود، زیرا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ صرف کردند انصار را از خلافت، بایں حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند "الائمۃ من قریش" وابوہریرہ وجابر رضی اللہ تعالی عنہما روایت میکنند "الناس تبع لقریش فی ھذا الشان" وابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ روایت می کند "لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان" ومعاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالی عنہ روایت می کند "ان ھذا الامر فی قریش لا یعادیھم احد الا کبہ اللہ علی وجھہ ما اقاموا الدین"۔ وغیر این طرق طرق دیگر ہم این حدیث را ثابت است۔ ❸

❶ امداد الفتاوی، مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی ۱۹۴۳ء، ج۴ص۴۸۰، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۱۴۱۵ھ
❷ شرح النووی علی مسلم، محیی الدین یحی بن شرف الدین النووی المتوفی ۶۷۶ھ، کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش، ج۱۲ص۲۲۰، دار احیاء التراث بیروت
❸ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، ج۱ص۲۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

''خلافت کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ خلیفہ پدری نسب کے اعتبار سے قریشی ہو، اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے انصار کو خلافت سے روکا، اس حدیث کی بنا پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''کہ ائمہ قریش سے ہونگے''، اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہما روایت کرتے ہیں ''کہ خلافت کے باب میں لوگ قریش کے تابع ہونگے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امر خلافت قریش میں رہے گا جب تک ان میں سے دو بھی موجود ہوں''، اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی روایت کرتے ہیں ''کہ خلافت قریش میں رہے گی جب تک وہ دین پر قائم ہوں، جو ان سے عداوت اور اختلاف کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو ذلیل کرے گا''، یہ حدیث مذکورہ طرق کے علاوہ اور بھی کئی طرق سے ثابت ہے''۔

''یہ احادیث اور اس طرح دوسری روایات اس بات کی ظاہری دلائل ہیں کہ خلافت قریش کے ساتھ مختص ہے، اور صحابہؓ اور بعد کے حضرات کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ لہذا قریش کے علاوہ کسی اور کے لئے خلافت کا انعقاد جائز نہیں''۔

اگر مذکورہ تحقیق اور شرط کو دیکھا جائے پھر تو محمود غزنوی، عالمگیر اورنگزیب، ملا عمر اور ان کی طرح دیگر اسلامی خلیفہ اور حاکموں کو شرعی حاکم تسلیم کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ قریشی نہیں۔ اس لئے کئی علماء نے اس بارے میں مختلف تاویلات کر کے تساہل اور نرمی سے کام لیا۔

بعض حضرات نے مذکورہ شرط میں اختلاف کا سہارا لیتے ہوئے غیر قریشی کی خلافت اور حاکمیت کے جواز کا قول کیا، چنانچہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

واما شرط كون الامام قريشيا فعن ابى حنيفة وامام الحرمين الشافعي خلاف، ونقله نور الدين الطرابلسى عن ابى حنيفة كما فى القول المختار، والمشهور ة عن ابى حنيفة والشافعي واحمد ومالك شرط القرشي، وقد ينقل الاجماع ايضا. (1)

(1) العرف الشذی، علامہ انور شاہ کشمیری المتوفی ۱۳۵۲ھ، ابواب الجہاد، باب طاعۃ الامام، ج ۱ ص ۳۰۱، قدیمی کتب خانہ کراچی

''امام بننے کے لئے قریشی کے شرط ہونے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام الحرمین شافعیؒ سے اس بارے میں اختلاف منقول ہے، چنانچہ نورالدین طرابلسیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا قول مختار یہ نقل کیا ہے کہ قریشی ہونا شرط نہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے مشہور قول، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قریشی ہونا شرط ہے، یہاں تک اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے''۔

حضرت استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے اس مسئلے میں تحقیق کرتے ہوئے اختلاف ذکر کیا، اور اخر میں فرمایا: ''کہ یہ ساری بحث اس وقت ہے جب قریش میں خلافت کا اہل ہو، اور اہل حل وعقد کی طرف سے انعقاد ہو۔ لیکن اگر قریش میں کوئی اہل نہ ہو، یا کسی کا نسب پوری طور پر معلوم اور اس کا یقین نہ ہو، یا اہل حل وعقد کی طرف سے انعقاد اور انتخاب نہ ہو بلکہ تغلب اور زبردستی سے کوئی غیر قریشی مسلمان مسلط ہوجائے تو اس کے امام اور حاکم بننا بغیر شروط کے بھی معتبر ہوگا''۔

قوله ''الناس تبع لقريش فى هذا الشأن'' به استدل العلماء على اشتراط القرشية للامام، حتى ادعى بعضهم الاجماع على ذلك ... قال العبد الضعيف عفا الله عنه: فى حكاية الاجماع على هذه المسئلة نظر، فانه قد روى عن عدة من علماء المسلمين خلاف فى هذا... ثم هذا كله اذا وجد فى قريش من هو اهل للخلافة، أما اذا لم يوجد فيهم من يستجمع الأوصاف المطلوبة، فلا خلاف فى جواز عقد الخلافة لغير القرشى، وكذلك أظن فيما اذا ضيع الناس أنسابهم بحيث لا يتيقن كون الرجل من قريش أو غيرها، ثم هذه الشروط انما تعتبر عند عقد الخلافة من قبل أهل الحل والعقد، أما اذا تغلب رجل مسلم وصار اماما بتغلبه، فانه يأخذ أحكام الامامة، ولو فقدت فيه هذه الشروط، فتنفذ تصرفاته. [1]

[1] تکملہ فتح الملہم، مفتی محمد تقی عثمانی، کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش، والخلافۃ فی قریش، ج ۳ ص ۲۷۸...۲۸۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط ۱۴۱۶ھ

اس بارے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، غیر قریشی بادشاہ کو سلطان کہا جائے گا، لیکن اطاعت اس کی بھی واجب ہوگی۔ ❶

۴...... پورے عالم اسلام کا ایک خلیفہ ہونا

عن ابی سعید الخدری، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منهما. ❷

''حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب دو خلیفوں کی بیعت ہوجائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کرو''۔

امام نوویؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

واتفق العلماء علی انه لا یجوز ان یعقد لخلیفتین فی عصر واحد سواء اتسعت دار الاسلام ام لا. ❸

''علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک عصر اور زمانے میں دو خلیفوں کا تقرر جائز نہیں، خواہ دارالاسلام وسیع ہو یا نہ ہو''۔

فالقول العام فی ذلک ما تقدم من ان جمهور العلماء علی انه لا یصح نصب خلیفتین وان تباعد اقلیماهما واحتجاجا بعموم قوله صلی الله علیه وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منهما علی ماتقدم ذکره فی

❶ الکلام الحسن، ص۵، شریعت وسیاست ص۱۷، القول الجمیل ص۴۷، بحوالہ اسلام اور سیاست، مرتب مولانا محمد اسحٰق ملتانی، ص۹۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط۱۴۲۷ھ ❷ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج النیسابوری المتوفی ۲۶۱ھ، کتاب الامارۃ، باب اذا بویع لخلیفتین، ج۳ص۱۴۸۰، مکتبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ❸ شرح النووی علی مسلم، محیی الدین یحی بن شرف الدین النووی المتوفی ۶۷۶ھ، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول، ج۱۲ص۲۳۲، داراحیاء التراث بیروت

الفصل الثالث من الباب الاول والخلفاء المقدم ذکرهم من الخلفاء الراشدین رضی الله عنهم ثم من خلفاء بنی امیۃ ثم من خلفاء بنی العباس بالعراق ثم من خلفائهم الی آخر وقت جارون علی نسق واحد یلیها منهم الواحد بعد الواحد. ❶

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان'' کہ جب دو خلیفوں کی بیعت ہو جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کرو'' کے عموم سے جمہور علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ مختلف مما لک میں بھی ایک سے زیادہ خلیفوں کا تقرر جائز نہیں۔ خلفاء راشدینؓ، خلفاء بنی امیہ اور خلفاء بنی عباس میں یکے بعد دیگرا ایک ہی خلیفہ کے تقرر کا رسم اور طریقہ جاری تھا''۔

اس مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ پورے عالم اسلام کا ایک ہی خلیفہ ہونا چاہئے، جس طرح خلفاء راشدین کے زمانہ میں ایک ہی خلیفہ ہوتا تھا۔ تاہم بعد میں مسلمانوں اور زمانہ کے تغیر اور حالات کو دیکھ کر علماء نے ایک خلیفہ اور حاکم کے ہونے کو متعذر اور مشکل قرار دیکر مختلف علاقوں میں الگ الگ حاکم کے تقرر کو جائز کہا۔ چنانچہ امام الحرمینؒ نے اس بارے میں تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اذا تیسر نصب امام واحد یطبّق خطة الاسلام نظره، ویشمل الخلیقة علی تفاوت مراتبها فی مشارق الارض ومغاربها اثره، تعین نصبه ولم یسع والحالة هذه نصب امامین، وهذا متفق علیه لا یلفی فیه خلاف، ولما استتبت البیعة لخلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم ابی بکر الصدیق، ثم استمرت الخلافة الی منقرض زمن الائمة رضی الله عنهم اجمعین، فُهم علی الاضطرار من غیر حاجة الی نقل اخبار من مذهب المهاجرین والانصار ان مبنی الامامة علی ان لا یتصدی لها الا فرد ولا یتفرض لها الا

❶ ماثر الاناقة فی معالم الخلافة، احمد بن علی القاهری المتوفی ۸۲۱ھ، ج ۲ ص ۲۵۵، مطبع حکومة الکویت، ط ۱۹۸۵ء

واحد فی الدھر... ان الحالة اذا كانت بحيث لا ينبسط رأى امام واحد على الممالك، وذلك يتصور باسباب لا يتغمض، منها اتساع الخطة وانسحاب الاسلام على اقطار متباينة وجزائر فی لجج متقاذفة، وقد يقع قيام قوم من الناس نبذة من الدنيا لا ينتهی اليه نظر الامام، وقد يتولج من ديار الكفر بين خطة الاسلام، ويقطع بسبب ذلك نظر الامام عن الذين ورائه من المسلمين. فاذا اتفق ما ذكرناه فقد صار صائرون الى تجويز امام فی القطر الذين لا يبلغه اثر نظر الامام، ويغزى هذا المذهب الى شيخنا ابی الحسن والاستاذ ابی اسحاق الاسفراينی وغيرهما. وابتغى هؤلاء مصلحة الخلق. ❶

''جب ایک ایسا امام میسر ہو کہ اپنی نظر اور حکمرانی سے سارا اسلامی خطے کو قابو اور سنبھال سکتا ہو، اور مختلف علاقوں کی تمام مخلوق اس کے زیر اثر ہو سکتی ہو، تو ایسی صورت میں بلا خلاف سب کے نزدیک ایک امام کا تقرر ضروری ہے ایک سے زیادہ اماموں کا تقرر جائز نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ سے لیکر ائمہ خلافت تک یہی طریقہ تھا، یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس پورے زمانہ میں اس فرض کی ادائیگی ایک امام ہی سرانجام دیتا تھا۔ لیکن جب ایک امام کی رائے اور حکم کا تمام اسلامی ممالک میں چلنا دشوار ہو ایسے مختلف اسباب کی وجہ سے جن کو نظر انداز کرنے کی گنجائش نہیں، مثلاً خطے اور علاقے کی وسعت، اسلام کا مختلف اطراف اور دور جزیروں تک پھیلنا، باشندوں کا اتنے دور ملک میں ہونا جہاں امام کی نظر اور اثر رسوخ نہیں ہو سکتا اور اسی طرح اسلامی علاقوں اور ممالک کے درمیان دار کفر کا ہونا، ایسی صورت حال میں عوام کی مصلحت کی نظر امام ابوالحسن (ماوردیؒ)، امام ابو اسحاقؒ اور دیگر علماء نے ہر ملک اور

❶ غیاث الامم فی التیاث الظلم، امام الحرمین عبد الملک المتوفی ۴۷۸ھ، الباب السابع فی منع نصب امامین، ص ۱۷۲...۱۷۵، مکتبۃ الحرمین، ط ۱۴۰۱ھ

خطے کے لئے الگ الگ امام ہونے کو جائز قرار دیا ہے‘‘۔

عرب کی مشہور شخصیت علامہ رشید رضاؒ فرماتے ہیں:

وجملة القول ان جمهور المسلمين اجمعوا على ان تعدد الامامة الاسلامية غير جائزة، ومقتضاه ان الحكومة الاسلامية التى تتعد للضرورة وتعذر فى ترك اتباع الجماعة هى حكومة ضرورة تعتبر مؤقتة وتنفذاحكامها، ولكن لا تكون مساوية للاولى وان كانت مستجمعة شروط الامامة مثلها. [1]

’’حاصل کلام یہ ہے کہ جمہور کا اس بات پر اجماع ہے کہ اسلام میں امام اور حکومت کا متعدد ہونا جائز نہیں، البتہ مجبوری کی صورت میں اس قول کو چھوڑ کر متعدد حکومتوں کا قیام برداشت اور تسلیم کیا جائے گا، اور ان کے احکام نافذ العمل ہوں گے، تاہم باوجود شرائط امامت پائے جانے کے پھر بھی یہ تعدد ایک ہی امامت کی برابر نہیں ہوسکتی‘‘۔

ہندوستان کے مشہور غیر مقلد عالم اور مصنف حضرت مولانا محمد صدیق حسن خانؒ نے تمام اسلامی ممالک کے ایک امام اور حاکم ہونے کو تکلیف بما لایطاق، اور اس طرح کے مطالبہ کرنے والوں کو موجودہ حالات اور صورت حال سے ناواقف اور ناسمجھ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

واذا كانت الامامة الاسلامية مختصة بواحد، والامور راجعة اليه مربوطة به كما كان فى ايام الصحابة والتابعين وتابعيهم فحكم الشرع فى الثانى الذى جاء بعد ثبوت ولاية الاول ان يقتل اذا لم يتب عن المنازعة... واما بعد انتشار الاسلام واتساع رقعته وتباعد اطرافه فمعلوم انه قد صار فى كل قطر او اقطار الولاية الى امام وسلطان وفى القطر الآخر

[1] الخلافۃ، محمد رشید رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ، ص ۵۸، مطبعۃ الزھراء القاھرۃ

او الاقطار کذلک. ولا ینفذ لبعضهم امر ونهی فی عیر قطره او اقطاره التی رجعت الی ولایته فلا بأس بتعدد الائمة والسلاطین، وتجب الطاعة لکل واحد منهم بعد البیعة علی اهل القطر الذی ینفذ فیه أوامره ونواهیه، وکذلک صاحب القطر الآخر، فاذا قام من ینازعه فی القطر الذی ثبت فیه ولایته وبایعه اهله کان الحکم فیه ان یقتل اذا لم یتب ولا یجب علی اهل القطر الآخر طاعته ولا الدخول تحت ولایته لتباعد الاقطار، فانه لا یبلغ الی ما تباعد منها خبر امامها او سلطانها ولا یدری من قام منهم او مات، فالتکلیف بالطاعة والحال هذه تکلیف بما لا یطاق. وهذا معلوم لکل من له اطلاع علی احوال العباد والبلاد، فان اهل الصین والهند لا یدرون بمن له الولایة فی ارض المغرب فضلا عن ان یتمکنوا عن طاعته وهکذا العکس... فان الفرق بین ما کانت علیه الولایة الاسلامیة فی اول الاسلام وماهی علیه الآن اوضح من شمس النهار، ومن انکر ذلک فهو مباهت لا یستحق ان یخاطب بالحجة لانه لا یعقلها. [1]

”جب عالم اسلام کا امام ایک ہو اور امور مملکت اسی سے متعلق ہوں، جیسا کہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں تھا، تو ایسی صورت میں حکم شرعی یہ ہے کہ جب ایک امام کی ولایت قائم ہو اور کوئی دوسرا بھی امامت کا دعوی کرے اور منازعت سے باز نہیں آتا تو اس دوسرے کو قتل کیا جائے گا۔ لیکن اسلام کی وسعت اور پھیلاؤ، اور علاقوں میں دوری اور بعد پیدا ہونے کے بعد جب ہر ملک اور علاقے میں الگ الگ حکمرانی قائم ہونے لگی، اور ہر ایک کا صرف اپنے ہی علاقے میں حکم کا نفاذ ہونے لگا، تو ایسی صورت حال میں

[1] الروضة الندیة شرح الدرر البهیة، محمد صدیق حسن خان القنوجی المتوفی ۱۳۰۷ھ، کتاب الجهاد والسیر، ج۲ص ۳۶۱، ۳۶۲، دارالمعرفة

متعدد حکام اور اماموں میں حرج نہیں رہا۔ جب ایک ملک اور علاقے میں ایک امام اور حکمران کی ولایت قائم ہو جائے جہاں اسی کا امر اور نہی کا نفاذ ہو تو پھر صرف اسی ملک میں دوسرے کے لئے اس کے ساتھ منازعت جائز نہیں ہوگی، جبکہ دوسرے ملک کے باشندوں پر اس کی اطاعت واجب نہیں، کیونکہ دوری اور الگ ملک ہونے کی وجہ سے ان کے لئے اس امام کے احکام اور حالات سے باخبر ہونا دشوار ہوگا، جس طرح چین اور ہند کے باشندوں کو مغرب والوں اور مغرب والوں کو چین و ہندوستان کے باشندوں کے احوال و حالات کی خبر نہیں ہوتی، ایک دوسرے کے امام کی اطاعت تو دور کی بات ہے، تو ایسی صورت حال میں پورے عالم اسلام کے لئے ایک امام کی اطاعت لازم کرنا تکلیف بما لا یطاق ہے۔ ابتداء اسلام اور موجودہ حالات میں فرق بالکل واضح ہے، جو اس کا انکار کرے وہ اس کے مستحق نہیں کہ اس کے ساتھ اس بارے میں دلائل کے ساتھ مکالمہ کیا جائے، وہ ناواقف اور ناسمجھ ہے''۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: اب عام اجتماع (خلافت) تو مشکل ہے، اس لئے وہ لوگ ان کے قائم مقام ہوں گے جن کو عام مؤمنین سمجھیں گے کہ یہ ہمارے بڑے ہیں۔ (۱)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس بارے میں تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خلافت راشدہ کے بعد کچھ طوائف الملوکی کا آغاز ہوا، مختلف خطوں میں مختلف امیر بنائے گئے ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں، ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جا سکتا ہے اور جب پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر متعذر ہو گیا اور ہر ملک ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی تو مسلمانوں نے اس کا تقرر اسی اسلامی

(۱) حسن العزیز، باب سوم، ص۱۷۳، بحوالہ اسلام اور سیاست، مرتب مولانا محمد اسحٰق ملتانی، ص۹۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط۱۴۲۷ھ

نظریہ کے تحت جاری رکھا کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہ اس ملک کا امیر اولوالامر کہلائے، قرآن مجید کے ارشاد ''وامرھم شوری بینھم'' کے عموم سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے، اسمبلیاں اسی طرز عمل کا ایک نمونہ ہے۔ ❶

مصر کے مشہور عالم علامہ عبدالقادر عودہؒ نے اس بارے بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا: کہ اسلامی اعتبار سے تمام عالم اسلام کے لئے حاکم کا نہ ایک ہونا ضروری ہے اور نہ متعدد ہونا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وقد یظن البعض ان ھذا یقتضی ان تکون البلاد کلھا تحت حکم دولة واحدة، والبلاد الاجنبیة کلھا تحت حکم دولة واحدة، وھو ظن لا أساس لہ فی الواقع، فالنظریات الاسلامیة لم توضع علی أساس ان تکون البلاد الاسلامیة محکومة بحکومة واحدة، وانما وضعت علی أساس ما یقتضیہ الاسلام، والاسلام یقتضی ان یکون المسلمون فی کل بقاع الارض یدا واحدة، یتجھون اتجاھا واحدا تسوسھم سیاسة واحدة، وابسط الصور وأکفلھا بتحقیق ھذہ الغایة ان تکون کل بلاد الاسلام تحت حکم دولة واحد ة، ولکن لیست ھذہ ھی الصورة الوحیدة التی تحقق أھداف الاسلام، لان ھذہ الأھداف یمکن ان تتحقق مع قیام دول متعددة فی دار الاسلام ما دامت ھذہ الدول تتجہ اتجاھا واحدا. ❷

''بعض حضرات کا خیال ہے کہ شرعی اعتبار سے تمام اسلامی ممالک خواہ دور دراز کیوں نہ ہوں سب کا ایک حکومت کے ماتحت ہونا ضروری ہے، لیکن اس خیال کی کوئی بنیاد اور دلیل

❶ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج۱ص۱۸۶، ادارۃ المعارف کراچی، ط۱۴۱۷ھ

❷ التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالوضع القانونی، عبدالقادر عودہ المتوفی ۱۳۷۳ھ، الفصل الثالث سریان النصوص الجنائیة علی المکان، ج۱ص۲۹۰، ۲۹۱، دارالکاتب العربی بیروت، طن

نہیں۔اسلامی نقطہ نظر کی بنیاد ایک حکومت ہونے پر نہیں، بلکہ اس کا اساسی نظریہ اس بارے میں یہ ہے کہ تمام مسلمان متحد ہوں اور ایک جیسا سیاسی نقطہ نظر رکھتے ہوں، اس کے سب سے بہترین صورت ایک ہی حکومت اور دولت کا ہونا ضرور ہے، لیکن اس میں انحصار نہیں، اسلامی اہداف اور اغراض کا حصول متعدد حکومتوں کے قیام کی صورت میں بھی ممکن ہے''۔

حضرت استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ پوری دنیا میں خلیفہ ایک ہی ہونا چاہئے، اور مختلف ملکوں میں الگ الگ خلیفہ نہیں ہوسکتے...بعض حضرات کا موقف یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت کا دائرہ اتنی دور دور تک پھیل جائے کہ ان سب کو ایک امام کے ماتحت رکھنے میں عملی دشواری ہو تو ایسی صورت میں عالم اسلام کو مختلف ممالک میں تقسیم کرکے ان میں الگ الگ خلیفہ مقرر کئے جاسکتے ہیں...ایک مثالی اسلامی ریاست کی اصل کوشش یہ ہونی چاہیے کہ پوری دنیا میں ایک ہی امام ہو، لیکن موجودہ حالات میں جہاں عالم اسلام پچاس سے زیادہ حکومتوں میں منقسم ہے، عملی طور پر ایسا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان ممالک کے حکمران متفق ہوں، ورنہ مسلمان ملکوں کے درمیان جنگ کے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا جو یقیناً زیادہ بڑی برائی ہے۔اس لئے مجبوری کی حالت میں ان حکومتوں کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، ورنہ شدید خلفشار لازم آئیگا۔ ماضی میں بھی حکومتیں کئی کئی رہی ہیں، اور علماء امت نے ان کے احکام کو نافذ العمل سمجھا ہے۔ (۱)

استاذ محترم مذہبی سکالر اور محقق عالم حضرت مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ صاحب (مقیم امریکا) فرماتے ہیں: علماء امت فرماتے ہیں: کہ خلفاء راشدین کے دور میں ایک خلیفہ پر امت کا اجماع ہوچکا ہے۔لیکن ایک بات ہے کہ ایک تو حضرت علیؓ کے دور میں اگرچہ اجتہادی بنیاد پر تھا، لیکن دو خلیفہ تھے، ایک حضرت علیؓ اور ایک حضرت معاویہؓ، اور

(۱) اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط۱۴۳۱ھ

دونوں جانب صحابہ کرامؓ بھی تھے۔ اور بعد میں جب اسلام اقطار واطراف میں پھیل گیا، تو پھر انتظام وانصرام ذرا مشکل ٹھہرا، تو اجتہاد کا مجال پیدا ہوا اور ایک سے زیادہ خلفاء کے جواز کی صورت پیدا ہوئی۔ ❶

قائد ملت اسلامیہ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اس بارے میں اپنا نقطہ نظر یوں واضح فرماتے ہیں: ایک ہے خلافت کی تعریف، سیاست کی تعریف، امارت کی تعریف، صدارت کی تعریف، تو تعریف تو پوری دنیا میں جہاں بھی ہوگی یکساں ہوگی، لیکن یہ کہ اس میں جغرافیائی تقسیم نہیں آسکتی، میرے خیال میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی شام اور عراق کی تقسیم نے آنے والی نسلوں کو اور قیامت تک کی امت کو جغرافیائی تقسیم کا ایک جواز ضرور فراہم کر دیا ہے۔ تو اس حوالے سے اصول ایک ہوں گے، نظریہ ایک ہوگا، تعریف ایک ہوگی، لیکن جغرافیائی تقسیم کی بنیاد پر ذمہ داری کا جو تصور ہے اس کا راستہ کھلا رہے گا۔ ❷

۵...... جہاد کے لئے امام کی اجازت واذن ہونے کی شرط

الامام جنة يقاتل من ورائه، ويتقى به، فان امر بتقوى الله وعدل فان له بذلک اجرا، وان قال بغيره فان عليه منه. ❸

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ امام وحاکم ڈھال ہے، اس کے ماتحت قتال کیا جاتا ہے، اور اس کے ذریعے بچاؤ اور حفاظت ہوتی ہے، پس اگر وہ تقوی کا حکم کرے اور انصاف وعدل قائم کرے تو اس پر اس کو اجر ملے گا، اور اگر اس کے خلاف کرے تو اس پر اس کو وبال پڑے گا“۔

❶ اسلام اور سیاست، مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ، ص ۱۸۵، مکتبہ شیخ الہند صوابی، ط ۲۰۱۷

❷ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۳ ص ۳۳۲، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء ❸ صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، کتاب الجهاد والسير، باب من يقاتل وراء الامام، ج ۴ ص ۵۰، مکتبہ دار الطوق النجاة، ط ۱۴۲۲ھ

اس حدیث کی تفصیل وتشریح میں محدثین وفقہاء کی ایک جماعت نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جہاد کے لئے حاکم وقت کی اجازت واذن شرط ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

یقاتل من ورائه، قال النووی ای یقاتل معه الکفار والبغاۃ وسائر اھل الفساد... وھذا خبر عن المشروعیة ای یجب ان یقاتل امام الامام. ❶

''امام نوویؒ نے فرمایا: کہ امام کے ساتھ ہوکر کفار، باغیوں اور تمام مفسدین کے ساتھ قتال کیا جائے... یہ شرعی طور پر خبر ہے کہ امام کے ساتھ ہوکر جہاد کرنا واجب ہے''۔

امام الحرمین فرماتے ہیں:

ان معظم فروض الکفایة مما لا تتخصص باقامتها الائمة، بل یجب علی کافة اھل الامکان ان لا یغفلوہ ولا یغفلوا عنه کتجھیز الموتی ودفنھم والصلاۃ علیھم. واما الجھاد فموکول الی الامام. ❷

''فرض کفایہ کے اکثر انواع حکام اور ائمہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ بقدر امکان عام اہل اسلام پر ضروری ہے کہ ان سے غفلت نہ کریں، جیسا کہ اموات کی تجہیز وتدفین اور نماز جنازہ۔ جہاں تک جہاد ہے تو وہ امام اور حاکم سے متعلق ہے''۔

علامہ زحیلیؒ فرماتے ہیں:

فالجھاد یکون بالتعلیم وتعلم احکام الاسلام ونشرھا بین الناس، وببذل المال، وبالمشارکة فی قتال الاعداء اذا اعلن الامام. ❸

''جہاد ہوتا ہے احکام اسلام کی تعلیم وتعلم اور ان کی اشاعت کے ذریعے، مال کے

❶ حاشیۃ السیوطی علی سنن النسائی، عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، کتاب البیعۃ، ج ۷ ص ۱۵۵، ۱۵۶، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب، ط ۱۴۰۶ھ ❷ غیاث الامم فی التیاث الظلم، امام الحرمین عبدالملک المتوفی ۴۷۸ھ، الباب الثامن فیما یناط بالائمۃ والولاۃ من احکام الاسلام، ص ۲۱۰، مکتبۃ الحرمین، ط ۱۴۰۱ھ
❸ الفقہ الاسلامی وادلتہ، وہبۃ الزحیلی، الباب الرابع الجہاد وتوابعہ، ج ۸ ص ۵۸۴۶، مطبع دار الفکر دمشق

خرچ اور انفاق کے ذریعے، اور دشمنوں کے مقابلہ کرنے کے ذریعے بشرطیکہ امام وحاکم اس کا اعلان کرے''۔

علامہ جابر الجزائری اس بارے میں فرماتے ہیں:

والثانی ان یکون تحت رایة امام المسلمین الذی بایعته الامة بواسطة اهل العقد من العلماء وقادة الجهاد واشراف البلاد واهل التلاد من عرب وعجم، والجهاد یکون ورائه ان قاد المعرکة او وراء من اناب عنه فی قیادتها. ❶

''جہاد کے لئے اخلاص نیت کے بعد دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے ایسے امام کے جھنڈے کے تحت ہو جس کو امت نے عرب وعجم کے علماء، مجاہدین کے قائدین اور علاقے کے اشراف کے اہل حل وعقد حضرات کے واسطے سے منتخب کیا ہو، تو جہاد اس طرح کے امام یا اس کے نائب کی قیادت میں ہوتا ہے''۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد شرعی حاکم اور خلیفہ کی قیادت میں ضروری ہے، لیکن اس شرط کو اب بھی ضروری قرار دینا باب جہاد کے مسدود کرنے کے مترادف ہے، اس لئے صورت حال اور حالات کے جائزہ لینے کے بعد علماء نے خلیفہ اور حاکم کے بغیر جہاد کو مشروع قرار دیا۔

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

وامر الجهاد موکول الی الامام واجتهاده، ویلزم الرعیة طاعته فیما یراه من ذلک... وان عدم الامام لم یؤخر الجهاد، لان مصلحته تفوت بتاخیره. ❷

❶ حقیقة الجهاد فی سبیل الله ومحرمة الخروج علی حاکم المسلمین، جابر بن موسی بن عبد القادر الجزائری، ص۶، مطابع الرشد ❷ المغنی لابن قدامہ، ابو محمد عبد اللہ ابن قدامہ التوفی ۶۲۰ھ، کتاب الجهاد، ج۹ ص۲۰۲، مکتبة القاهره، ط ۱۳۸۸ھ

''جہاد کا معاملہ امام اور حاکم کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے، اس بارے میں عوام پر اس کی رائے کی تابعداری اور احترام لازم ہے... لیکن اگر امام نہ ہو تو پھر اس وجہ سے جہاد کو مؤخر نہ کیا جائے، اس لئے کہ تاخیر کی وجہ سے مصلحت فوت ہوسکتی ہے''۔

علامہ علی بن نایف نے اس بارے اس طرح وضاحت فرمائی ہے:

فیجب علی المسلمین ان یقیموا اماما منھم، ان لم یکن ھناک امام عام، ولیس وجود الامام شرطا فی وجود الجھاد. ❶

''اگر امام عام اور حاکم نہ ہو، تو مجاہدین پر واجب ہے کہ اپنوں میں سے کسی کو امام مقرر کریں، اس لئے کہ امام (عام) کا ہونا جہاد کے لئے شرط نہیں''۔

چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور جہاد کے لئے جب مشورہ ہونے لگا، تو حضرت شیخ محمد تھانویؒ نے یہ اشکال پیش کیا کہ سب سے بڑی شرط جہاد میں نصب امام کی ہے، اس وقت امام کہاں ہے جس کی قیادت میں جہاد کیا جائے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا: نصب امام میں کیا دیر لگتی ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب موجود ہیں ان ہی کے ہاتھ پر بیعت جہاد کیا جائے، اس پر حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی گئی۔ ❷

۶......امام کے لئے عالم وعادل ہونے کی شرط

عام کتابوں میں امام اور خلیفہ بننے کے لئے عادل اور عالم مجتہد ہونے کو شرط قرار دیا گیا، چنانچہ علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں:

واما اھل الامامۃ فالشروط المعتبرۃ فیھم سبعۃ: احدھا العدالۃ علی

❶ الاحکام الشرعیۃ للثورات العربیۃ، علی بن نایف الشحود، المبحث السابع والاربعون، ص ۸۲۸، ن

❷ سوانح قاسمی، مولانا مناظر احسن گیلانی متوفی ۱۹۵۶ء، ج ۲ ص ۱۲۳۔۱۲۶، مکتبہ دارالعلوم دیوبند

شروطها الجامعة. والثانی العلم المؤدی الی الاجتهاد فی النوازل والاحکام. ❶

”امامت کی اہلیت کی معتبر اور اہم شرائط سات ہیں: پہلی شرط وہ عدالت ہے جو شرائط کو جامع ہو، دوسری شرط ہے ایسا علم ہونا جو واقعات اور احکام میں اجتہاد کے درجہ میں ہو“۔

علامہ احمد القلقشندی فرماتے ہیں:

العاشر العدالة ، فلا تنعقد امامة الفاسق... الثانی عشر العلم المؤدی الی الاجتهاد فی النوازل والاحکام، فلا تنعقد امامة غیر العالم بذلک. ❷

”امامت کی دسویں شرط عدالت ہے، تو فاسق کی امامت منعقد نہیں ہوتی... بارویں شرط ایسا علم ہے جو واقعات اور احکام میں اجتہاد کے درجہ میں ہو، تو غیر عالم اور غیر مجتہد کی امامت بھی منعقد نہیں ہوتی ہے“۔

لیکن علماء اور فقہاء نے دوسری طرف کتابوں میں اس مسئلہ کو بھی ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر شرائط مذکورہ کے حاکم بن جائے تو اس کی امامت اور حاکمیت تسلیم کرنا لازم ہے، چنانچہ امام الحرمین فرماتے ہیں:

ان استجماع صفات المجتهدین شرط الامامة، فلو لم نجد من یتصدی للامامة فی الدین، لکن صادفنا شهما ذانجدة و کفایة و استقلال بعظائم الامور، علی ما تقدم وصف الکفایة، فتعین نصبه فی امور الدین والدنیا، وتنفذ احکامه کما تنفذ احکام الامام الموصوف بخلال الکمال المرعی فی منصب الامامة. ❸

❶ الاحکام السلطانیۃ، ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ، ص ۱۹، مکتبہ دارالحدیث القاہرہ ❷ مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ، ص ۳۶، ۳۷، احمد بن علی القلقشندی المتوفی: ۸۲۱ھ، مطبعہ حکومت الکویت، ط ۱۹۸۵ء
❸ غیاث الامم فی التیاث الظلم، امام الحرمین عبدالملک المتوفی ۴۷۸ھ، ص ۳۱۰، مکتبۃ الحرمین، ط ۱۴۰۱ھ

’’امام کے لئے مجتہدین کے اوصاف کا جامع ہونا شرط ہے، لیکن اگر کوئی دینی اعتبار سے ایسا نہ ہو، البتہ ایسا سردار اور رہنما جو مضبوط شخصیت کا مالک ہو اور بڑے امور کے سر انجام دینے میں استقلال کا حامل ہو، تو دینی اور دنیوی امور کے لئے اس کو منصب امامت دینا متعین ہے، اور اس کے احکام کا نفاذ اس طرح ہوگا جس طرح اوصاف امامت کے حامل شخص کے احکام کا نفاذ ہوتا ہے‘‘۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: شریعت میں جس طرح امام خلیفہ کی اطاعت واجب ہے، اسی طرح سلطان کی بھی، یعنی جس کو تسلط و شوکت حاصل ہو جائے، اور مسلمان اس کے سایہ حمایت میں امن و عافیت سے رہ سکیں۔ سو سلطان ہونے کے لئے وہ شرائط نہیں جو امامت و خلافت کے لئے ہیں، البتہ اسلام شرط ہے۔ ❶

حاکم اور خلیفہ کی طرح قاضی کے لئے بھی فقہائے کرام نے عدالت اور اجتہاد کو شرط قرار دیا ہے، لیکن حالات زمانہ کی وجہ سے ان شرائط میں بھی علماء و فقہاء نے نرمی اور تساہل سے کام لیا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب امام غزالیؒ اور علامہ ابن ہمامؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ’’اجتہاد اور عدالت کی ان شرطوں کا کسی شخص میں جمع ہونا ہمارے زمانے میں بہت مشکل ہے، کیونکہ مجتہد اور ایسے عادل آدمی سے زمانہ خالی ہو گیا، لہذا اب تو طریقہ یہی ہے کہ جس شخص کو بھی صاحب اقتدار سلطان قاضی بنادے اُس کے فیصلوں کو نافذ قرار دیا جائے، چاہے وہ جاہل اور فاسق ہی کیوں نہ ہو، اور یہی ہمارے مذہب کا ظاہری تقاضا ہے چنانچہ اگر سلطان نے کسی جاہل فاسق کو قاضی بنادیا تو یہ تقرر صحیح ہو گیا، اور ایسا قاضی کسی دوسرے (یعنی مفتی) کے فتوی پر عمل کرے گا، البتہ ایسے قاضی کو بنانا نہیں چاہئے‘‘۔ ❷

❶ فروع الایمان، حکیم الامت اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ص ۷۷، مکتبۃ البشری کراچی

❷ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۲۲۵، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

۷......قیام خلافت کے واجب ہونے کا مطلب

اس میں شک نہیں کہ خلافت کا قیام ایک اہم فریضہ ہے، مختلف آیات اور احادیث مبارکہ سے علماء وفقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے، امام قرطبیؒ ''واذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفة'' (البقرة: ۳۰۔) کے تحت فرماتے ہیں:

ھذه الآیة اصل فی نصب امام وخلیفة یسمع له ویطاع، لتجتمع به الکلمة، وتنفذ به احکام الخلیفة، ولا خلاف فی وجوب ذلک بین الامة ولا بین الائمة. ❶

''یہ آیت اصل ہے ایسے امام اور خلیفہ کے نصب اور منتخب کرنے میں جس کا حکم سنا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے، تاکہ اس کے ذریعے سے امت میں وحدت قائم ہو، اور خلافت ومملکت کے احکام نافذ ہوں۔ اور نصب خلیفہ کے وجوب کے بارے میں امت اور ائمہ میں اختلاف نہیں ہے''۔

تاہم قیام خلافت کو واجب سمجھتے ہوئے اس بات کو بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ نصب خلیفہ کا واجب ہونا قدرت اور استطاعت سے مشروط ہے، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: گو نصب خلیفہ واجب ہے، لیکن واجب کے لئے قدرت شرط ہے، اور قدرت اس وقت مفقود ہے، اس واسطے گو عالم اس وقت خلیفہ سے خالی ہے، لیکن باین حالات خلیفہ کے نہ ہونے سے کوئی گناہ نہیں ہے۔ ❷

اور حدیث ''**عن معاویة، قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من مات ولیس له امام مات میتة جاهلیة**''۔ ❸ ہے یا اس طرح کی دوسری روایات کا

❶ تفسیر القرطبی، ابو عبداللہ محمد القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ، ج ۱ ص ۲۶۴، دار الکتب المصریہ القاہرہ، ط ۱۳۸۴ھ

❷ الافاضات الیومیہ، ج ۲ ص ۸۱، بحوالہ اسلام اور سیاست، مرتب محمد اسحٰق ملتانی ص ۱۶۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ ❸ صحیح ابن حبان، محمد ابن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ھ، ج ۱۰، ص ۴۳۴، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ط ۱۴۰۸ھ

تعلق ہے تو ان کے بارے میں حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں: کہ من لم یعرف امام زمانہ کے معنی بندہ کے نزدیک یہ ہیں کہ نہ پہچاننا کنایہ ہے امام کے موجود ہونے کی صورت میں اس کی اطاعت نہ کرنے سے، ملزوم بول کر لازم مراد ہے، کہ نہ پہچاننا مستلزم ہے اطاعت نہ کرنے کو۔ البتہ نصب امام دوسری دلیل سے واجب ہے، اور یہ مشروط ہے شرط قدرت کے ساتھ، اور قدرت کی شرائط میں سے مسلمانوں کا ایک امام پر متفق ہونا بھی ہے، اور حالات حاضرہ میں یہ مشکل ہے، لہذا خلیفہ نہ ہونے سے نہ معصیت اور گناہ لازم آتا ہے، اور نہ جاہلیت والی موت لازم آتی ہے (فارسی مترجم)۔ ❶

اسی طرح مسلم شریف کی روایت ہے "**من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة**" ❷ کے بارے میں حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:

"**لیس فی عنقه بیعة**" کنایہ ہے خروج عن طاعۃ الامام سے، اور یہ محقق ہے وقت تحقق امام کے، اور جب امام نہ ہو تو اس معنی کر "**ولیس فی عنقه بیعة**" صادق نہیں آتا، اس لئے کوئی تردد نہیں۔ ❸

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی مذکورہ عبارت کا حاصل یہ ہوا کہ ان روایات کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب امام موجود ہو، تو اس کی اطاعت واجب اور ضروری ہے، اگر کوئی اطاعت نہ کرے تو اس کی موت جاہلیت والی موت ہوگی، اور اگر امام اور خلیفہ موجود نہ ہو تو پھر خلافت قائم کرنا واجب ہے جب قدرت ہو، اور سب لوگوں ایک امام پر متفق ہوں،

❶ امداد الفتاوی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ج۴ ص۳۶۹، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۱۴۱۵ھ ❷ صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج النیسابوری المتوفی ۲۶۱ھ، کتاب الامارۃ، باب الامر بلزوم الجماعۃ عند ظهور الفتن وتحذیر الدعاۃ الی الکفر، ج۳ ص۱۴۷۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، ط ن ❸ امداد الفتاوی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ج۵ ص۸۸، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۱۴۱۵ھ

اگر قدرت نہ ہو یا ایک امام پر اتفاق نہ ہوسکتا ہو، تو پھر خلافت قائم نہ کرنے سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا ہے۔

اور استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے بقول خلافت قائم کرنا واجب اس صورت میں ہے، جب مسلمانوں کا کوئی امام اور حاکم نہ ہو، اگر ان کا کوئی حاکم یا سربراہ مملکت ہو، تو پھر نصب الامام کا وجوب نہیں ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اس بارے میں تمام فقہاء اور اہل عقائد اس بات پر متفق ہیں کہ امام کا نصب کرنا مسلمانوں پر واجب ہے، یعنی مسلمانوں کی پوری جماعت کے ذمہ واجب ہے کہ وہ کسی کو اپنا امام بنائیں، ایسے شخص کو امام بنائیں جو ان صفات کا حامل ہو۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نصب الامام کا ایک طرح سے فرض کفایہ ہوا۔ لیکن یہاں یہ فرق سمجھ لیجئے کہ نصب الامام کا واجب ہونا اس کا تعلق اس حالت سے جب مسلمانوں کا کوئی سربراہ نہ ہو، یعنی مسلمان بغیر کسی سربراہ کے زندگی گزار رہے ہوں، کوئی ان کا حاکم نہ ہو، کوئی ان کا سربراہ نہ ہو، اس وقت میں مسلمانوں میں سے کسی ایک کو امام بنانا واجب ہے۔ ❶

۸......اسلامی حکومت خلافت میں منحصر نہیں ہے

اس میں شک نہیں کہ خلافت، اسلام کا ایک اعلی آئیڈل اور نمونہ ہے، لیکن ساتھ یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اسلام خلافت میں منحصر نہیں، یہ ایسا ہے کہ جس طرح فقاہت میں مثلاً امام ابو حنیفہؒ ہمارے لئے ایک اعلی آئیڈل اور نمونہ ہیں، اور امام بخاریؒ محدث ہونے کے اعتبار سے ایک اعلی مرتبہ پر فائز ہیں، لیکن پھر بھی محدث اور فقیہ بننا اور سمجھنا ان میں منحصر نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو اگر چہ خلیفہ شمار نہیں کرتے ہیں، لیکن ان کو اسلامی

❶ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۲۲۶، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

حاکم اور سلطان عادل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ متکلم اسلام حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ صلح ۱۵ جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں وقوع پذیر ہوئی جس سے خلافت راشدہ کی مدت تیس سال پُوری ہوگئی، اور اس کے بعد امارت اور حکومت یعنی سلطنت اور بادشاہت شروع ہوئی۔ اس لئے اہل سُنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس صلح کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے پہلے بادشاہ ہیں، خلیفہ نہیں۔ ❶

ایک دوسرے مقام پر اس بارے وہ فرماتے ہیں: اسلام نے حکومت قائم کرنے کا حکم تو دیا ہے، مگر اس کی کوئی خاص شکل معین نہیں کی، اسلام اپنے پیرووں کو حکم دیتا ہے کہ تم خداوند احکم الحاکمین کے نام ایک حکومت قائم کرو، اور خدا تعالیٰ نے جو قانون شریعت یعنی کتاب وسنت اپنے آخری نبی پر نازل کیا ہے، اس کے مطابق ملک کا انتظام کرو، خواہ بطریق ملوکیت ہو یا بطریق جمہوریت ہو، چاہے بادشاہ بنو اور چاہے صدر جمہوریہ بنو، جو چاہے بنو، بہر حال قانون شریعت کا اتباع تم پر لازم ہے۔ ❷

مشہور مذہبی سکالر اور معروف عالم دین حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں: اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں میری طالب علمانہ رائے ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے چند بنیادی اصول تو بیان کیے گئے ہیں جن سے ایک اسلامی حکومت کا دائرہ کار اور حدود کا تعین ہو جاتا ہے۔ لیکن سیاسی نظام کا کوئی ڈھانچہ قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے، اسے امت کی صوابدید پر ہر دور کے حالات کے تناظر اور ضروریات کے لئے اوپن چھوڑ دیا گیا، جو بہت بڑی حکمت کی بات ہے... قرآن پاک اور

❶ خلافت راشدہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۹۷۴ء، ص ۲۰۷، المکتبۃ الاشرفیۃ لاہور

❷ دستور اسلام، مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۹۷۴ء، ص ۹۶، ۹۷، ن

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد وعمل کے حوالے سے اسلامی حکومت کی تین بنیادی نظر آتی ہیں: ا۔ حکومت کا قیام عوامی مرضی سے ہوگا۔ ۲۔ خلیفہ کو استبدادی اختیارات حاصل نہیں ہوں گے، بلکہ وہ قرآن وسنت کے احکام کا پابند ہوگا۔ ۳۔ قرآن وسنت کے صریح احکام کے مقابلہ میں عوامی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا... خلیفہ کے انتخاب کے طریق کار، حکومتی ڈھانچہ اور عوام کے احتساب کو عملی شکل دینے کے تمام امور حالات پر چھوڑ دیے گئے ہیں اور اس کے لئے ہر دور میں اس کے حالات اور ضروریات کے مطابق کوئی بھی طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے چودہ سو سالہ تعامل میں مختلف طرز ہائے حکومت کو عوامی اور علمی حلقوں کی طرف سے جواز کا درجہ اور سند حاصل ہوتی رہی ہے۔ (۱)

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں:

الذی یتبین من دراسة أحکام السیاسة الشرعیة، وما ورد فی القرآن والسنة فی هذا المجال. ان الاسلام لم یحدد شکلا خاصًا للحکومة ... ولاعین لها منهجا خاصًا بجمیع تفاصلیه الجزئیة، وانما شرع لنا أصولا، ومبادئ، وأحکاما لابد من رعایتها والمحافظة علیها فی کل زمان و مکان. (۲)

''احکام سیاسی شرعی کے علم اور درس سے اور سیاست کے باب کے متعلق جو احکام قرآن وسنت میں مذکور ان سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے حکومت کے لئے نہ کوئی خاص شکل وصورت متعین کی ہے، نہ تمام تفاصیل جزئیہ کے ساتھ کوئی طریقہ متعین کیا ہے، البتہ کچھ اصول، مبادی اور احکام کو وضع کیا ہے جن کی رعایت اور پابندی ہر زمانے اور علاقے میں ضروری ہے''۔

(۱) عصر حاضر میں اجتہاد چند فکری وعملی مباحث، مولانا زاہد الراشدی، ص ۱۶۳۔۔۔۱۶۶، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ط ۲۰۰۸ء

(۲) تکملة فتح الملهم، محمد تقی العثمانی، کتاب الامارة، ج ۳ ص ۲۷۳، مکتبہ دار العلوم کراتشی، ط ۱۴۱۶ھ

۹......خلافت بمعنی بادشاہت

یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ طرز حکومت کو خلافت یا امارت کے نام سے موسوم کرنا کوئی صریح نص قطعی نہیں، اس طرح طور پر کہ اگر یہ نام نہ ہو تو وہ حکومت اور طرز حکومت اسلامی نہیں کہلایا جائے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو خلیفہ کہا جاتا تھا، پھر تبدیل ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو امیر المؤمنین کہا جانے لگا، فقہ کی کتابوں میں عموماً امامت کبری اور امام کے نام سے تذکرہ ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خلافت وغیرہ کا نام کوئی واجب نہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ ملوکیت یا بادشاہت یا سلطنت نام کچھ بھی رکھ لو، اصل بات یہ ہے کہ اس کا اختیار کتنا ہے؟ اور کن اصولوں کے تحت وہ حکومت کرتا ہے؟ اگر وہ بات درست ہے تو چاہے اس کا نام ملوکیت رکھ لو چاہے اس کا نام خلافت رکھ لو اور جو چاہے اس کا نام رکھ لو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اُسے بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ [1]

لہٰذا عصر حاضر میں سربراہ مملکت کو صدر یا وزیر اعظم کے نام سے جو موسوم کیا جاتا ہے، شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

اور ساتھ یہ کہ خلافت ایک بمعنی خاص ہے، جس کی تعریف امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالے سے ابتدا میں گزری ہے، اور ایک خلافت بمعنی عام ہے یعنی بادشاہت وغیرہ، اس اعتبار سے کسی بھی مسلمان حکمران پر خلیفہ کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ عرب کی ایک مشہور شخصیت اور عالم عبد الوہاب خلاف نے وجوب نصب خلافت کی بحث میں اس کا حاصل اور مراد اقتدار اور قیام ریاست بتایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

والنتیجة ان عامة العلماء متفقون علی ان الواجب ان یکون

---

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۳۰، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

للمسلمين امام اكبر او رياسة عليا، تجتمع حولها كلمة الامة، وتكون شعار وحدتها والمنفذة لارادتها. ❶

''اس بحث کا نتیجہ اور حاصل یہ ہے کہ عام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے لئے ایک امام اکبر (حاکم) اور ایسی ریاست کا قیام واجب ہے، جس پر امت کی وحدت قائم ہو، اور وہ وحدت امت اور مقاصد کے نفاذ کی علامت ہو''۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ استخلاف کے ایک معنی بادشاہ بنانے کے کرتے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: حقیقت استخلاف درعرف قدیم وجدید خلیفہ ساختن و بادشاہ گردانیدن است۔ ❷

''قدیم اور جدید عرف واصطلاح میں استخلاف کے معنی ہیں خلیفہ بنانا، اور بادشاہ بنانا''۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں: قرآن کی زبان میں خلافت اور استخلاف فی الارض اور وراثت وتمکن فی الارض سے مقصود زمین کی قومی عظمت وریاست اور قوموں ملکوں کی حکومت وسلطنت ہے، قرآن حکیم اس کو سب سے بڑی نعمت قرار دیتا ہے، جو اچھے یقین اور اچھے کاموں کے بدلے اقوام عالم کو مل سکتی ہے۔ قرآن کے نزدیک اس خلافت ارضی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت وسعادت کے لئے ایک خاص ذمہ دار قوم وحکومت قائم ہو، وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے، ظلم وجور اور ضلالت وطغیان سے اس کی زمین پاک ہوجائے۔ ❸

اس بحث کا حاصل یہ ہوا کہ معترضین حضرات خلافت بمعنی الخاص (خلافت راشدہ) کو ہر صورت اور ہر حالت میں واجب قرار دیتے ہیں، اور اسلام کے اجتماعی نظام کو صرف

❶ السياسة الشرعية فی الشئون الدستورية والخارجية والمالية، عبدالوہاب خلاف المتوفی ۱۳۷۵ھ، وجوب نصب الخليفة، ص ۶۱، دارالقلم، ط ۱۴۰۸ھ

❷ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ المتوفی: ۱۱۷۶ھ ج ۱ ص ۷۶، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

❸ مسئلہ خلافت، ابوالکلام آزاد متوفی ۱۹۵۸ء، ص ۱۹، مکتبہ جمال لاہور، ط ۲۰۰۶ء

اور صرف خلافت بمعنی الخاص میں منحصر سمجھتے ہیں، اس کے علاوہ سب صورتوں اور طریقہ کار کو غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔ یہ ان کی حضرات کی غلط فہمی ہے، اس لئے کہ ہم نے اکابر کے اقوال اور ارشادات سے ثابت کیا کہ اسلام کا اجتماعی اور مملکتی نظام خلافت بمعنی الخاص میں منحصر نہیں ہے، اور نہ اس کا قیام ہر صورت اور ہر حالت میں واجب ہے، اور نہ اس کے علاوہ تمام صورتیں خلاف شریعت ہیں۔

۱۰......اسلامی نظام کا مطالبہ

مذکورہ بالا ابحاث سے خلافت اور اس کی حدود حال کے بارے میں اتنا تو معلوم ہوا، کہ خلافت اپنے پورے اوصاف کے ساتھ ایک مثالی نمونہ ہونے کے باوجود موجودہ صورت حال میں اس کا نفاذ مشکل بلکہ متعذر رہے، اس لئے قرآن کریم نے ''**ان الدین عند الله الاسلام**'' (آل عمران: ۱۹) اور ''**یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة**'' (البقرۃ: ۲۰۸) اور اس طرح کی دوسری آیاتوں میں اسلام کا حکم دیتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ اصل مقصود اسلام اور اس کا نفاذ ہے۔

پاک و ہند کے اکابر علماء دیوبند اور مفتیان عظام جنھوں نے اپنے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے سچے وارث ہونے کا ثبوت دیا، نے ظاہر بینی کے بجائے لوگوں اور زمانہ حال کا ادراک کرتے ہوئے عموماً اپنے مطالبات اور منشوروں میں خلافت کے بجائے شریعت اور اسلامی نظام کا نفاذ شامل کیا ہے، کیونکہ مفتیان کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ فتوی دیتے وقت عرف، حقیقت حال اور مخاطب کے حال کا بھی لحاظ اور ادراک کریں۔

۱...... ۱۹۱۹ء میں جب پہلے بار متحدہ ہندوستان میں حسب منشا حضرت شیخ الہند اور استاذ الکل حضرت مولانا محمود الحسن علماء کی ایک سیاسی جماعت جمعیت علماء ہند کے قیام کا فیصلہ ہوا، تو اس کے اغراض و مقاصد اور منشور مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

نے مرتب کیا، اس منشور کے دفعات میں یہ دفعہ شامل ہے: ملت اسلامیہ کی شرعی تنظیم اور محاکمہ شرعیہ کا قیام، شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے محاکمہ شرعیہ کا قیام۔ ❶

۲......1951ء میں پاکستان کے لئے اسلامی دستوری خاکہ مرتب کرنے کے لئے تمام مکاتب فکر کا ایک اجتماع زیر صدارت حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کراچی میں منعقد ہوا، جو چار دن تک جاری رہا، اس میں بالاتفاق خاکہ منظور کیا گیا، وہ دستوری خاکہ ''۲۲ نکات'' کے نام سے مشہور ہے، اس میں دیوبند مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بڑی چوٹی کے علماء شریک تھے، ان میں مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا محمد صادق کراچویؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد ادریس کاندہلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مفتی محمد حسنؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ حضرات تھے، اس ۲۲ اسلامی نکات میں خلافت کے الفاظ کے بجائے یہ الفاظ شامل ہیں: (الف) اصل حاکم تشریعی وتکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔ (ب) ملک کا قانون کتاب وسنت پر مبنی ہوگا، اور کوئی قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا حکم دیا جاسکے گا جو کتاب وسنّت کے خلاف ہو۔ (ج) مملکت کسی جعرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں، بلکہ اس اصول اور مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔ ❷

۳۔۔ پاکستان کے قیام کے دوران جمعیت علماء اسلام وجود میں آئی، جس کے پہلے صدر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ناظم عمومی حضرت مفتی محمد شفیعؒ منتخب کے گئے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ مرکزی جمعیت علماء اسلام کے اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اسلامی نظام حیات کے تمام شعبوں کی شریعت اسلامیہ کی روشنی میں علمی وضاحت اور

❶ جمعیۃ العلماء کیا ہے، حضرت مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۱۴، ۹۹، جمعیۃ پبلی کشنز لاہور، ط ۲۰۱۶ء ❷ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۵۷۳، بیت العلوم لاہور، ط ن، اسلامی منشور، ص ۵۰...۵۳، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء اسلام لاہور، ط ۱۹۸۷ء

پاکستان میں ان کے عملی قیام اور مکمل نفاذ کی جدوجہد کرنا۔ ❶

۴۔۔۱۹۵۶ء میں جمعیت علماء اسلام پاکستان کی تنظیم نو کے سلسلہ میں ملک بھر کے جید علماء کرام کا ایک اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ملتان میں منعقد ہوا، اس میں جمعیت کے اغراض ومقاصد اور قواعد کو از سرنو مرتب کرنے کے لئے محقق عصر حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، اور فقیہ العصر مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور کچھ دیگر حضرات کی ایک کمیٹی بنائی گئی، اسی اجلاس میں جو تین دن جاری تھا، مولانا مفتی محمودؒ نے جمعیت کے اغراض ومقاصد پیش کیے، جو منظور کے گئے۔ ❷

ان اغراض ومقاصد میں اسلامی نظام کے حوالے سے جو دفعہ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:
پاکستان میں صحیح حکومت اسلامیہ برپا کرنا، اور اسلامی عادلانہ نظام کے لئے ایسی کوشش کرنا جس سے باشندگان پاکستان ایک طرف انسانیت کش سرمایہ داری اور دوسری طرف الحاد آفرین اشتراکیت کے مضر اثرات سے محفوظ رہ کر فطری معاشرتی نظام کی برکتوں سے مستفید ہوسکیں۔ ❸

خلافت کے متعلق یہ چند معروضات تھے، جن کا مقصد ان حضرات کو دعوت دینا ہے، جو خلافت کے علاوہ کسی اور نام اور طریقہ کار کو اسلام کا متصادم سمجھتے ہیں، اور حالات زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے جو علماء اور مذہبی طبقات اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ان دوسرے ناموں اور طریقہ کار سے سرگرم عمل اور کوشاں ہیں، ان کے بارے میں مذکورہ حضرات مختلف فتوے صادر کرتے ہیں۔ اگر یہ حضرات ان بالا ابحاث اور معروضات کو سامنے رکھیں، تو امید واثق ہے کہ ان شاء اللہ وہ اپنے رویوں میں نرمی اختیار کریں گے۔

---

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۵ ص ۱۳۲، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء

❷ ماہنامہ الجمعیۃ راولپنڈی، اپریل ۲۰۱۷ء ص ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۹۸

❸ دستور جمعیۃ علماء اسلام، ص ۴، مرکزی شعبہ نشرواشاعت جمعیۃ علماء اسلام، جولائی ۲۰۰۱ء

باب دوم: جمہوریت

۱......جمہوریت کی تعریف

کسی چیز کی بحث اور تحقیق میں اس کی تعریف کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، ساری بحث کی بنیاد اور دار مدار تعریف پر ہوتا ہے، جمہوریت کی تعریف مختلف حضرات نے مختلف الفاظ سے کی ہے، مسلم اور غیر مسلم سب نے اس کو موضوع بحث بنایا ہے، ہم پہلے مسلمان علماء اور اہل قلم کی ذکر کردہ تعریف کو نقل کریں گے، اور پھر غیر مسلم مصنفین کی ذکر کردہ تعریف نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

۱......ابن منظور افریقی لفظ جمہور کے مختلف لغوی معنی ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الجمهور الرمل الكثير المتراكم الواسع... وجمهور كل شیء معظمه، وجمهور الناس جلهم وجماهير القوم اشرافهم. 1

’’جمہور تہ بہ تہ ریت کے بڑے ڈھیر کو کہتے ہیں... ہر چیز کے بڑے حصے، اور لوگوں کی اکثریت، اور قوم کے ممتاز اور نمایاں افراد کو بھی کہتے ہیں‘‘۔

۲......مجمع الوسیط میں جمہوریت کی تعریف کے بارے میں یہ تفصیل ہے:

الجمهور من كل شیء معظمه... والحكم الجمهوری ان يكون الحكم بيد اشخاص تنتخبهم الامة على نظام خاص، ويكون للامة رئيس ينتخب لمدة محدودة... الجمهورية دولة يرأسها حاكم منتخب من الشعب او من ممثليه، وتكون رياسته لمدة محدودة. 2

’’جمہور ہر چیز کے بڑے حصے کو کہا جاتا ہے... اور جمہوری نظام کا مطلب ہے کہ فیصلے

1 لسان العرب، محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المتوفی ۷۱۱ھ، ج ۴ ص ۱۴۹، دار صادر بیروت، ط ۱۴۱۴ھ

2 معجم الوسیط، ابراہیم مصطفیٰ، احمد الزیات، حامد عبد القادر، محمد النجار، باب الجیم، ج ۱ ص ۱۳۷، دار الدعوۃ، ط ن

کا اختیار ایسے خاص لوگوں کے ہاتھ میں ہو، جن کو ایک خاص طریقہ کار کے مطابق عوام نے منتخب کیا ہو، اور اس نظام میں عوام ایک محدود مدت کے لئے اپنے حاکم کا انتخاب کرتے ہوں۔.....اور جمہوریہ ایسی مملکت کو کہتے ہیں جس کا حاکم عوام یا خواص کا منتخب کردہ ہو، اور اس کا انتخاب محدود مدت کے لئے ہو"۔

۳...... جناب احمد مختار صاحب فرماتے ہیں:

دولة يرأسها حاكم منتخب من الشعب او من ممثليه، وتكون رياسته لمدة محدودة، ينص عليها دستور البلاد. 1

"جمہوریہ ایسی مملکت کو کہتے ہیں جس کا حاکم عوام یا خواص کا منتخب کردہ ہو، اور اس کا انتخاب ہر ملک کے دستور کے مطابق محدود مدت کے لئے ہو۔

۴......استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب جمہوریت کی تعریف کے سلسلے میں فرماتے ہیں: جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام یا عوامی کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لئے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع ومانع تعریف میں بھی خود علماء سیاست کا اتنا زبردست اختلاف ہے کہ ایک تعریف دوسرے سے ملتی جلتی نہیں ہے، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ 2

۵...... جناب محمد صلاح الدین شہید (مدیر رسالہ تکبیر کراچی) نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: جمہوریت ایک ایسے طرز حکومت کا نام ہے جس میں اقتدار ان افراد، سیاسی جماعت یا جماعتوں کو سونپا جاتا ہے جن کو رائے دہندگان کی اکثریت نے

1 معجم اللغۃ العربیۃ، احمد مختار عبد الحمید عمر المتوفی ۱۴۲۴ھ، ج ا ص ۴۰۰، عالم الکتب، ط ۱۴۲۹ھ

2 اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۸۰، ۸۱، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

اپنی آزادانہ مرضی سے اپنا نمائندہ منتخب کیا ہو۔ 1

۶...... پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب فرماتے ہیں: جمہوریت عوام کی ایسی حکومت ہے جس میں وہ اپنی بساط کے مطابق پوری خود اعتمادی کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔ 2

۷...... ہندوستان کے مشہور فقیہ اور محقق حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: جمہوریت نام ہے اسی تصور کا جس میں انسان اپنے آپ پر کسی شخص یا گروہ کی حکمرانی کو تسلیم کرتا ہے، لیکن اس طرح نہیں کہ کوئی فرد یا گروہ زبردستی اس پر مسلط ہو جائے، یہ اس کے اپنے انتخاب کا نتیجہ ہوتا ہے، اور خود اس کے نمائندے اس پر حکومت کرتے ہیں۔ 3

۸...... قائد ملت اسلامیہ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب جمہوریت کے بارے میں فرماتے ہیں: جمہوریت اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ جمہوریت ایک طرز حکومت ہے، اور اسلام آئین حکومت ہے۔ حق اقتدار کس کا ہو، قیام حکومت کا طریقہ کار کیا ہو، اسلام اس کا تعین نہیں کرتا، اس کو عوام پر چھوڑ دیتا ہے، جس کو جمہوریت کہا جاتا ہے۔ 4

۹...... ارسطو کہتے ہیں: جمہوری طرز حکومت میں اقتدار ایک ہجوم کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

۱۰...... لارڈ برائس کہتے ہیں: یہ نظام حکومت غالب اکثریت کی حکمرانی قائم کرتا ہے اور افراد کے مخصوص گروہ کے ہاتھوں میں اقتدار نہیں ہوتا۔

۱۱...... گیٹیل یوں اظہار کرتے ہیں: ایسا طرز حکومت جس میں آبادی کا ایک بڑا حصہ اقتدار کے اختیارات کے استعمال میں شرکت کا حق رکھتا ہے۔

1 جمہوریت فریب یا حقیقت، صلاح الدین، پاکستان ووٹرز فورم پاکستان، ط۱۹۸۹ء 2 نظری سیاست، پروفیسر شاہ فرید الحق، ص۱۰۱، شیخ سنز کراچی، ط۱۹۹۱ء 3 الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص۱۱، ایفا پبلکشنز دہلی، ط۲۰۱۴ء 4 مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ا ص ۱۵۷، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط۲۰۱۷ء

۱۲......ابراہم لنکن (سابق صدر امریکہ) جمہوریت کی تعریف اپنے الفاظ میں اس کرتے ہیں: جمہوریت ایسا طرز حکومت ہے جو عوام کی حکومت، عوام کے لئے اور عوام کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ 1

جمہوریت کی ان چند تعریفات کو قلم بند کیا گیا، جمہوریت کے مخالف حضرات نے ایک غیر مسلم شخص ابراہم لنکن کی ذکر کردہ تعریف کو بنیاد بنا کر اس بنا پر جمہوریت کو اسلام کا متصادم قرار دیا، اور اسی بنیاد پر انھوں نے بڑا اعتراض یہ پیش کیا کہ اس میں سارے اختیارات عوام کے پاس ہوتے ہیں، جبکہ اسلام میں اختیارات کا سرچشمہ اللہ تعالی ہے، اس لئے جمہوری نظام ایک کفریہ نظام ہے۔

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ جب کسی چیز کی چند تعریفات اور معنی ہوں، ان میں سے کچھ میں خرابی نظر آتی ہو، اور کچھ میں وہ خرابی نہیں پائی جاتی ہو، تو وہ تعریف اور معنی لینا زیادہ مناسب ہوگا جس میں خرابی نہیں پائی جاتی۔ یہاں پر اگر ہم ابراہم لنکن کے علاوہ خصوصًا مسلمان علماء اور حضرات کی ذکر کردہ تعریفات کو سامنے رکھیں تو پھر تصادم کا اعتراض اور خرابی پیدا نہیں ہوگی، اس کی کیا خصوصیت ہے کہ صرف ایک تعریف کو بنیاد بنایا جائے، اور بقیہ سب کو نظر انداز کیا جائے۔ بعض حضرات نے یہ توجیہ پیش کی ہے کہ چونکہ جمہوریت کے واضع اور بانی غیر مسلم ہیں، یہ مغرب کا ایجاد اور پیداوار ہے، تو اس لئے ان کی ذکر کردہ تعریف لینا راجح ہوگا۔

جمہوریت کے واضع کون ہے؟ اس کی بحث آگے آرہی ہے، لیکن اس سے قطع نظر بھی یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ بانی صرف ابراہم لنکن ہے، ان کے علاوہ دوسرے غیر مسلم مصنفین جو ان سے مقدم ہیں، ان کو بانی قرار دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، اور ان کی ذکر کردہ تعریفات میں مذکورہ خرابی نہیں ہے۔

1 سیاسیات، پروفیسر رانا اعجاز احمد، ص ۱۲۹، ڈوگر پبلشرز لاہور، ط ۲۰۰۴ء

ایک لطیفہ: تقلید کا لفظ قلادہ سے ہے، قلادہ اس پٹہ کو بھی کہتے ہیں جو جانور کے گلے میں ڈالا جائے، قرآن میں ''ولا القلآئد '' (المائدة: ٢) اسی معنی میں ہے، اور اس ہار کو بھی کہا جاتا ہے جو انسان کے گلے میں ڈالا جائے، بخاری شریف کی روایت ہے:

عن عائشة انها استعارت من أسماء قلادة. 1

''کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہار عاریت کے طور پر مانگا اور لیا تھا'' اس معنی میں استعمال ہوا ہے، اسی طرح صحیح بخاری کتاب اللباس باب استعارۃ القلائد میں یہی معنی مراد ہیں۔

غیر مقلدین تقلید پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ یہ لفظ معنی کے اعتبار سے بھی اچھا نہیں لگتا ہے، اس لئے کہ یہ جانوروں کے گلے میں ڈالے ہوئے پٹہ کے معنی میں ہے۔ اس کے جواب میں مناظر اہل السنّت والجماعت مولانا محمد امین صفدرؒ فرماتے ہیں: تقلید کے لفظ کے مادہ قلادہ ہے، یہ قلادہ جب انسان کے گلے میں ڈالا جائے تو ہار کہلاتا ہے اور جب جانور کے گلے میں ڈالا جائے تو پٹہ کہلاتا ہے۔ ہم چونکہ انسان ہیں اس لئے انسانوں والا معنی بیان کرتے ہیں، اور جانوروں کو جانوروں والا معنی پسند ہے۔ 2

تو ہم بھی یہاں کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اس لئے جمہوریت کے بارے میں ہمیں غیر مسلم کی کردہ کی ہوئی تعریف کے بجائے مسلمانوں والی تعریف پسند ہیں۔

٢۔۔ جمہوریت کے واضع کون؟

بعض حضرات نے جمہوریت پر ایک بڑا اعتراض یہ پیش کیا ہے، کہ یہ مغرب کی

1 صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ٢٥٦ھ، کتاب التیمم، باب اذا لم یجد ماء ولا ترابا، ج ١ ص ٧٤، دار طوق النجاۃ، ط ١٤٢٢ھ

2 تجلیات صفدر، مولانا محمد امین صفدر متوفی ٢٠٠٠ء، ج ٣ ص ٣٧٥، مکتبہ امدادیہ ملتان، ط ن

پیداوار اور ایجاد ہے، اس لئے یہ کفریہ نظام ہے، مسلمانوں کا اس کو اپنانا کفریہ نظام کا حصہ دار بننا ہے۔

اوّلاً: جمہوریت مغرب کا ایجاد ہونا تسلیم نہیں

یہ تسلم نہیں ہے کہ ہر قسم کی جمہوریت مغرب اور کفر کی پیداوار اور ایجاد ہے، مصر کے مشہور عالم اور محقق علامہ عبد القادر عودہؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بانی جمہوریت اور اکثریت کی رائے پر فیصلہ کرنے والا قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ولقد سن الرسول صلى الله عليه وسلم هذه السنة وعمل بها فى حياته، واتبعها أصحابه بعد وفاته، عمل الرسول بهذه السنة لما علم باستعداد قريش لغزوة احد وانهم أقبلوا الى المدينة ونزلوا قريباً من جبل احد، فجمع عليه السلام أصحابه، واستشارهم أيخرج اليهم ام يمكث فى المدينة؟ وكان رأيه ان لا يخرجوا من المدينة وان يتحصنوا بها فان دخلوها قاتلهم المسلمون على أفواه الأزقة والنساء من فوق البيوت، ووافقه على هذا الرأى عبد الله بن ابىّ وبعض الصحابة، ولكن جماعة الصحابة أشاروا بالخروج والحوا عليه فى ذلك. فكان الرسول اول من وضع رأى الأكثرية موضع التنفيذ، اذ نهض من المجلس ودخل بيته ولبس لأمته، وخرج اليهم ليقود الأقلية والأكثرية الى لقاء العدو خارج المدينة، وقد سارع الرسول بتنفيذ رأى الأغلبية بالرغم من مخالفته رأيه الخاص الذى أظهرت الحوادث فيما بعد أنه كان الرأى احق بالاتباع.

وعمل أصحاب الرسول بهذه السنة بعد وفاته فى حروب الردة، فقد كان رأى الأغلبية أول الأمر متجها الى عدم محاربة المرتدين ومسالمتهم، وكان رأى الأقلية وعلى رأسهم أبو بكر متجها الى محاربة المرتدين

وعدم التسامع معهم، وانتهت المنافشة بجنوح الكثيرين الى رأى أبى بكر بعد اقتناعهم به، فلما وضع هذا الرأى موضع التنفيذ كان المخالفون هم أول المنفذين له والمضحين فى سبيل تنفيذه بأموالهم وأبنائهم وأانفسهم. 1

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں اس طریقہ پر عمل کیا، ان کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ نے بھی اسی طریقے کو اپنایا، وہ یہ کہ جب کفار قریش جنگ کے سلسلے میں پوری تیاری کے ساتھ آکر انھوں نے احد کے پہاڑ کے قریب قیام کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا، تو مشورہ کے لئے صحابہ کرام کو جمع کیا، کہ کیا باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے یا مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر مرد گلیوں کے باہر اور خواتین گھروں کے اوپر سے مقابلہ کریں، کچھ صحابہ کرامؓ اور عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی، لیکن اصرار کے ساتھ اکثر صحابہ کرامؓ کی رائے یہ تھی کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے واضع (موجد اور بانی) ہیں جنھوں نے یہ طریقہ وضع کیا کہ اکثریت کی رائے (یعنی جمہوریت) کو نافذ اور اس پر عمل کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت مجلس اٹھ کر گھر میں داخل ہوئے اور جنگی لباس پہن لیا، اور اقلیت و اکثریت سب کی قیادت کرتے ہوئے باہر مقابلہ کے لئے نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کی رائے کو ترجیح دی اور اس کے مقابل اپنی خاص رائے کو ترک کیا، باوجود اس کے کہ وہ آپ کی اپنی خاص رائے تھی، اور بعد کے نتائج سے بھی اس کا حق ہونا اور قابل اتباع ہونا معلوم ہوا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے مرتدین کے خلاف جنگ و جہاد میں اسی طریقے کو اپنایا، اس طور پر کہ ابتدا میں اکثریت کی رائے مرتدین کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور مصالحت

1 التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالوضع القانونی، عبدالقادر عودہ المتوفی ۱۳۷۳ھ، نظریۃ الشوری، ج ۱ ص ۳۸، ۳۹، دار الکاتب العربی بیروت، ط ن

کی تھی، اور اقلیت جس کے بڑے حضرت ابوبکرؓ تھے، کی رائے یہ تھی کہ ان کے ساتھ جہاد کیا جائے اور اس معاملہ میں ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ کی جائے، یہ بات مشورے کی حد تک تھی، لیکن جب اکثریت مطمئن ہوکر اس نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند کیا، تب اس اکثریت کے ساتھ دینے کے بعد پھر اس رائے کو نافذ العمل قرار دیا، اور اطمینان کے بعد رائے میں مخالفت کرنے والوں نے بھی اس جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہوئے جانی، مالی اور اولاد کی قربانی پیش کی''۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے اسلام ہی کو حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالنے والا قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ مہمات مملکت میں مشورہ لینا واجب ہے۔ اسلام میں امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے، جنھیں ریاست بطور وراثت کے ملتی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کر کے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی، مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں رہتے، اہل شوری پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں۔ اسی طرح اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے۔ 1

حضرت مولانا محمد اسحاق ملتانی صاحب نے علماء کے حوالے سے اس بارے میں جو تحقیق فرمائی، وہ بھی مذکورہ بات کی تصدیق ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: شوری در حقیقت رائے عامہ کا اظہار ہے، مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانیؒ نے تصریح کی ہے کہ شوری کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی رائے معلوم کی جائے، اور یہی اصول ہے جو موجودہ زمانے کے پارلیمانی نظام کی بنیاد ہے اور جس کی داغ بیل اسلام نے اس وقت ڈالی تھی جب کہ یورپ جمہوریت اور پارلیمنٹ کے مفہوم سے نا آشنا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ''وشاورھم فی الامر'' یعنی حکومت کے معاملات میں نظام شوری اختیار کیجئے۔

1 معارف القرآن، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۷ ص ۷۰۵، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۴۱۷ھ

اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں یہ اصول طے کر دیا گیا کہ "امرھم شوری بینھم" یعنی ان کے تمام کام شوری کے ذریعہ انجام پاتے ہیں...اسلام نے جمہوریت کا جو مزاج بنایا ہے وہ آج بھی دنیا کی قوموں کے لئے نمونہ اور نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج مدتوں کے بعد دنیائے اسلام میں اسلامی نظام کو اپنانے اور غیر اسلامی نظاموں کو رد کرنے کی خوش آئند اور خوشگوار لہر چل پڑی ہے۔ 1

علماء ہندوستان نے اپنے مجموعہ مقالات میں جمہوریت کو اسلام کے طرز حکمرانی کو قریب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: حکومت کی تشکیل کے مختلف زمانہ قدیم سے مروج رہے ہیں، موجودہ عہد میں جس سیاسی نظام کو مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں غلبہ حاصل ہے، وہ جمہوری نظام جمہوریت کے بعض اصول اسلام کے طرز حکمرانی سے بہت قریب ہیں، اور بعض اسلامی تعلیمات کے مغایر ہیں، لیکن چونکہ جمہوریت کی متنوع شکلیں دنیا میں پائی جاتی ہیں اور اس میں مختلف طرز حکومت کو سمو لینے کی گنجائش ہے، اس لئے بہت سے مسلمان ملکوں میں بھی ایسی جمہوریت کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی ہے، جو شریعت سے ہم آہنگ ہو۔ 2

ثانیاً: جمہوریت کو مغرب کا ایجاد ماننے کی صورت میں بھی اس کو کفر سمجھنا درست نہیں

اگر تسلیم کیا جائے کہ جمہوریت مغرب کا ایجاد اور پیداوار ہے، تو پھر بھی صرف اس بنیاد پر اس کو کفر کہنا درست نہیں ہے، کتنے ہی چیزیں ہیں جو مغرب کی پیداوار اور ایجاد کردہ ہیں اور ان کو مسلمان نہ صرف استعمال کرتے ہیں، بلکہ ان سے دینی کام بھی سر انجام دیتے

1 اسلام اور سیاست، مرتب محمد اسحٰق ملتانی، ص ۲۹۸...۳۰۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

2 الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص ۲۱، ایفا پبلکیشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

ہیں، مثلاً کلاشنکوف جس کے بانی روس کے ایک انجنیئر میخائل کلاشنکوف ہے جس کا چند سال پہلے سو کے قریب عمر میں انتقال ہوا، اسی طرح اور جدید اسلحہ مغرب اور اہل کفر کا ایجاد ہے، لیکن ان کے ذریعے جہاد کرنے کو کوئی بھی ناجائز نہیں کہے گا، اسی طرح موجودہ دور کے آلات واسباب سفر جہاز وغیرہ میں سے اکثریت کے موجد اہل کفر ہیں، لیکن پھر بھی ان کو استعمال کر کے لوگ حج وعمرہ کے لئے جاتے ہیں، کمپیوٹر وغیرہ کو بھی علماء تصنیف کے کام کے لئے استعمال کرتے ہیں، موجودہ بینکاری کا نظام مغرب سے ہو کر آیا ہے، لیکن صرف اس بنیاد پر اس کو غلط اور ناجائز کہنا درست نہیں۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ غزوہ خندق میں خندق کھودنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: خندق کھودنا یہ طریقہ عرب کا نہیں تھا بلکہ فارس کا طریقہ تھا، شاہان فارس میں سے سب سے پہلے منو چہر بن ایرج بن افریدون نے خندقیں کھود کر جنگ کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے اس طریق کو اختیار فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار کے طریقہء جنگ کو اختیار کرنا درست ہے۔ اور علی ہذا کفار کے ایجاد کردہ آلات حرب کا استعمال بھی درست ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ طائف میں منجنیق کا استعمال فرمایا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محاصرہ تستر میں ابو موسی رضی اللہ عنہ کو منجنیق قائم کرنے کا حکم دیا، اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب اسکندریہ کا محاصرہ کیا تو منجنیق کا استعمال کیا۔ 1

قرآن شریف کی سورت نور میں تعارف اور استیذان کا جو حکم ہے، اس کے طریقوں کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ جو کسی جگہ رائج ہو اس کا استعمال کر لینا بھی جائز ہے، آجکل جو شناختی کارڈ کا رواج یورپ سے چلا

1 سیرۃ المصطفیٰ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۹۷۴ء، غزوہ خندق واحزاب، ج ۱ ص ۷۹۲، الطاف اینڈ سنز کراچی، ط ن

ہے، یہ رسم اگر چہ یورپ نے جاری کی ہے مگر مقصد استیذ ان اسمیں بہت اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے، کہ اجازت دینے والے کو اجازت چاہنے والے کا پورا نام و پتہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بغیر کسی تکلیف کے معلوم ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ 1

تو جمہوریت جو حصول اقتدار کا ایک طریقہ ہے، اگر یہ مغرب کی پیداوار بھی ہو تب بھی اس کو اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا، اور صرف اس بنا پر کہ یہ مغرب کا ایجاد ہے اس کو کفر سمجھنا درست نہیں ہوگا۔

۳......اکثریت کی بنا پر فیصلے کرنے کا حکم

وہ حضرات جو جمہوریت کے نہ صرف مخالف ہیں، بلکہ اس کو کفر سے تعبیر کرتے ہیں ان کا ایک اشکال یہ ہے کہ جمہوریت میں فیصلے چونکہ اکثریت پر ہوتے ہیں، اور اس میں اکثریت کا اتباع کرنا لازم آتا ہے، اس لئے یہ درست نہیں۔ اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ، وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ. (الانعام: ۱۱۶۔)

’’اگر تو زمین میں بسنے والوں کے اکثر کی پیروی کرے تو یہ تمھیں اللہ کی راہ سے گمراہ کریں گے، یہ گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں، اور یہ اٹکل باتیں کرتے ہیں‘‘۔

تو اس آیت میں اللہ تعالی نے اکثریت کے اتباع کو گمراہی قرار دیا ہے، اور اس سے بچنے کی تاکید اور حکم دیا ہے، تو جمہوریت گمراہی ہے اس لئے کہ اس میں اکثریت کی پیروی ہوتی ہے، اس سے بچنا اور احتراز کرنا لازم ہے۔

اوّلاً: راجح تفسیر

علامہ ابن جوزیؒ، بغویؒ، قرطبیؒ، نسفیؒ، خازنؒ، سیوطیؒ، مظہریؒ وغیرہ رحمہم اللہ اکثر

1 معارف القرآن، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۶ ص ۳۹۱، ادارة المعارف کراچی، ط ۱۴۱۷ھ

مفسرین نے مذکورہ آیت کا مصداق کفار قرار دیا ہے، کہ ''اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ '' سے مراد کفار ہیں، اس لئے علامہ الوسیؒ نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیتے ہوئے عموم والے قول اور تفسیر کو قیل سے ذکر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

والمراد بمن فی الارض: الناس، وباکثرھم الکفار، وقیل: مایعمھم وغیرھم من الجھال واتباع الھوی. 1

''من فی الارض سے مراد لوگ ہیں، اور اکثر سے کافر مراد ہیں، اور کہا گیا کہ کافر، جاہل اور خواہشات کی پیروی کرنے والے سب مراد ہیں''۔

تو راجح تفسیر کے مطابق آیت کا مصداق کفار ہیں، اب پاکستان میں اکثریت کفار کی نہیں، بلکہ مسلمانوں کی ہے، زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں اکثر فاسق ہیں، لیکن فساق اور کفار کے بارے میں نازل شدہ آیاتیں بھی الگ الگ ہیں اور ان کے احکام بھی الگ الگ ہیں، اصول تفسیر کے اعتبار سے اگر چہ شان نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ عموم کا اعتبار ہوتا ہے، تاہم کفار کے احکام کی حدود الگ ہیں اور فساق مسلمانوں کے احکام کی حدود الگ ہیں، ان میں سے ایک کے بارے میں نازل شدہ آیاتوں کو دوسرے پر فِٹ کرنا درست نہیں۔

ہمارا مطلب یہ نہیں کہ فساق کی پیروی جائز ہے، بلکہ ہمارا مدعی اس وقت صرف یہ ہے پاکستان کی جمہوریت اور اکثریت کو آیت مذکورہ کا مصداق قرار دینا راجح تفسیر کے مطابق محل نظر ہے، جہاں تک فساق کی پیروی اور فاسق حکمران کے تسلط کی بات اور حکم ہے اس کی تفصیل باب سوم اور چہارم میں آرہی ہے۔

منکرین قیاس نے بھی آیت مذکورہ میں ''اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ'' کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے قیاس کی نفی کی ہے، اس طور پر کہ آیت میں ہر قسم کے گمان اور ظن کی مذمت

1 روح المعانی، محمود بن عبداللہ الآلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ، ج۴ص۲۵۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط۱۴۱۵ھ

ہے کہ یہ کفار کا عمل ہے، اور قیاس کی بنیاد بھی ظن پر ہے، اس لئے قیاس بھی باطل ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ظن ظن میں فرق ہے، یہاں پر ظن سے وہ ظن مراد ہے جس کی کوئی بنیاد اور دلیل نہ ہو، اور قیاس میں جو ظن ہوتا ہے اس کی بنیاد، علامت اور دلیل ہوتی ہے، اس لئے دونوں ظن میں فرق نہ کرنا اور قیاس کو آیت کا مصداق قرار دینا غلط ہے۔ 1

عرب کے ایک محقق مصنف اور یمن کے محکمہ قضا کے رکن رکین قاضی حسین بن محمد مہدی صاحب نے اس موضوع کے متعلق بڑی فاضلانہ گفتگو فرمائی ہے، کہ ان آیاتوں سے انتخابات وغیرہ میں اکثریت کی مذمت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ان قوله تعالى: (وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ)... وكذلك الآية (وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْن) الآية (۱۱۶) **سورة الانعام فهي من شأن أهل الكتاب والكفار بدليل السياق قبلها، والآية التي بعدها (اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيْلِه وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ)... فالآيات لا علاقة لها بموضوعنا لا من قريب ولا من بعيد، فبعض الآيات في شأن الكفار وبعضها متعلقة بشأن العقيدة والدين والآخرة، فلا علاقة للآيات بمسألة ذم الكثرة في مسألة الانتخابات وشؤون السياسة والحكم، اذا فاستدلال البعض بالآيات السابق شرحها لاثبات ان الكثرة جاهلة وانها مذمومة غير صحيح. 2**

”سیاق اور سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیاتوں کا تعلق اہل کتاب اور کفار سے ہے، بعضوں کا تعلق کفار سے ہے، اور بعضوں کا تعلق عقیدہ اصول اور آخرت سے ہے،

1 التفسیر الکبیر، محمد بن عمر فخر الدین الرازی المتوفی ۶۰۶ھ، ج ۱۳ ص ۱۲۷، دار احیاء التراث العربی بیروت، ط ۱۴۲۰ھ 2 الشوری فی الشریعۃ الاسلامیۃ، القاضی حسین بن محمد المہدی، ص ۲۳۳، ۲۳۴، مکتبۃ المحامی، ط ن

ہمارے موضوع سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی سیاسی وحکومتی امور اور انتخابات میں اکثریت کی مذمت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، پس ان آیاتوں کو اس موضوع سے جوڑنا اور اکثریت کو جاہل سمجھتے ہوئے اس کے مذموم ہونے پر ان آیاتوں سے استدلال کرنا درست نہیں ہے''۔

ثانیًا: شریعت کے کئی احکام اکثریت پر مبنی ہیں

شریعت میں اکثریت بالکل نظر انداز نہیں ہے، علامہ امیر بادشاہ الحنفیؒ کے بقول ''وللاکثر حکم الکل'' کے اصول پر بہت سے مقامات اور احکام کی بنا ہے۔ **لان للاکثر حکم الکل فی کثیر من المواضع.** 1

اب ہم چند ایسے فقہی مسائل نقل کرنا چاہتے ہیں جن کی بنا اکثریت پر ہے۔

ا...... مسجد کے امام کے متعلق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے، ان میں ایک سے ایک وہ امام ہے جس کو قوم اور مقتدی ناپسند کرتے ہوں۔ اس بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس امام کے بارے میں ہے جس کو اکثر مقتدی ناپسند کرتے ہوں، اگر دو تین ناپسند کرتے ہوں، تو ان کا اعتبار نہیں ہے۔ اس میں یہ تفصیل اور شرط بھی نہیں ہے کہ پسند ناپسند کرنے والے نیک اور عادل ہوں، بلکہ اکثر کا اعتبار ہے۔

قال احمد واسحٰق فی ھذا اذا کرہ واحد او اثنان او ثلٰثۃ فلا باس ان یصلی بھم حتی یکرھہ اکثر القوم. 2

1 تیسیر التحریر، محمد امین امیر بادشاہ الحنفی المتوفی ۹۷۲ھ، ج۲ ص۱۹۰، دارالفکر بیروت، ط ن

2 جامع الترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ج۱ ص۸۳، باب ما جاء من امّ قوما وھم لہ کارھون، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

اور مسجد کے امام کے تقرر کے متعلق علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں:

واما المساجد العامة التی یبنیها اهل الشوارع والقبائل فی شوارعهم وقبائلهم، فلا اعتراض للسلطان علیهم فی ائمة مساجدهم، وتکون الامامة فیها لمن اتفقوا علی الرضا بامامتهم، ولیس لهم بعد الرضا به ان یصرفوه عن الامامةالا ان یتغیر حاله، ولیس لهم بعد رضاهم به ان یستخلفوا مکانه نائبا عنه، ویکون لاهل المسجد حق بالاختیار، واذا اختلف اهل المسجد فی اختیار امام عُمل علی قول الاکثرین، فان تکافأ المختلفون اختار السلطان لهم. 1

’’عوام نے عام راستوں اور محلوں میں جو عام مساجد بنائی ہیں، تو ان کے امام کے تقرر میں سرکار کو عمل دخل اور اعتراض کا حق نہیں ہے، ان کے امام وہ ہوں گے جن کی امامت پر عوام اہل محلّہ کا اتفاق ہو، اور ایک بار تقرر پر راضی ہونے کے بعد بلا وجہ عوام کو بھی ان کے ہٹانے کا اختیار نہیں، اور نہ ان کی جگہ کسی اور کے تقرر کا اختیار ہے۔ اہل مسجد ہی کو امام کے تقرر کا اختیار ہے، اگر اہل مسجد والوں میں اختلاف ہو جائے تو اکثریت والوں کے قول پر عمل ہوگا، اور اگر اختلاف والے مساوی اور برابر ہوں تو پھر سرکار کو فیصلے کا اختیار ہے‘‘۔

۲...... حج کا ایک مسئلہ

حج کے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح ہو جائے کہ امام اور عام لوگوں نے اپنے گمان کے مطابق یوم عرفہ کے دن وقوف عرفہ کیا، لیکن کچھ لوگوں اور گواہوں کو یقین تھا کہ آج کا دن یوم عرفہ نہیں، انھوں اپنے زعم کے مطابق وقوف کیا، اگر چہ ان کا گمان صحیح بھی نکلا، اور واقعتہً وہی دن عرفہ کا تھا، تب بھی عام لوگوں کا حج درست ہوا، اور ان لوگوں کا حج

1 الاحکام السلطانیۃ للماوردی، ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ، الباب التاسع، ص۱۶۴، دار الحدیث القاہرۃ، ط ن

درست نہیں ہوا، اس لئے کہ انھوں عام اور اکثریت کی مخالفت کی۔

ولو شهدوا بانهم وقفوا بعد يوم الوقوف، بان شهدوا انهم وقفوا يوم النحر لا تقبل ويجزيهم حجهم... والشهود فى هذا كواحد من الناس حتى لو وقفوا بما رأوا، ولم يقفوا مع الناس فاتهم الحج، لان العبرة للجمع لقوله عليه الصلاة والسلام "صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون وعرفتكم يوم تعرفون واضحاكم يوم تضحون". 1

اذا التبس هلال ذى الحجة، فوقفوا بعد اكمال ذى القعدة ثلاثين يوما، ثم تبين بشهادة ان ذلك اليوم يوم النحر، فوقوفهم صحيح وحجهم تام، ولا تقبل الشهادة.اه "قوله حتى الشهود" اى حجهم صحيح، وان كان عندهم ان هذا اليوم يوم النحر، حتى لو وقفوا على رؤيتهم لم يجز وقوفهم، عليهم ان يعيدوا الوقوف مع الامام، وان لم يعيدوا فقد فاتهم الحج، وعليهم ان يحلوا بالعمرة وقضاء الحج من قابل. 2

۳......استصناع کا مسئلہ

معدوم چیز کی بیع شرعاً ممنوع ہے، لیکن استصناع جس میں بنانے کے آرڈر دے کر معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے، اس کو عوام کے عرف اور تعامل کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے۔

واما جوازه فالقياس: ان لا يجوز، لانه بيع ما ليس عند الانسان، لا على وجه السلم، وقد نهى رسول الله صلى عليه وسلم عن بيع ماليس عند الانسان، ورخص فى السلم، ويجوز استحسانا لاجماع الناس على

1 تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، عثمان بن علی فخر الدین الزیلعی المتوفی ۷۴۳ھ، کتاب الحج، مسائل منثورۃ، ج ۲ ص ۹۲، ۹۳، المطبعۃ الکبری الامیریۃ القاہرۃ، ط ۱۳۱۳ھ 2 رد المحتار علی الدر المختار، ابن عابدین محمد امین بن عمر المتوفی ۱۲۵۲ھ، کتاب الحج، ج ۲ ص ۶۱۸، دار الفکر بیروت، ط ۱۴۱۲ھ

ذلک، لانهم یعملون ذلک فی سائر الاعصار من غیر نکیر. 1

ثالثاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت کی بنیاد پر فیصلہ کرنا

غزوہ احد کے بارے یہ تفصیل گذر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی رائے مقابلہ کے لئے باہر نکلنے کی نہیں تھی، لیکن اکثریت کی رائے کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکلنے کا فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ محقق وقت اور کئی بڑی مفید کتابوں کے مصنف حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اس بارے میں فرماتے ہیں: غزوہ احد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور معمر وجلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، مگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ اور نوجوانوں کی رائے یہ ہوئی کہ باہر نکل کر جنگ کی جائے۔ آپ نے دیکھا کہ اکثریت باہر نکل کر جنگ کرنے کے حق میں ہے، تو اسی کے مطابق عزم جنگ کیا۔ 2

رابعًا: حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا کثرت رائے کو ترجیح دینا

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کے لئے ان چھ حضرات: حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہم پر مشتمل ایک شوری بنایا تھا، کہ یہ حضرات خلیفہ کا فیصلہ اور انتخاب کریں گے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی اس شوری میں ایک حد تک کثرت رائے کو مدنظر رکھا، اس طور پر کہ انھوں نے فرمایا: کہ اگر ان چھ حضرات کی رائے میں اختلاف ہو جائے تو اکثریت کی رائے پر فیصلہ کیا جائے، اور اگر دونوں طرف تین تین کی

---

1 بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی المتوفی ۵۸۷ھ، کتاب الاستصناع، ج ۵ ص ۲، ۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط ۱۴۰۶ھ 2 اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی متوفی ۱۹۶۲ء، ص ۱۸۷، ۱۸۸، شیخ الہند اکیڈمی کراچی، ط ن

رائے ہو، تو اس برابری کی صورت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو ساتھ شامل کریں، ان کی رائے جس جانب ہو تو اکثریت ملنے پر اس جانب کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو وصیت کی تھی اور اس کا پابند بنایا تھا کہ اختلاف کی صورت میں اکثریت کے ساتھ دینا اور اس کا فیصلہ تسلیم کرنا، اور رائے میں برابر ہونے کی صورت میں اس جانب کے ساتھ دیں جس جانب عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے ہو۔

ثم دعا عليا وعثمان والزبير وسعدا وعبد الرحمن معهم، وقال انتظروا طلحة ثلاثا فان جاء والا فاقضوا أمركم... ثم قال: يا عبد الله ان اختلف القوم فكن مع الأكثر، فان تساووا فكن مع الذين فيهم عبد الرحمن بن عوف... وجاء أبو طلحة الانصارى ومعه المقداد بن الاسود، وقد كان امرهما ان يجمعا هؤلاء الرهط الستة فى مكان ويلزماهم ان يقدموا للناس من يختاروه منهم، وان اختلفوا كان الاتباع للأكثر، وان تساووا حكموا عبد الله بن عمر أو اتبعوا عبد الرحمن بن عوف. 1

خامسًا: اکثریت کے بارے اکابر کی تصریحات

امام غزالیؒ عددی قوت اور کثرت کو ترجیح کا بڑا قوی سبب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

واذا كانت الامامة تقوم بالشوكة، وانما تقوى الشوكة بالمظاهرة والمناصرة والكثرة فى الاتباع والاشياع، وتناصر اهل الاتفاق والاجتماع، فهذا اقوى مسلك من مسالك الترجيح... فانهم لو اختلفوا فى مبدأ

1 تاریخ ابن خلدون، ابن خلدون عبدالرحمٰن بن عوف المتوفی ۸۰۸ھ، مقتل عمر وامر الشوری وبیعۃ عثمان، ج۲ ص ۵۶۸، ۵۶۹، دار الفکر بیروت، ط ۱۴۰۸ھ

الامر وجب الترجیح بالکثرۃ فی ذلک عند تقابل العدد وتقاربھم. 1

''امامت اور حکومت کا قائم رہنا شوکت اور رعب سے ہوتا ہے، اور شوکت حاصل ہوتی ہے تعاون ومدد، کثرت افراد واتباع اور اتفاق واتحاد سے، یہ ترجیح کے اسباب میں سے بڑا قوی سبب ہے...اس لئے کہ جب کسی معاملے کی ابتدا وآغاز میں اختلاف ہو، تو بھی افراد کی عددی اکثریت کو ترجیح لازم ہے''۔

علامہ عبد القادر عودہؒ کے بقول شوری کی اساس اور بنیاد بھی اکثریت ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

فأساس الشوری ھو ان یحکم الشعب لرأی الاغلبیة، ومعنی ذلک أن أغلبیة الشعب اذا أجمعت علی رأی، کان رأیھا قانونا او حکما تجب له الطاعة والاحترام. 2

''شوری کی بنیاد اور اساس یہ ہے کہ جماعت اکثریت کی رائے کے موافق فیصلہ کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت میں اکثریت جب ایک رائے پر اتفاق کر لئے، تو یہ رائے قانون اور حکم بنے گا، جس کی اطاعت اور احترام لازم ہوگا''۔

علامہ قاضی حسین بن محمد مہدی کئی دینی اہم مسائل میں اکثریت کو بنیاد اور اساس قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

والأخذ بالأکثریة معمول به عند علماء ومؤرخی المسلمین الأوائل، فالخبر الواحد بامر لا یفید العلم بل الظن بعکس خبر الجماعة المتواترة فانه یفید العلم، فیکون الأمر فی الاجتھاد الفقھی والاجماع کذلک،

1 فضائح الباطنیۃ، ابوحامد محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ، الباب التاسع، ص۱۷۳...۱۷۵، مؤسسۃ دار الکتب الثقافیۃ الکویت، ط ن 2 التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالوضع القانونی، عبد القادر عودہ المتوفی ۱۳۷۳ھ، نظریۃ الشوری، ج۱ ص۳۹، دار الکاتب العربی بیروت، ط ن

وینعقد الاجماع برأی الأکثریة کما ان کثرة الرواة ترجح صدق الروایة، وکذلک کثرة المجتهدین فی جانب واحد ترجح صدق رأیهم کذلک، فالاجماعات التی نقلت عن عهد الصحابة انماهی اتفاق الأکثر... ولجمهور الشوری منزلتهم ومکانتهم، ویعصم من الأراء الفردیة المرتجلة التی قد تدمر الأمة بأسرها، فان وجوب الشوری علی الأمة الاسلامیة یقتضی التزام رأی الأکثریة، والواقع ان الشوری لن یکون لها معنی اذا لم یؤخذ برأی الأکثریه. 1

''اکثریت کی رائے پر عمل کرنا ابتدائی دور سے علماء اور مؤرخین اسلام کے ہاں معمول رہا، خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے جبکہ اس کے مقابل جماعت متواترہ کی خبر یقین کا فائدہ دیتی ہے، اسی طرح اجتہادی مسائل اور اجماع کا بھی حکم ہے، اجماع کا انعقاد اکثریت کی رائے پر موقوف ہے، اسی طرح روات اور مجتہدین کی کثرت رائے کو ترجیح حاصل ہے، صحابہ کرامؓ سے جو اجماعی مسائل منقول ہیں وہ اکثریت کے اتفاق کی وجہ سے اجماعی ہیں... پس جمہوری شوری کا ایک خاص مرتبہ ہے، اس لئے امت کو نقصان پہنچانے والی انفرادی آراء سے احتراز لازم ہے، امت مسلمہ پر شوری کا لازم ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اکثریت کی رائے پر عمل کیا جائے، اگر اکثریت کی رائے پر عمل لازم نہ تو پھر شوری کا کوئی فائدہ نہیں ہے''۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ جو بہت بڑے عالم تھے، ان کے بارے میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے: کہ اگر مجھ پر کسی کے علم کا اثر پڑتا ہے تو وہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ہیں۔ 2

تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے شوری اور طرز حکومت کے بارے میں یہ

---

1 الشوری فی الشریعۃ الاسلامیۃ، القاضی حسین بن محمد المہدی، ص۲۳۲...۲۳۴، مکتبۃ المحامی، ط ن

2 تاریخ دارالعلوم دیوبند، مولانا سید محبوب رضوی متوفی ۱۹۷۹ء، ج ۲ ص ۵۹، المیزان لاہور، ط ۲۰۰۵ء

اصول فرمایا ہے: امیر کی ذات پر اگر کلی اعتماد ہو تو اکثریت واقلیت کی رائے شماری کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر امیر کو یہ اعتماد حاصل نہ ہو تو پھر کام چلانے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اکثریت کا اعتبار کیا جائے۔ 1

آمدم برسر مطلب

اس پوری بحث سے ہمارے مقصد دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ آیت (و لا تطع اکثر من فی الارض) کفار کے بارے میں ہے، اس کو مسلمانوں خواہ فاسق کیوں نہ ہوں، پر چسپاں کرنا درست نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اکثریت کی پیش نظر جمہوریت کو مسترد کرنا درست نہیں ہے، بہت سے شرعی احکام اکثریت پر مبنی ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ صرف اکثریت ہی بنیاد ہے، ہمارا مدعی یہ ہے کہ اکثریت کو بالکل نظر انداز کرنا درست نہیں ہے، اگر کسی حکم کو اکثریت کی بنیاد پر قابل عمل نہیں بنایا جاسکتا، تو اکثریت کی بنیاد پر کسی حکم مسترد بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس بارے میں بڑی پُر مغز مفید تحقیق اور پتے کی بات فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں: جن معاملات میں شریعت نے کوئی واضح حکم دیا ہے وہاں کثرت رائے کی بنیاد پر کوئی کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا...البتہ کثرت رائے اتنی بے حقیقت چیز بھی نہیں کہ شرعا کسی بھی معاملے میں اس کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دو موقع ایسے ہیں جن میں کثرت رائے کو فی الجملہ معتبر قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک مباحات کے کئی راستے سامنے ہیں، اور ان میں سے کسی ایک راستے کو اختیار کرنا ہے، تو اس میں کثرت رائے کو مرجح قرار دیا جاسکتا ہے، یعنی اُس راستے کو اختیار

1 تعلیمات اسلام، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی متوفی ۱۹۲۹ء، بحوالہ تاریخ دار العلوم دیوبند، مولانا سید محبوب رضوی متوفی ۱۹۷۹ء، ج ۲ ص ۶۰، المیزان لاہور، ط ۲۰۰۵ء

کیا جا سکتا ہے جس کی طرف آراء کی کثرت ہو۔ اور اس کی نقلی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کے انتخاب کے لئے چھ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک کمیٹی بنائی تھی جس میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ اس کمیٹی کو یہ فریضہ سونپا گیا کہ وہ مل کر آئندہ کیلئے خلیفہ کا انتخاب کریں۔ اس وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو ہدایت نامہ عطا فرمایا، وہ یہ تھا کہ اگر تمھارے درمیان اختلاف ہو جائے تو جس شخص کے حق میں زیادہ آراء ہوں، اس کو اختیار کر لیا جائے، یعنی چھ میں سے اگر چار حضرات ایک طرف ہو جائیں تو ان کی رائے کو اختیار کر لیا جائے۔ چنانچہ تاریخ میں ان کی ہدایت کے یہ الفاظ منقول ہیں:

تشاوروا فی أمركم، فان كان اثنان واثنان فارجعوا فی الشوری، وان كان اربعة واثنان فخذوا صنف الاكثر. 1

"اپنے معاملے میں مشورہ کرو، پھر اگر دو آدمی ایک طرف اور دو ایک طرف (یعنی دونوں طرف رائیں برابر ہوں) تو دوبارہ مشورہ کرو، اور اگر چار ایک طرف اور دو ایک طرف ہوں تو کثرت والے فریق کے مطابق عمل کرو"۔

یہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کثرت رائے کا اعتبار فرمایا۔

دوسرے امور مجتہد فیہا میں بھی (یعنی ایسے معاملات میں جہاں مجتہدین کی آراء قرآن وسنت کی تشریح کے سلسلے میں مختلف ہوں، وہاں بھی) بعض اوقات کثرت رائے ایک وجہ ترجیح بن سکتی ہے۔ یعنی جس طرف زیادہ فقہاء گئے ہیں اس کو راجح سمجھا جائے۔ بعض علماء نے اس بات کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ اگرچہ کثرت رائے بذات خود کوئی دلیل

1 الطبقات الکبری (طبقات ابن سعد)، ابوعبداللہ محمد بن سعد المعروف بابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ، ذکر بیعۃ عثمان بن عفانؓ، ج ۳ ص ۴۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط ۱۴۱۰ھ

نہیں ہوتی، لیکن دلیل کی علامت بن جاتی ہے کہ اتنے بڑے بڑے فقہاء کرام جو علم و فضل میں اور تقوی میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں، وہ سب ایک طرف جا رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رائے کی دلیل قوی ہوگی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس طرف مجتہدین زیادہ ہوں، وہی بات لازماً راجح ہونی چاہیے۔ چنانچہ بیشمار ایسے مسائل ہیں جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تنہا ہیں، اور دوسرے فقہاء و مجتہدین کی اکثریت دوسری طرف ہے، لیکن میں نے اپنے والد ماجد (مفتی محمد شفیع) رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ جس جگہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دوسرے تمام مجتہدین کے خلاف تنہا رہ جاتے ہیں، اس موقع پر مجھے یہ غالب گمان ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی دلیل انتہائی قوی ہے۔ اس لئے کہ اگر ان کی دلیل انتہائی قوی نہ ہوتی تو وہ فقہاء و مجتہدین کی اتنی بڑی تعداد سے الگ نہ جاتے۔

بہرحال! اجتہادی امور میں کثرت رائے اگرچہ بذات خود کوئی حتمی دلیل نہیں ہوتی، لیکن اُسے دلائل کے تعارض کے موقع پر بعض اوقات ایک مرجح کے طور پر اختیار کرلیا جاتا ہے۔

ان وجوہ سے مجلس شوری کے دستور میں یہ بات طے کی جاسکتی ہے کہ مباحات کے دائرے میں جہاں اختلاف ہو وہاں پر کثرت رائے پر عمل کیا جائے گا۔ 1

۴...... پاکستانی جمہوریت اور مغربی جمہوریت میں فرق

جو حضرات جمہوریت کے مخالف ہیں، اُن کی ایک بڑی بنیادی غلط فہمی یہ ہے کہ اُنھوں نے پاکستان کی جمہوریت اور مغربی جمہوریت میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھا ہے، دونوں کو ایک سمجھ کر دونوں پر ایک جیسا حکم لگایا، حالانکہ دونوں میں کئی اعتبار سے واضح فرق موجود ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

1 اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص۲۶۳...۲۶۵، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط۲۰۱۰ء

مفکر اسلام قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ فرمایا کرتے تھے: میں جمہوریت کا قائل ہوں لیکن یورپی جمہوریت نہیں، بلکہ اسلامی جمہوریت کا۔ 1

ہم پہلے اکابر علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں فرق واضح کرنا چاہتے ہیں، اور پھر یہ کہ دستوری اور عملی لحاظ سے یہ فرق کس حد تک پایا جاتا ہے۔

۱......اسلامی جمہوریت اور سیکولر جمہوریت میں فرق بیان کرنا

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس بارے میں تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خلافت راشدہ کے بعد کچھ طوائف الملوکی کا آغاز ہوا، مختلف خطوں میں مختلف امیر بنائے گئے ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں، ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جا سکتا ہے اور جب پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر متعذر ہو گیا اور ہر ملک ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی تو مسلمانوں نے اس کا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہ اس ملک کا امیر اولوالامر کہلائے، قرآن مجید کے ارشاد "وامرھم شوری بینھم" کے عموم سے اس پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اسمبلیاں اسی طرز عمل کا ایک نمونہ ہے، فرق اتنا ہے کہ عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور انکے ممبران بالکل آزاد و خودمختار ہیں، محض اپنی رائے سے جو چاہیں اچھا یا برا قانون بنا سکتے ہیں، اسلامی اسمبلی اور اس کے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اس اصول و قانون کے پابند ہیں جو اللہ تعالی کی طرف سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اُن کو ملا ہے، اس اسمبلی یا مجلس شوری کی ممبری کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں، اور جس شخص کو یہ منتخب کریں اس کے لئے بھی کچھ حدود و قیود ہیں، پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہوسکتی ہیں، اس کے خلاف کوئی قانون

1 اقوال محمود، اختر کاشمیری رمحمد فاروق قریشی، ص ۲۶۹، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۵ء

بنانے کا ان کو اختیار نہیں۔ 1

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: موجودہ طرز کی جمہوریتیں چونکہ بادشاہی ظلم وستم کے ردّعمل کے طور وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو مطلق العنان بنا کر پورے آئین حکومت اور قانون مملکت کا ایسا آزاد مالک بنایا کہ ان کے قلب ودماغ زمین وآسمان اور تمام انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا اور اس کی اصلی مالکیت وحکومت کے تصور سے بیگانہ ہوگئے، ان ان کی جمہوریت خدا تعالی ہی کے بخش ہوئے عوامی اختیار پر خدا تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو بھی بار خاطر خلاف انصاف تصوّر کرنے لگیں۔ اسلامی آئین جس طرح خلق خدا کو کسری وقیصر اور دوسری بادشاہتوں کے جبر واستبداد کے پنجہ سے نجات دلائی، اسی طرح ناخدا آشنا مغربی جمہوریتوں کو بھی خداشناسی، اور خداپرستی کا راستہ دکھلایا، اور بتایا کہ ملک حکام ہوں، یا عوام، خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں، ان کے عوام اور عوامی اسمبلی کے اختیارات، قانون سازی، عزل ونصب خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں۔ 2

اسلام میں امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے، جنھیں ریاست بطور وراثت کے ملتی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کر کے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی، مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں رہتے، اہل شوری پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں۔ اسی طرح اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے۔ 3

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ فرماتے ہیں: اسلام میں حاکمیت صرف اللہ تعالی کی

1 معارف القرآن، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج اص ۱۸۶، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۴۱۷ھ

2 معارف القرآن، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۲ص ۲۲۳، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۴۱۷ھ

3 معارف القرآن، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۷ص ۷۰۵، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۴۱۷ھ

ہے، عوامی رائے کا احترام ضرور کیا جاتا ہے اور انہیں مشاورت میں شریک کیا جاتا ہے، لیکن خالق کائنات نے جو نظام طے کیا ہے اُسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا ہے... اگر تین ارب لوگ کہیں شراب حلال ہے تو پھر بھی حرام رہے گی، کیونکہ اللہ تعالی نے اس کو حرام کہا ہے اور اللہ کا حکم یہی ہے۔ جہلاء کی کثرت رائے کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا... حاکمیت عوام اسلامی تعلیمات کے منافی ہے... قرآن کا حکم عوام یا عوامی نمائندے نہیں بدل سکتے، خدا کے سامنے پوری دنیا ہیچ ہے... عوام کے نمائندوں کا وہ فیصلہ صحیح اور جائز ہوگا جہاں پر اللہ تعالی نے ان کو معاملات میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہوگا، لیکن جہاں عوامی نمائندوں کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں سے متصادم ہو وہاں عوامی نمائندوں کا فیصلہ کوئی حقیقت نہیں رکھے گا۔ ہم محدود جمہوریت کے قائل ہیں، جو علی الاطلاق جمہوریت ہے حاکمیتِ عوام اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ حاکمیت کا حق صرف اللہ رب العزت کو حاصل ہے۔ 1

استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: اسلامی تصور کی بنیاد: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، اس تصور کی سب سے اہم بنیاد جسے اصل الاصول کہنا چاہیے یہ ہے کہ اس کائنات پر اصل حاکمیت اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاصل ہے، اور دنیا کے حکمران اس حاکمیت کے تابع ہی حکومت کر سکتے ہیں... غرض اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اقرار ہی وہ بنیاد ہے جو اسلام کے تصور سیاست کو سیکولر جمہوریت سے بالکل الگ کر دیتی ہے۔ سیکولر جمہوریت میں عوام کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے پارلیمنٹ اتنی مختار مطلق ہے کہ وہ جو چاہے قانون منظور کر سکتی ہے۔ اگر کسی ملک کے دستور نے پارلیمنٹ کے قانون سازی کے اختیارات پر کوئی پابندی عائد کی ہوئی ہے تو اُس پابندی کو بھی دستور میں ترمیم کر کے وہ جب چاہے ہٹا سکتی ہے۔ اس کے برخلاف اسلامی حکومت کا ناقابل تبدیلی دستور قرآن وسنت ہیں جن

---

1 اقوال محمود، اختر کاشمیری/محمد فاروق قریشی، ص ۱۳۵...۱۳۸، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۵ء

سے ہٹ کر نہ وہ کوئی قانون بنا سکتی ہے، اور نہ دستور کی کوئی ایسی دفعہ منظور کر سکتی ہے جو قرآن وسنت کے کسی حکم کے خلاف ہو۔ 1

حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ. (یوسف: ٤٠) ''نہیں حاکمیت مگر اللہ کے لئے''۔ اسلامی دستور کی یہ وہ دفعہ ہے جس کے ذریعہ وہ لادینی جمہوریتوں سے ممتاز ہوتا ہے، لادینی جمہوریتوں میں اقتدار اور حاکمیت کا سرچشمہ عوام کو قرار دیا جاتا ہے، لہذا اگر عوام کثرت رائے سے کوئی ایسا فیصلہ کرنا چاہیں جو اللہ کے احکام کے خلاف ہو، تو وہ کر سکتے ہیں، لیکن اسلام میں حاکمیت کا اصل حق اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اور انسان کو حکومت کا اختیار اسی کی خلافت کے طور پر ملتا ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. (البقرة: ٣١) ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں''۔ اس لئے انسان کو اللہ کے خلاف کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ 2

ان اقوال بالا میں جمہوریت کے ساتھ مغربی جمہوریت، علی الاطلاق جمہوریت، سیکولر جمہوریت اور لادینی جمہوریت جیسے الفاظ بڑھا کر یہ واضح پیغام دیا گیا ہے کہ جمہوریت کی صرف ایک قسم نہیں، بلکہ اس کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم جائز اور معتبر ہے، جس کے لئے حقیقی جمہوریت اور محدود جمہوریت کے الفاظ استعمال کے گئے، جبکہ دوسری قسم شریعت کے متصادم اور منافی ہے، جس کو مغربی جمہوریت وغیرہ کے الفاظ سے موسوم کیا گیا۔ اوران دونوں میں حد فاصل اور مابہ الامتیاز حاکمیت اللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ اب ہم اگلی بحث میں مغربی جمہوریت اور پاکستانی جمہوریت میں اس حد فاصل کے ساتھ اور بھی چند بنیادی وجوہ فرق وامتیاز واضح کرنا چاہتے ہیں۔

1 اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص۱۷۳...۱۷۶، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط۲۰۱۰ء

2 اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص۳۸۲، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط۲۰۱۰ء

۲...... پاکستان کی جمہوریت اور مغربی جمہوریت میں فرق واضح کرنا

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور جو شعبہ قانون انصاف و انسانی حقوق حکومت پاکستان کی طرف سے ۲۰۰۲ء کا شائع شدہ ہے، اس کو سامنے رکھ کر پاکستان کی جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے درمیان چند وجوہ سے فرق پیش خدمت ہے۔

ا...... اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنا

چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے۔ 1

اول و آخر سہارا ہے خدا　　　حاکم اعلیٰ ہمارا ہے خدا

اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کیا گیا ہے، اور عوام کو محدود اختیارات کا حق دیا گیا ہے، یہ اسلامی جمہوریت اور غیر اسلامی جمہوریت میں وہی بنیادی فرق اور نکتہ ہے، جس کو علماء کرام اور اکابر نے دونوں کے درمیان حد فاصل اور امتیاز بیِّن قرار دیا ہے۔

۲...... نام میں اسلامی لفظ

مملکت پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہوگی جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔ 2

سب سے پہلا فرق نام کے اعتبار سے ہے، کہ پاکستان کے نام میں ''اسلامی'' کا لفظ ہے جبکہ مغربی اور کفریہ ممالک کے نام کے ساتھ اسلامی لفظ نہیں ہے۔ افراد اور قوموں میں نام کے اعتبار سے بڑا اثر اور فرق ہوتا ہے، اس لئے سیکولر طبقے کو ہمیشہ سے پاکستان کے نام کے ساتھ اسلامی کے لفظ سے بڑی چھیڑ اور مخالفت ہے، اور اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح اس لفظ کو ہٹا اور نکالا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور پالیمنٹ میں علماء کے مضبوط

1 (تمہید، ص ا)　　2 ابتدائیہ، دفعہ ا، ص ۳

دفاع اور جدوجہد سے اب تک اس طبقے کو کامیابی نہیں ہوسکی۔

۳......مملکتی اور سرکاری مذہب

اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہوگا۔ 1 یہ دستور میں ایک ایسی دفعہ ہے جس کی وجہ سے ایک اسلامی ملک کا دوسرے ممالک سے فرق اور امتیاز بالکل واضح ہوتا ہے۔

۴......اسلامی احکام اور قانون سازی

تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جن کا اس حصے میں بطور اسلامی احکام کا حوالہ دیا گیا ہے، اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔ 2

اس دفعہ پر عمل ہونے یا نہ ہونے کی جو تفصیل ہے وہ باب چہارم میں ان شاء اللہ آئیگی، اس وقت جو ہمارا مقصود ہے یعنی پاکستانی جمہوریت اور مغربی جمہوریت میں فرق واضح کرنا، وہ اس دفعہ کے مذکورہ الفاظ سے بطریق اتم حاصل ہوا۔

۵......صدر اور وزیر اعظم کے لئے مسلمان ہونے کی شرط

۱۹۷۳ء کے دستور اور آئین کے مطابق پاکستان میں صدر اور وزیر اعظم بننے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، اور ان کے حلف اُٹھانے کے الفاظ یہ ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں......صدق دل سے حلف اٹھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور وحدت وتوحید قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ، کتب الٰہیہ، جن میں قرآن پاک خاتم الکتب ہے، نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت خاتم النبیّین جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، روز قیامت اور قرآن وسنت کی جملہ مقتضیات وتعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں...... 3

---

1 (ابتدائیہ، دفعہ۲، ص۳) 2 حصہ نہم، دفعہ ۲۲۷، ص ۱۴۵

2 جدول سوم، عہدوں کے حلف، ص ۲۰۹، ۲۱۰

مذکورہ الفاظ میں سے ہر ایک لفظ میں پاکستانی جمہوریت کا مغربی جمہوریت سے امتیاز اور فرق جھلکتا ہے۔ اس لئے استاذ محترم مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے صاف صاف الفاظ میں ان دونوں جمہوریتوں میں فرق ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان کی جمہوریت مغربی جمہوریت نہیں ہے۔ انہوں نے لیاقت علی خان مرحوم کے دور میں علامہ شبیر احمدؒ کی کوشش اور جدوجہد سے اسمبلی سے قرارداد مقاصد پاس ہونے کا اپنا مشاہدہ اور اپنی آنکھوں دیکھی صورت حال کو اس طرح بیان فرمایا ہے: مجھے وہ دن عید کی طرح یاد ہے جب ہم سب کے سب اسمبلی میں وہ نظارہ دیکھنے کے لئے گئے کہ وزیر اعظم لیاقت علی خان مرحوم قرارداد مقاصد پیش کریں گے اور اس کی تائید میں علامہ عثمانی کی تقریر ہوگی، چنانچہ وہ عظیم الشان اجتماع تھا ہم بھی اوپر بالکونیوں میں سارے منظر دیکھ رہے تھے، بہت علماء اور طلباء گئے ہوئے تھے۔ الحمد للہ قرارداد مقاصد منظور ہوگئی جس میں اس بات کا اقرار کیا گیا کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ پاکستان میں مغربی جمہوریت نہیں چلے گی، مغربی جمہوریت میں عوام کو حلال حرام کا اختیار دیا جاتا ہے، جس چیز کو عوام کی اکثریت حلال کہہ دے وہ حلال، جس کو حرام کہہ دیں وہ حرام، یہ نہیں ہوگا۔ حاکمیت صرف اللہ کی ہے اور پاکستان کے عوام اور حکام پابند ہیں کہ کوئی عمل اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی میں نہ کوئی قانون ایسا نہ بنایا جائے اور کوئی پالیسی ایسی اختیار نہ کی جائے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔

پاکستان میں مغربی جمہوریت نہیں ہے، آج بہت سے لوگوں کو یہ اشکال بھی ہوا کرتا ہے کہ جمہوریت تو اسلام میں نہیں ہے، پاکستان کو ہم جمہوری کیوں کہیں؟ ٹھیک ہے ہم جمہوری نہ کہیں تو اسلامی تو کہیں گے، لیکن جمہوری کہنے میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں، کیونکہ یہ مغربی جمہوریت تو نہیں ہے، یہ وہ جمہوریت ہے جو اللہ کے فضل وکرم سے اسلام،

قرآن وسنت اور احکام الٰہی کے تابع ہے، قرارداد مقاصد کے تابع ہے۔ 1

قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب جمہوریت کے بارے میں فرماتے ہیں: جمہوریت اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ جمہوریت ایک طرز حکومت ہے، اور اسلام آئین حکومت ہے۔ حق اقتدار کس کا ہو، قیام حکومت کا طریقہ کار کیا ہو، اسلام اس کا تعین نہیں کرتا، اس کو عوام پر چھوڑ دیتا ہے، جس کو جمہوریت کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اس بحث کو الجھا کر جمہوریت اور اسلام کو مد مقابل بنا دیا جاتا ہے، ہمارے نزدیک وہ جمہوریت ایک گمراہی ہے جس جمہوریت میں اسمبلیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکام اور نصوص قطعیہ میں تبدیلی لائی جاسکتی ہو۔ مغربی جمہوریت میں پارلیمنٹ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ حلال کو حرام میں تبدیل کردے، یا حلال کو حرام قرار کردے۔ اسلام پاکستان کا مذہب ہے، اسلام میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لئے یہاں قرآن وسنت کی منشا کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا۔ 2

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: یہ ہمارا احساس کمتری ہے کہ ہم مغربی جمہوریت کے تحت کوئی نظام چاہتے ہیں اور ہم اس کے تحت وقت گزار رہے ہیں، اور جب آئین میں یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہوگا، اور تمام قوانین قرآن وسنت کے مطابق بنائے جائیں گے، تو یہ دراصل اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ پارلیمنٹ کو شریعت کے برخلاف کوئی قانون منظور کرنے کی اجازت نہیں رہی۔ لہذا شریعت اسلامیہ اس ملک کا بالاتر قانون ہے، اور اب صرف قانون سازی ہونی چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پارلیمنٹ کی اکثریت کو یہ حق حاصل نہیں رہا کہ وہ شریعت کے خلاف کوئی قانون بنا سکے، بلکہ آئین خود کہا

1 تحریک پاکستان، یوم آزادی اور ہماری ذمہ داریاں، مفتی محمد رفیع عثمانی، ص۲۱،۲۲، ادارۃ المعارف کراچی، ط۲۰۱۵ء 2 مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج۱ص۱۵۷، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط۲۰۱۷ء

ہے کہ آج جتنے بھی قوانین اسلام کے خلاف ہے سب کے سب اسلام کے مطابق بنائے جائیں گے۔ ہم اس ملک میں بے ہنگم جمہوریت کے قائل نہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ملک کا نظام ان ہاتھوں میں ہے جو لوگ ذہنی طور پر غلام ہیں اور جو لوگ ذہنی طور اس بات کے قائل نہیں ہو رہے ہیں کہ ملک میں خالصتاً شریعت کا نفاذ ہو۔ 1

ایک تیسرے مقام پر اس سوال ''کہ معاشرے میں جمہوریت اور دینی مدارس کا تضاد پیدا کیا گیا، دینی مدارس کے طلبہ شاید جمہوریت کو درست نہیں سمجھتے ہیں؟'' کے جواب میں قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں: وہ اس لئے کہ ان کے سامنے عملی نقشہ ہے، لیکن اپنے ملک کے آئین اور جو صورت حال ہے اس پر ان کی نظر نہیں ہے، لہذا انہیں یورپ کا عملی نقشہ نظر آرہا ہے، جیسے ہماری جمہوریت یورپ والی جمہوریت ہے تو پھر اس حوالے سے فتویٰ دیتے ہیں، لیکن اگر ہم آئین کو پڑھ لیں اور آئین نے جو حکومت کا مفہوم متعین کیا ہے، تو پھر اسے یہ سمجھ آتی ہے کہ آئینی طور پر جمہوریت کو شریعت کا پابند بنایا گیا ہے، تو پھر اس طرح فتویٰ نہیں دیں گے۔ سیاسی کارکن آئین اور دستور کو پڑھتے ہیں، وہ اس حوالے سے فتویٰ دینے میں محتاط ہوتے ہیں۔ 2

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ہمارے دستور میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ اگر پارلیمنٹ کوئی ایسا قانون نافذ کردے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، تو اس کو فیڈرل شریعت کورٹ میں چیلنج کیا جاسکتا ہے۔ 3

1 مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۱ ص ۲۴۲، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

2 جنگ سنڈے میگزین، ۲ جولائی ۲۰۰۰ بحوالہ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۲ ص ۱۸۱، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

3 اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی ص ۱۰۷، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

اس بحث اور اکابرین کے ارشادات سے پاکستان کی جمہوریت اور مغربی جمہوریت میں فرق و امتیاز دن کی طرح روشن ہو گیا، اب اس کو نہ ماننا سوءِ فہم کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے، اور یا ان جمہوریتوں سے ناواقفیت کے سبب بھی ہو سکتا ہے۔ عربی کے مشہور شاعر متنبّی نے کیا خوب فرمایا!

ولیس یصح فی الأفهام شیء　　اذا احتاج النهار الی دلیل

''جب دن بھی دلیل کے محتاج ہو، تو سمجھ لو کہ لوگوں کی سمجھ اور افہام درست نہیں ہیں''۔

اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

وکم من عائب قولا صحیحا　　وآفته من الفهم السقیم

ولکن تاخذ الآذان منه　　علی قدر القرائح والعلوم

''اور بہت سے لوگ صحیح قول پر عیب لگاتے ہیں، اور یہ ان کی بیمار اور غلط سمجھ و دانش کا نتیجہ ہوتا ہے، کیونکہ کان اپنے علوم اور طبعیتوں کے بقدر بات سن اور قبول کرتے ہیں''

۵۔۔ جمہوریت اور علماء کا اجتہاد

باب اول میں یہ بات تفصیل سے گزری ہے کہ قرآن وسنت میں صراحتاً نظام حکومت کا کوئی خاص ڈھانچہ اور طریقہ کار متعین نہیں ہے، اور شریعت کا اصول ہے کہ جہاں قرآن وسنت میں کوئی حکم صریح طور پر نہ ملے تو اس کے بارے میں اجتہاد کی ضرورت پیش آئیگی۔ پاکستان کے نظام حکومت اور جمہوریت کے بارے میں علماء کرام کے اجتہادی عمل و سعی کے بارے میں مشہور مذہبی سکالر اور معروف عالم دین مولانا زاہد الراشدی صاحب یوں وضاحت فرماتے ہیں: اس پس منظر میں جب ہم اسلام کے سیاسی نظام کے حوالے سے جدید سیاسی تقاضوں کو اس کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کے لئے اجتہادی ضروریات کا جائزہ لیتے ہیں اور پاکستان کے علماء کے طرز کو دیکھتے ہیں، تو ہمیں اطمینان ہوتا ہے کہ انہوں نے

اس سے صرف نظر نہیں کیا۔ کیوں کہ پاکستان کے قیام کے بعد جب علماء کرام کے سامنے ایک نئی اسلامی ریاست کی بنیاد طے کرنے کا مرحلہ آیا تو یہ اجتہادی عمل اور اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع تھا... علمائے پاکستان نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اسلام کے نام قائم ہونے والی اس نئی مملکت میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ اور قرآن وسنت کی بالادستی کی شرط کے ساتھ عوام کے ووٹوں سے حکومت کے قیام کا اصول اختیار کیا جائے۔ عوام کے منتخب نمائندوں کے لئے اقتدار کا حق تسلیم کیا جائے، اور یہ بھی حتمی طور پر طے کیا جائے کہ تمام تر قانون سازی پارلیمنٹ کے ذریعے ہوگی... چنانچہ قرارداد مقاصد کے ساتھ ساتھ تمام مکاتب فکر کے ۳۱ سرکردہ علمائے کرام کے ۲۲ دستوری نکات اسی اجتہادی پیش رفت کا ثمرہ ہے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے علمائے کرام نے نظام حکومت کے بارے میں اجتہادی ضروریات کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے... پھر قومی تاریخ کے ایک اور مرحلے کو بھی اس سلسلے میں رکھنا ضروری ہے، جب ۱۹۷۳ء کا دستور تشکیل پا رہا تھا، اس وقت دستور ساز اسمبلی میں مختلف مکاتب فکر کے سرکردہ اور معتمد علماء عوام کے منتخب نمائندوں کی صورت میں موجود تھے، جن کی مشاورت واشتراک کے ساتھ دستور تشکیل پایا۔ اس دستور کے نظریاتی حیثیت کا تعین، حکومتی ڈھانچے کی نوعیت کا فیصلہ، آج کے عالمی نظام اور جدید سیاسی تقاضوں کے ساتھ اس کی ایڈجسمنٹ کے راستے تلاش کرنا اور ان سب کے ساتھ قرآن وسنت کی بالادستی کے اصول کو بھی برقرار رکھنا بہت بڑا اجتہادی عمل تھا، جس میں ہمارے علمائے کرام پوری طرح سرخرو ہوئے، اور ایک ایسا دستور قوم کو فراہم کیا جس پر ملک کے تمام طبقوں کے ساتھ ساتھ روایتی دینی حلقوں کا بھی اتفاق ہے اور جدید سیاسی نظاموں کے ناگریز تقاضوں کی بھی نفی نہیں ہوئی۔ 1

1 عصر حاضر میں اجتہاد چند فکری وعملی مباحث، مولانا زاہد الراشدی، ص ۱۶۸، ۱۶۹، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ط ۲۰۰۸ء

۶......جمہوریت کی خامیاں اور کمزوریاں

جمہوریت کی خامیوں اور کمزوریوں سے انکار نہیں، اور نہ ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ جمہوریت خلافت کے بالکل مماثل اور برابر ہے، ہمارا دعوی اور مقصد یہ ہے کہ پاکستان اور مغربی جمہوریت میں فرق واضح موجود ہے، جس کی وجہ سے پاکستان کی جمہوریت کو کفریہ نظام نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اور خامیوں کے باوجود حالات زمانہ اور صورت حال کی پیش نظر پاکستانی جمہوریت خلافت کے مماثل نہ سہی، لیکن متبادل ضرور ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اعمال، اخلاق وغیرہ میں پستی اور کمزوری پیدا ہونے کو تسلیم اور ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ کیا ہمارے انفرادی دینی اعمال صحابہ کرامؓ، تابعین اور اسلاف کے اعمال کے مماثل ہیں؟، ہمارے انفرادی دینی اعمال اور علوم میں کمزوریاں اور خامیاں پیدا ہونے کے بوجود ہم ان ٹوٹے پھوٹے اعمال کو صحابہ کرامؓ کے اعمال کے مماثل نہ سہی، متبادل ضرور مانیں گے، اور اپنے بس اور اختیارات کے مطابق ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے، انفرادی اعمال کے مطابق اجتماعی نظام کا قیام ہوتا ہے، اس بارے میں امام طرطوشیؒ نے جو گفتگو اور تحقیق کی ہے، وہ قابل قدر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

لم ازل اسمع الناس یقولون: اعمالکم عمالکم کما تکونوا یولی علیکم، الی ان ظفرت بھذا المعنی فی القرآن قال اللہ تعالی: وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (الانعام: ۱۲۹.) **وکان یقال ما انکرت من زمانک فانما افسده علیک عملک. وقال عبد الملک بن مروان: ما انصفتمونا یا معشر الرعیة، تریدون منا سیرة أبی بکر وعمر ولا تسیرون فینا ولا فی انفسکم بسیرتھما، نسأل اللہ ان یعین کل علی کل. وقال**

قتادة: قالت بنو اسرائیل: الهنا! انت فی السماء ونحن فی الارض، فكيف نعرف رضاک من سخطک؟ فاوحی الله تعالی الی بعض انبیائهم: اذا استعملت علیکم خیارکم فقد رضیت عنکم، واذا استعملت علیکم شرارکم فقد سخطت علیکم. وقال عبیدة السلمانی لعلی بن ابی طالب رضی الله عنه: یا امیر المؤمنین! ما بال أبی بکر وعمر انطاع الناس لهما، والدنیا علیهما اضیق من شبر فاتسعت علیهما، وولیت انت وعثمان الخلافة ولم ینطاعوا لکما، وقد اتسعت فصارت علیکما اضیق من شبر؟ فقال: لان رعیة أبی بکر وعمر کانوا مثلی ومثل عثمان، ورعیتی انا الیوم مثلک وشبهک. 1

''میں لوگوں سے سنتا رہا کہ تمھارے اعمال ہی تمھارے حکمران ہیں، یعنی جیسے تمھارے اعمال ہوں گے ان کی طرح تمھارے حکمران آئیں گے، حتی کہ اسی طرح کے ہم معنی مطلب اور مضمون مجھے قرآن پاک میں مل سکا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اسی طرح لوگوں کے اعمال کے مطابق ہم بعض ظالم دوسرے بعض ظالموں پر مسلط اور حکمران بناتے ہیں''۔ اور کہا جاتا ہے کہ آپ زمانہ میں جو فساد دیکھ رہے ہیں یہ آپ کے بد اعمال کے سبب ہے۔ اور ایک حکمران عبد الملک بن مروان نے کہا: اے لوگوں! آپ ہم سے انصاف نہیں کرتے کہ تم ہم سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی سیرت اور طرز حکمرانی کا تقاضا کرتے ہوں، اور ان کے جیسے اعمال نہ خود اپناتے ہوں اور نہ ہم سے طلب کرتے ہوں، اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہر ایک دوسرے کا معاون اور مددگار رہنے۔ اور امام قتادہؒ نے فرمایا ہے: کہ بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ اے اللہ! آپ آسمان میں ہیں اور ہم زمین میں، ہم آپ کی رضامندی اور ناراضگی کا کیسے پتہ چلے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں اس وقت

1 سراج الملوک، ابوبکر محمد بن محمد الطرطوشی المتوفی ۵۲۰ھ، الباب الحادی والاربعون فی کما تکونوا یولی علیکم، ص۱۱۶، المطبوعات العربیة مصر، ط۲ ۱۸۷۲ء

کے انبیاء کی طرف وحی نازل فرمائی کہ جب میں تم پر نیک لوگوں کو حکمران بناؤں تو یہ میری رضامندی کی علامت ہے، اور جب بدحکمران مسلط کروں تو یہ میری ناراضگی کی علامت ہے۔ اور ایک دفعہ عبیدہ سلمانی نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ لوگوں میں مقبول تھے، ان پر ابتدا میں دنیا تنگ تھی پھر وسعت اور خوشحالی ان کے نصیب میں آئی، اور جب آپ اور حضرت عثمانؓ خلیفہ بنیں، تو وہ مقبولیت باقی نہیں رہی، اور آسانی کے بعد تمھیں مشکلات کا سامنا رہا؟ تو حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا: کہ یہ اس لئے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رعایا اور عوام میرے اور حضرت عثمانؓ جیسے لوگ تھے، اور آج میری رعایا آپ اور آپ جیسے لوگ ہیں''۔

تنبیہ: ''**اعمالکم عمالکم** '' حدیث نہیں ہے، یہ امام حسن بصریؒ اور دوسرے بزرگوں کا ایک حکیمانہ قول ہے، جو حدیث ''**کما تکونوا یولی علیکم**'' کے ہم معنی ہے۔

وعند الطبرانی معناه من طریق عمر و کعب الاحبار والحسن، فانه سمع رجلا یدعو علی الحجاج ، فقال له: لا تفعل، انکم من انفسکم اتیتم، انا نخاف ان عزل الحجاج او مات ان یستولی علیکم القردة والخنازیر، فقد روی: ان اعمالکم عمالکم، و کما تکونون یولی علیکم. وانشد بعضهم:

بذنوبنا دامت بلیتنا والله یکشفها اذا تبنا

وفی المأثور من الدعوات: اللهم لا تسلط علینا بذنوبنا من لا یرحمنا. 1

اعمالکم عمالکم، قال النجم: لم اره حدیثا، ولکن ستأتی الاشارة الیه فی کلام الحسن فی حدیث کما تکونوا یول علیکم. واقول رواه

1 المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الأحادیث المشتهرة علی الألسنة، شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن المتوفی ۹۰۲ھ، ص۵۲۰، دار الکتاب العربی بیروت، ط۱۴۰۵ھ

الطبرانی عن الحسن البصری انه سمع رجلا یدعو علی الحجاج، فقال له: لا تفعل، انکم من انفسکم اُوتیتم، انما نخاف ان عزل الحجاج او مات ان یتولی علیکم القردة والخنازیر، فقد روی: اعمالکم عمالکم، وکما تکونوا یول علیکم. 1

بہرحال پاکستان کی جمہوریت میں خامیوں اور کمزوریوں کے علم کے باجود علماء کرام اور مذہبی جماعتوں نے اس میدان کو سیکولر طبقات کے لئے خالی نہیں چھوڑا، اس نیت اور عزم کے ساتھ کہ جب بھی قدرت اور موقع مل جائے تو ان خامیوں کو دور کیا جائے گا۔ جس طرح حج اور عمرہ کے سفر میں حاجیوں اور معتمرین حضرات کو سفر کے دوران جہازوں میں سرکاری بے پردہ ملازم خواتین کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو اس خامی کی وجہ سے نہ کوئی حج اور عمرہ چھوڑتا ہے، اور نہ اس حج وعمرہ کو غیر شرعی کہا جاتا ہے، اس خامی کو اس وقت دور کیا جاسکتا ہے جب صاحب اقتدار دینداری اور مذہبی جذبات اور رجحانات کے حامل ہو۔ اسی طرح ان غیر اختیاری خامیوں کے باوجود جمہوریت کے میدان میں مذہبی جماعتوں کی جدوجہد اور مساعی کو غیر شرعی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اب جمہوریت کے میدان میں چند خامیوں کا تذکرہ پیش خدمت ہے:۔

۱......کیفیت کے بجائے کمیت کا اعتبار

جمہوریت میں بڑی خامی اور سقم یہ ہے کہ اس میں کیفیت کے بجائے ہمیشہ کمیت اور اکثریت کا اعتبار ہوتا ہے، ایک طرف علماء، تعلیم یافتہ، نیک اور باشعور افراد ہوں، اور دوسری طرف جاہل، بدمعاش اور بدکردار لوگوں کی اکثریت ہو، تو ان بدکردار لوگوں کو ترجیح حاصل ہے، اور انہی کی حکومت قائم ہوگی۔ اسی طرح ایک عالم اور تعلیم یافتہ کا ووٹ اور ایک جاہل

1 کشف الخفاء ومزیل الالباس، اسماعیل بن محمد العجلونی المتوفی ۱۱۶۲ھ، المکتبۃ العصریہ، ط۱۴۲۰ھ

کے ووٹ برابر ہے۔ حالانکہ شرعی اور عقلی ہر اعتبار سے کیفیت کو نظر انداز کر کے صرف کیمیت اور عددی اکثریت کو ترجیح دینا قرین عقل قرین مصلحت اور انصاف نہیں ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے اس خامی کو یوں بیان کیا ہے:۔

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ہندوستان کے مشہور محقق اور فقیہ حضرت مولانا سیف اللہ رحمانی صاحب اس بارے میں اپنی تحقیق میں یوں اظہار فرماتے ہیں: اس زمانے میں امت مسلمہ کے ارباب حل وعقد مدینہ منورہ میں جمع تھے، اس لئے ان کی جانب سے کسی حکمران کا انتخاب کافی تھا، لیکن آبادی کے پھیلاؤ اور ملت کی ذمہ دار شخصیتوں کے مختلف علاقوں میں بکھراؤ کے اعتبار سے موجودہ دور میں یقیناً کسی ایک شہر کے لوگوں کا اتنے اہم مسئلے پر رائے دیدینا کافی نہیں ہوگا، اس لئے اگر آج کسی خطہ میں اسلام کا مطلوب نظام خلافت قائم ہو، تو اس کی یہی شکل ہوگی کہ عوام اپنے نمائندے منتخب کریں، اور یہ نمائندے حکمران کا انتخاب کریں، البتہ اسلامی نقطہ نظر سے ووٹوں کی اکثریت کافی نہیں ہوگی، بلکہ یہ بات ضروری ہوگی کہ جس شخص کو منتخب کیا جائے وہ اخلاق وکردار کے اعتبار سے مقتدیٰ بننے کے لائق بھی ہو، مغربی جمہوریت کا بنیادی نقص یہی ہے کہ اس میں مقدار کو تو اہمیت دی گئی ہے، لیکن معیار کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے، ووٹوں کی اکثریت کو تو اہمیت دی گئی ہے، لیکن اخلاق وکردار کے لئے کوئی حصہ نہیں رکھا گیا۔ 1

اس لئے علماء اور مذہبی جماعتوں کی کوششوں سے دستور میں اسمبلی کے ممبر کے لئے اچھے اوصاف کے حامل ہونے کی بڑی جامع شرائط وضع کی گئی ہیں، جس کو دستور کی دفعہ باسٹھ اور تریسٹھ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دستور میں تصریح ہے کہ جو مسلمان رکن اچھے

1 الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص ۱۲، ایفا پبلکشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

اوصاف کے بجائے ان مندرجہ ذیل اوصاف کا حامل ہو وہ پارلیمنٹ کا اہل نہیں ہوسکتا ہے:

ا......اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور عام طور پر احکام اسلامی سے انحراف میں مشہور ہو۔

۲......وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نہ ہو، نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔

۳......وہ سمجھدار، پارسا نہ ہو، فاسق ہو، ایماندار اور امین نہ ہو۔

۴......کسی اخلاقی پستی میں ملوّث ہونے یا جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں سزایافتہ ہو۔

۵......اس نے قیام پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت کے خلاف کام کیا ہو یا نظریہ پاکستان کی مخالفت کی ہو۔ 1

لہذا جمہوریت میں موجودہ سقم اور خامی دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دستور کی یہ دفعہ صحیح طور پر من وعن نافذ العمل ہو۔

۲......صحیح معنی میں دستور اور آئین پاکستان کا عدم نفاذ

پاکستان کی جمہوریت کے کمزور اور ناکام ہونے کا ایک بڑا سبب دستور اور آئین کا صحیح طور پر عدم نفاذ ہے، خصوصا اس میں جو اسلامی دفعات ہیں ان کو حکمرانوں نے نظر انداز کیا ہے۔ حالانکہ نظریہ پاکستان، پاکستان کی آزادی کے لئے دی جانے والی قربانیوں، ازادی کے حصول کے وقت لگائے جانے والے نعروں اور بانیان پاکستان کے فرمودات ان سب کا تقاضا اور فرض تھا کہ پہلی ہی فرصت میں اسلام نظام کو نافذ کیا جاتا، لیکن حکمرانوں کی مغربی ذہنیت اور غلامی کی وجہ سے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا، اور نہ اس مقصد پاکستان کو پروان چڑھ سکا۔

1 اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، دفعہ ۶۲، ص ۳۷، شائع کردہ وزارت قانون انصاف انسانی حقوق وپارلیمانی امور، ط۲۰۱۲ء

ملک کی معروف ومشہور ممتاز شخصیت ،عالم اسلام کے مانے ہوئے محقق محدث حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے اس حال پر بڑا جاندار تبصرہ فرمایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ہم نے یہی نعرے لگائے کہ مسلمانوں کے لئے ایک مستقل جداگانہ سرزمین کی اس لئے ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے نفاذ کے لئے اسلامی حکومت قائم ہو اور سر سے پیر تک اسلامی معاشرہ کی تشکیل ہو، اس موقعہ پر ہم نے بڑے بلند بانگ دعوے کئے تھے کہ حق تعالیٰ کے قوانین عدل کا اجراء ہوگا، اسلامی معاشرہ کا احیاء ہوگا، اسلامی اتحاد کا خواب پورا ہوگا، اسی مقصد کے لئے جلسے کئے، جلوس نکالے، کوششیں کیں، قرار دادیں پاس کیں، جان ومال اور عزت وآبرو کی قربانیاں دیں، جو کچھ ہوا اور جو کچھ کیا اس کی تاریخ آپ کے سامنے ہے، بہر حال جدوجہد ٹھکانے لگی، حق تعالیٰ نے غلامی کے طویل دور کے بعد آزادی کی نعمت نصیب فرمائی، اور ایک بڑی عظیم سلطنت عطا فرمائی......لیکن جس بنیادی مقصد کا بار بار اعلان کیا جاتا تھا کہ اسلامی حکومت قائم ہوگی اور یوں عالم اسلام سے اتحاد ہوگا، اس کے لئے حکمرانوں اور حکومتوں نے کیا کیا؟ اپنے وعدوں کو کہاں تک پورا کیا؟ یہاں کون کون سے اسلامی قوانین جاری ہوئے؟ کفر والحاد کہاں تک ختم کیا گیا؟ اسلامی معاشرت قائم کرنے کے لئے کیا کیا اقدام کے گئے؟ ان تمام سوالات کا جواب حسرت ناک نفی میں ملے گا۔ 1

لمثل هذا يذوب القلب عن كمد

ان كان في القلب اسلام وايمان

’’جس کے دل میں اسلام اور ایمان ہو اس حالت کی وجہ سے غم اور افسوس سے اس کا دل پگھل اور زخمی ہو جاتا ہے‘‘۔

1 بصائر وعبر، رشحات قلم مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مرتب مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ، ج ا ص ۱۹۰، مکتبہ بینات کراچی، ط ۱۴۲۰ء

۳......جمہوریت کے بارے میں عوام کی لاشعوریت و جہالت

پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی اور کمزوری کا ایک سبب وہ صحیح معنی میں جمہوریت سے عوام کی اکثریت کی ناواقفیت اور نادانی ہے، عموماً عوام کو نہ انتخابات اور ووٹ کی اہمیت کا علم ہے، اور نہ سیاست کی اہمیت کا، وہ انتخابات کو ایک کھیل اور وقتی مشغلہ سمجھتے ہیں۔ استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ووٹ کی اہمیت اور اس بارے میں عوام کی نادانی اور بے حسی کو یوں بیان فرماتے ہیں: عوام نے اس پہلو پر بہت کم غور کیا ہے کہ ہمارے حکام درحقیقت خود ہمارے اپنے کردار اور عمل کا آئینہ ہوتے ہیں۔ وہ لوگ بلاشبہ قابل صد نفرین وملامت ہی ہیں جو اپنی دولت کے سہارے ووٹ خرید کر اقتدار تک پہنچتے ہیں، لیکن ان کے جرم میں وہ عوام بھی برابر کے شریک ہیں جو کھنکتے ہوئے سکوں کی آواز سن کر قوم وملک اور دین واخلاق سب کو بھول جاتے ہیں...موجودہ پارلیمانی طرز حکومت میں جو حکومت بھی برسر اقتدار آتی ہے وہ انتخابات ہی کے ذریعے اقتدار کے منصب تک پہنچتی ہے، لہٰذا اس حکومت کے تمام اعمال وافعال اس کے منتخب کرنے والے عوام کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اور ان کی دنیوی اور اخروی ذمہ داری بڑی حد تک ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے اپنے ووٹ دے کر اسے منتخب کیا۔ انتخابات کوئی کھیل تماشا نہیں ہے جسے بے پرواہی سے دیکھ کر گذار دیا جائے، بلکہ یہ انتہائی ذمہ داری کا معاملہ ہے، اور ملک کے ہر باشندے کا فرض ہے کہ وہ اسے پوری سوجھ بوجھ اور دیانت داری کے ساتھ طے کرے۔ لوگ انتخابات کو ایک خاص دنیاوی سودا سمجھ کر اس میں مختلف قسم کی بدعنوانیوں کو گوارا کر لیتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا ہے، چنانچہ بہت سے لوگ اپنا ووٹ دیانت دارانہ رائے کے بجائے محض ذاتی تعلقات کی بنیاد پر کسی نااہل کو دے دیتے ہیں، وہ دل میں خوب جانتے ہیں کہ جس شخص کو ووٹ دیا جا رہا ہے

وہ اس کا اہل نہیں، یا اس کے مقابلے میں دوسرا شخص اس سے زیادہ حق دار ہے، لیکن صرف دوستی کے تعلق، برادری کے رشتے یا ظاہری لحاظ و مروت سے متاثر ہو کر وہ اپنے ووٹ کا غلط استعمال کر لیتے ہیں، اور انھیں کبھی خیال نہیں آتا کہ شرعی اور دینی لحاظ سے انہوں نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ جب کسی شخص کے بارے میں ضمیر اور دیانت کا فیصلہ یہ ہو کہ وہ ووٹ کا مستحق نہیں ہے یا دوسرا شخص اس کے مقابلے میں زیادہ اہلیت رکھتا ہے تو اس وقت محض ذاتی تعلقات کی بنا پر اسے ووٹ دے دینا ''جھوٹی گواہی'' کے حکم میں آتا ہے، اور قرآن کریم میں جھوٹی گواہی کی مذمت اتنی شدت کے ساتھ کی گئی ہے کہ اسے بت پرستی کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے...... یہ وعیدیں تو صرف ووٹ کے غلط استعمال پر صادق آتی ہیں جو محض ذاتی تعلقات کی بنا پر دیا گیا ہو، اور روپے پیسے لے کر کسی نااہل کو ووٹ دینے میں تو دو کبیرہ گناہ جمع ہو جاتے ہیں، ایک جھوٹی گواہی، اور دوسری رشوت خوری... نااہل کو ووٹ دینا قومی گناہ ہے جس کے نتائج بد پوری قوم کو بھگتنے پڑتے ہیں، ان کا معاملہ پرائیوٹ گناہوں کے مقابلے میں بہت سخت ہے، انفرادی نوعیت کے جرائم، خواہ اپنی ذات میں کتنے ہی گھناؤنے اور شدید ہوں، لیکن ان کے اثرات عموماً دو چار افراد سے آگے نہیں بڑھتے، اس لئے ان کی تلافی بھی عموماً اختیار میں ہوتی ہے، ان سے توبہ واستغفار بھی آسان ہے، اور ان کے معاف ہو جانے کی امید بھی ہر وقت کی جاسکتی ہے۔ اس کے برخلاف جس گناہ کا برا نتیجہ پورے ملک اور پوری قوم کو بھگتنا ہو اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ تیر کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں آسکتا۔ اس لئے اگر کسی وقت انسان اس بدعملی سے توبہ کر لے تو کم از کم ماضی کے جرم سے عہدہ برآمد ہونا بہت مشکل ہے، اور اس کے عذاب سے رہائی کی امید بہت کم۔ اس لحاظ سے یہ گناہ چوری، ڈاکے، زناکاری اور دوسرے تمام گناہوں سے شدید تر ہے، اور اسے دوسرے جرائم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ 1

1 اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۷...۱۰، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

اس لئے ضروری ہے کہ عوام میں ووٹ کی اہمیت اور حساسیت پیدا کی جائے، اور ان ایسی تربیت دی جائے جس سے وہ یہ سمجھنے کے قابل ہوسکیں کہ اسلام، ملک اور عوام کی خدمت کے لئے کونسی جماعت اور کونسے افراد موزون ہوسکتے ہیں۔

۴......شفاف انتخابات کا نہ ہونا

جمہوریت کی کامیابی اور پائیداری کے لئے شفاف انتخابات کا انعقاد ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے بغیر جمہوریت کے پھل اور ثمرات حاصل کرنے کی امید رکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ پاکستان میں ابتدا سے شفاف انتخابات بڑا مسئلہ رہا ہے، ہر بار انتخابات میں ریکارڈ دھاندلی، ووٹ کی خرید وفروخت، بوگس اور جعلی ووٹ، اہلکاروں کی جانبداری، اداروں کی مداخلت اور انتخابات کے دوران میڈیا کی ایک طرفہ رپورٹ اور کورتیج یہ سب چیزیں سامنے ہوتی ہیں جو شفاف انتخابات میں یقیناً رکاوٹ اور مانع ہیں۔

۵......جمہوریت کا کمزور ہونا

پاکستان میں جمہوریت کی بڑی حامی خود اس کا متزلزل اور کمزور ہونا ہے، شاید کسی دوسرے جمہوری ممالک میں اتنے دفعہ مارشل لاء نافذ ہوا ہو جتنے بار اسلامی جمہوریہ پاکستان میں لگا ہے، شاید کسی دوسرے جمہوری ممالک میں عدلیہ نے پارلیمنٹ کے خلاف اتنے فیصلے دیئے ہوں جتنے فیصلے پاکستان میں دئے گئے ہیں، پاکستان میں اداروں، عدلیہ اور صدر کی طرف سے پارلیمنٹ اور جمہوریت پر جتنے وار اور حملے کئے گئے اس کی مثال دنیائے عالم میں پایا جانا مشکل ہے۔ ایک ہی شخص کو انتخاب کے لئے اہل قرار دیا جاتا ہے، پھر چند دنوں کے بعد اسی شخص کو نا اہل قرار دیا جاتا ہے۔ اداروں اور عدلیہ کی توقیر اور عزت کے لئے پارلیمنٹ نے دستور اور آئین میں قوانین وضع کئے ہیں، جن کی رو سے اداروں اور

عدلیہ کی تضحیک پر ایک منتخب ممبر نا اہل ہوسکتا ہے، لیکن خود پارلیمنٹ کی عزت اور توقیر کے لئے کوئی قانون نہیں ہے، کوئی ممبر وغیرہ جتنا بھی پارلیمنٹ کو گالی دے پھر بھی وہ نا اہل نہیں ہوسکتا، اس لئے ملک کی ترقی کے لئے مستحکم جمہوریت ضروری ہے۔

۷......جمہوریت کا میدان اور علماء دیوبند کی سبقت

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان ایک دوصدیوں میں اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں عموماً اور برصغیر میں خصوصاً علماء دیوبند سے دین کا جو کام لیا وہ درخشاں، بالکل واضح اور روشن ہے، دوسرے طبقات اور مسالک کی خدمات اور کام ان کے کام اور خدمات کے مقابلے میں بہت کم ہیں، درس وتدریس، تعلیم وتصنیف، الحاد وباطل کا مقابلہ، اصلاح وتزکیہ، دعوت وتبلیغ اور جہاد وحریت ہر میدان میں انہی کی قیادت نظر آتی ہے۔ ان میدانوں میں ایک میدان سیاست اور جمہوریت کا بھی ہے، اس میدان میں بھی صف اول کے معمار اور قائدین علماء دیوبند ہی نظر آتے ہیں، اگر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور جہاد میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا مظہر نانوتویؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مفتی رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی قیادت وامارت نظر آتی ہے، اور پھر تحریک آزادی اور تحریک ریشمی رومال کی قیادت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ہاتھ میں نظر آتی ہے، جس کی پاداش میں حضرت شیخ الہندؒ، مولانا عزیر گلؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ مالٹا جیل کی اسارت نصیب ہوتی ہے، اسی طرح جمہوری سیاست میں کانگریس میں شمولیت کے حق میں سب سے پہلا فتوی صادر کرنے والا حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ ہی نظر آتے ہیں، اور اسی فتوی کو پروان چڑھانے والا حضرت شیخ الہندؒ کا نام روشن نظر آتا ہے، انہی کی قیادت اور سرپرستی میں تحریک خلافت، تحریک ترک موالات اور جمعیت علماء ہند کا

قیام، یہ سب جمہوری خدمات انہی کی مرہون منت ہے، ان خدمات کے بعد جمعیت علماء ہند کی قیادت حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سنبھالتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور انہی کی قیادت میں گوناگوں حالات کے باوجود جمہوری اقدار کو فروغ ملتا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس وقت مغربی جمہوریت کا چرچا اور غلبہ تھا، پاکستانی جمہوریت کا اس وقت نام نہیں تھا اور ان کو جمہوریت کی کمزوریوں اور خامیوں کا علم تھا، پھر بھی انہوں نے دین اور اسلام کے دفاع کی نیت سے اس میدان میں حصہ لیا، اسی طرح تحریک پاکستان میں فخر العلماء علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، محقق کبیر علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کا قائدانہ کردار، اس کے بعد سرحد ریفرنڈم اور مختلف مواقع پر اسلامی آئین اور دستور کے لئے جمہوری طور پر ان کی جدوجہد اور مفتی محمد شفیعؒ کا ووٹ کی شرعی اور فقہی حیثیت واضح کرنا یہ سب کارنامے جمہوری سیاست کو اثبات اور دوام بخشنے کے مترادف ہیں، پھر مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور فخر المحدثین مولانا عبد الحقؒ بانی جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کی کامیاب پارلیمانی جدوجہد جمہوری سیاست کا ایک عظیم اور یادگار باب ہے۔

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس بارے میں بڑی وضاحت اور تفصیل فرمائی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: سیاست شرعیہ اسلام کا اہم ترین جزء ہے، اور اسی نسبت سے وہ اسلام کے اولین مظہر کامل اہلسنت والجماعت کے مذہب کا جزء اور اہلسنت کے اصل اور قدیم مظہر اسلام ہونے کی نسبت سے وہ علمائے دیوبند کے مسلکی مزاج کا بھی جزء اعظم ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ آج شرعی سیاست محکوم مسلمان تو بجائے خود ہیں، خود مسلم ممالک میں بھی رائج نہیں، بلکہ یہ مسلم ممالک اس شرعی سیاست سے بیگانہ اور مغربی سیاست کے دلدادہ ہیں، اس لئے ان اوراق میں سیاست شرعی کی تفصیل غیر ضروری بلکہ بے محل ہے۔ تاہم علمائے دیوبند محکوم ہونے کے باوجود آج کی غیر

شرعی سیاست کے ہجوم میں بھی ملکی معاملات اور سیاسیات سے کلیۃً بیگانہ یا الگ تھلگ نہیں رہے، بلکہ شرعی حدود میں رہ کرتا بحد امکان اس میں حصہ لیا، مگر مدافعانہ انداز میں۔ ۱۸۵۷ء میں لوجہ اللہ استخلاص وطن کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند نے جنگ آزادی میں قائدانہ حصہ لیا، توپ وتفنگ سے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور بازیافت وطن کی ایک مثال قائم کردی۔ خلافت ترکیہ پر روسی یلغار کے وقت حضرت نانوتویؒ نے خلافت کی بقاء وتحفظ پر مسلمانوں کی آواز کو متحد بنایا اور ترکوں کی مالی امداد کے لئے نہ صرف چندہ کر کے ہزارہا روپیہ ہی ترکوں کے لئے بھجوایا، بلکہ خود اپنے گھر کا سارا اثاثہ بھی اس امداد میں لگا دیا۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد حقوق طلبی کے لئے جب کانگریس قائم ہوئی تو سب سے پہلے حضرت قطب وقت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سرپرست ثانی دار العلوم دیوبند نے اس میں شرکت کا فتوی دیا۔ برطانیہ کی سازش سے خلافت ترکی پر زوال آیا تو علماء دیوبند باوجود اپنی تدریسی مشاغل کے پوری ہمّت و پامردی کے ساتھ احتجاج اور اُس کے جلسوں کے لئے کھڑے ہوگئے، ریشمی رومال کی تحریک سے کون ناواقف ہے جس کے بانی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر المدرسین دار العلوم قدس سرہ تھے جنھوں نے اس سلسلہ میں مالٹا کی قید و بند کے مصائب پانچ برس تک جھیلے۔ آزادی وطن کی تحریک اُٹھی تو انہیں علماء دیوبند نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں جمعیت العلمائے ہند کر کے شانہ بشانہ جنگ آزادی لڑی۔ اور حضرت مولانا سید حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے باوجود مشاغل تدریس دار العلوم کے برسہا برس اس کی قیادت کی اور ملک کو آزاد کرایا۔ مسلم لیگ نے پاکستان کی تحریک اٹھائی تو ایک بڑے طبقہ علماء نے ابتداء اس کی مخالفت کی، لیکن یہ محسوس کر کے کہ پاکستان بن جانا یقینی ہے اور ممکن ہے کہ وہ اسلامی آئین کا خطہ ثابت ہو حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی قیادت بھی کی، تاکہ پاکستان میں دینی آواز

پست نہ ہونے پائے۔ ہندوستان کو آزادی مل جانے کے بعد مسلمانوں کے حقوق کی نگرانی وحفاظت میں جمعیت العلمائے ہند نے جو جدوجہد کی اُسے تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں تغیر وتبدل کرنے کے منصوب باندھ کر کچھ آزاد منش اور دین سے ناواقف مسلمان کھڑے ہوئے جنہیں حکومت کی سرپرستی حاصل تھی تو دارالعلوم دیوبند کی طرف سے سب سے پہلے اس احقر (قاری محمد طیب) ہی نے آواز اٹھائی اور دارالعلوم میں فضلاء دیوبند اور دانشوران ملک کا اجتماع بلایا، اور بالآخر اس اجتماع کی تجویز پر انہی فضلاء دیوبند نے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم کرکے اس کی ناکہ بندی کی، اور پرسنل لاء میں واسطہ بلا واسطہ مداخلتوں کی روک تھام کی، جس کی صدارت مہتمم دارالعلوم دیوبند کو دی گئی۔ اور آج بھی جمعیۃ العلماء ہند اور مدارس دینیہ کے علماء اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اس جدوجہد سے غافل نہیں ہیں۔ اس پر بھی پارٹی سسٹم کے تحت مسلمانوں کے حقوق جان ومال تلف کرنے کے لئے جمہوریت دشمن پارٹیاں کھڑی ہوئیں تو مسلم مجلس مشاورت انہی فضلاء دیوبند نے قائم کی جسے تمام مسلم پارٹیوں کا متحدہ فارم بنایا گیا جس کا موضوع ساری مسلم جماعتوں کو باہم ملا کر ان مظالم کے انسداد کی تدبیر سوچنا اور انہیں عمل میں لانا ہے، جس کی قیادت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب فاضل دیوبند ورکن مجلس شوری دارلعلوم کررہے ہیں۔ یہ سب کچھ ان فضلاء دیوبند ہی کے اقدامات ہیں جنھوں نے مسلمانوں بلکہ تمام اقلیتوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا اور ساتھ ہی درس وتدریس کے مشاغل بھی جاری رکھے۔ بہر حال یہ چند مثالیں بطور نمونہ کے پیش کی گئی ہیں، ورنہ فضلاء دیوبند کی ان سیاسی خدمات کی فہرست کافی طویل ہے جن کا پیش کرنا ان اوراق کا موضوع نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس ختم ہونے والی صدی میں علماء دیوبند نے باوجود محکومی کے سیاسیات میں جو حصہ لیا وہ اگرچہ مدافعانہ سیاست تھی مگر بہر حال سیاست تھی جس سے انھوں نے اپنی خود اختیاری کے جذبات کو مضمحل نہیں ہونے دیا اور اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ سب اقدامات

اور تحریکات بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کی تعلیم و تربیت اور اس کے ماحول کے اثرات ہیں جو شعوری یا غیر شعوری طور پر یہاں کے فضلاء کی طبائع میں راسخ ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم صرف تعلیم گاہ نہیں بلکہ تعلیمی حیثیت سے ایک جامع مکتب فکر کی درس گاہ ہے جس نے اپنے آغاز سے اپنے فضلاء میں خود اختیاری کی روح پھونکی ہے۔ 1

بہر حال علماء دیوبند کو دوسری دینی خدمات میں سبقت اور تقدم کے ساتھ جمہوری سیاست کے میدان میں اپنے دینی فریضہ ادا کرنے میں بھی ان کو سبقت حاصل ہے۔

اغر له فی کل حلبة سؤدد مساع الیٰ نیل المحامد سُبق

''ہر میدان میں ان کی سرداری اور قیادت روشن اور واضح ہے، اور وہ اچھے اور نیک کاموں کے حاصل کرنے کی جدوجہد میں سابق اور سب سے آگے ہیں''۔

اس میدان میں آنا اور علماء و مذہبی طبقات کو متوجہ اور فعال بنانا کی بنیادی رہنمائی اور قیادت اور کردار کے نام گرامی اور نام نامی امام العلماء حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ ہیں۔

اذا مدت الغایات فی السبق للعلیٰ

فانت ابنَ عبد الله اول سابق

''جب عالی کارناموں میں سبقت کے لئے نشانہ گاڑ دیا جاتا ہے، تو اے ابن عبداللہ! تم سب سے آگے ہوتے ہیں''۔

الا لمثلک او من انت سابقه ما کنت فی غاية الا سبقت

'' آپ جیسے لوگ اور آپ جب قیادت کرتے ہو، تو نشانہ اور مقصد میں آپ ہی سبقت کریں گے''۔

اور پھر اس پوری جمہوری جدوجہد اور جہاد کا سہرا سر ہونا مفکر اسلام فقیہ الامت

1 علماء دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج، قاری محمد طیب متوفی ۱۴۰۳ھ، ص۱۷۴...۱۷۶، ادارہ اسلامیات لاہور، ط ۱۴۰۸ھ

حضرت مولانا مفتی محمودؒ ہیں، انھوں نے پارلیمنٹ میں بھرپور جہاد کرتے ہوئے سیکولر اور باطل نظریات والوں سے اپنی بات منوا کر فتح اور غلبہ حاصل کیا۔

ماکنت فی غایہ الا سبقت ولا طال المدی بک الا زدت حسنا

''ہر نشانہ اور مقصد میں آپ ہی سبقت کر جاتے ہو، اور جتنا وقت اور عرصہ گزر جاتا ہے تیرے حسن اور یاد میں اضافہ ہوتا رہا ہے''۔

بہر حال اس میدان میں علماء دیوبند کو سبقت و امامت حاصل ہے، دوسری مذہبی جماعتیں اس جمہوری میدان عمل میں علماء دیوبند ہی کے نقش قدم پر چلنے والی ہیں اور انہی کے مقلد اور پیروکار ہیں، بعض جماعتیں مثلاً پاکستان میں جماعت اسلامی اور مصر میں اخوان المسلمین ابتدا میں جمہوریت اور انتخابات کے مخالف تھیں، لیکن جماعت اسلامی نے تو جلدی یوٹرن لے کر رجوع کیا، اور اخوان المسلمین نے بھی بالآخر ۲۰۰۸ء کے بعد مصر میں ہونے والے انتخابات میں حصہ لے کر مرسی کی قیادت میں بننے والی حکومت کا حصہ اور اتحادی جماعت رہی، اسی طرح پاکستان میں عام اہلحدیث کی جماعت تو پہلے سے جمہوری عمل میں شریک تھی، لیکن لشکر طیبہ (جماعت الدعوہ) کی جماعت اب تک اس عمل سے الگ اور اس کی مخالف تھی، تاہم اس جماعت نے بھی بالآخر ۲۰۱۸ء کے انتخابات میں حصہ لے کر اپنے عمل کا کفارہ ادا کیا۔ اس تمام تفصیل اور بحث سے واضح ہوگیا کہ علماء دیوبند نے اپنی خاص فراست کی بنا پر جو فیصلہ کیا تھا وہ درست اور صحیح تھا، اور اس سبقت اور تقدم پر ان کو ضرور فضیلت حاصل ہے۔

فقلت: الفضل للمتقدم

ایں سعادت بزور بازو نیست گر نہ بخشند خداء بخشندہ

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اجماع کی جو

تعریف فرمائی ہے، اس کے مطابق جمہوریت اور جمہوری جدوجہد کے درست ہونے پر ان سب مذہبی جماعتوں اور مسالک کا گویا اجماع قائم ہو گیا، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

معنی اجماع حکم خلیفہ است بچیزے بعد مشاورہ ذوی الرائی یا بغیر آں، ونفاذ آں حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم ممکّن گشت۔ 1

''اجماع کے معنی ہیں خلیفہ کا کسی چیز کا حکم دینا خواہ اہل الرائے کی مشاورت سے ہو یا ان کی مشاورت کے بغیر ہو، اور حکم کا نفاذ اس طور پر ہو کہ اس کا شائع ہونا اور شہرت پانا بھی حاصل ہو اور دنیا اور عالم میں قابل عمل اور قبولیت بھی حاصل ہو''۔

اس معنی کے اعتبار سے جمہوریت کے درست ہونے پر اجماع قائم ہونا اس لئے ہے کہ جمہوریت مسلمان حکمرانوں کا نافذ اور قائم کردہ حکم ہے جس کو تمام سیاسی مذہبی جماعتوں نے قبول کیا ہے۔ اب اگر کوئی اس کو تسلیم نہ کرتا ہو تو اس کو ''شرذمۃ قلیلۃ'' سمجھ کر سواد اعظم کے مقابلے میں اس کا قول شاذ ہونے کی بنا پر غیر معتبر ہو گا۔

بعض حضرات نے جمہوریت کی تردید میں کچھ اکابرین اور علماء کے ان اقوال کو بطور دلیل واستدلال پیش کیا جن میں جمہوریت کی نفی وانکار ہے، ان سب اقوال کو نقل کرنا اور پھر ان کا تجزیہ کرنے میں طوالت ہو سکتی ہے، اس لئے خلاصے کے طور پر عرض ہے کہ ان اکابرین نے جو بات کی ہے وہ خالص مغربی جمہوریت کے بارے میں، جس کا ہم بھی انکار اور نفی کرتے ہیں، اور یا انھوں نے جمہوریت کی خامیوں اور کمزوریوں کا تذکرہ کیا ہے جن کا ہمیں بھی اقرار اور احساس ہے، اور بحث مذکورہ میں ہم نے تفصیلا ان کی نشاندہی کی ہے۔

اکابرین کے اقوال میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول بھی نقل کیا گیا ہے جس میں انھوں نے جمہوریت کی تردید اور رد فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کا زمانہ پاکستان بننے سے پہلے کا ہے، ان کے زمانہ میں ہندوستان پر برطانیہ فرنگی کی حکومت

1 ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ المتوفی: ۱۱۷۶ھ، ج ا ص ۱۰۰، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

تھی اور جمہوریت بھی انہی کا رائج تھی، تو ظاہر یہی ہے کہ انھوں نے جو بات اور تردید فرمائی ہے وہ مغربی جمہوریت کے بارے میں ہے، ورنہ دوسری طرف مسلم لیگ نے جمہوری طور پر الگ مملکت کا جو مطالبہ اور جدوجہد کی ہے، حضرت حکیم الامتؒ نے اس کی پُرزور حمایت اور تائید فرمائی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مطلق جمہوریت کے مخالف نہیں تھے، بلکہ صرف مغربی جمہوریت کے مخالف تھے۔ اسی طرح اکابر کے اقوال کے زمرے اور ذیل میں حضرت مفتی نظام الدین شہیدؒ کا قول بھی نقل کیا گیا ہے جس میں انھوں نے جمہوریت کی کمزوری اور خامی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس کی وجہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کو مطلقا جمہوریت کا مخالف قرار دینا اس لئے درست نہیں ہے کہ ان کی سیاسی وابستگی جمعیت علماء اسلام کے ساتھ رہی ہے جو اسلامی نظریات کی حامل ایک جمہوری اور سیاسی مذہبی جماعت ہے، اور انھوں شہادت سے کچھ دن پہلے کراچی کی قومی اسمبلی کی ایک نشست اور سیٹ پر ضمنی انتخاب میں جمعیت علماء اسلام کے امیدوار قاری محمد عثمان صاحب کے انتخابی جلسے میں ووٹ اور انتخاب کی اہمیت پر بڑا پُرمغز اور دلیرانہ خطاب فرمایا تھا، جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ خود بھی جمہوری جدوجہد کے ایک سرگرم رہنما تھے۔

اسی طرح شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کے وہ اشعار نقل کے گئے ہیں جن میں انھوں نے جمہوریت کا تذکرہ طنزیہ اور انکاریہ الفاظ میں کیا ہے، لیکن اگر ان کی عملی زندگی اور جدوجہد کو دیکھا جاتا تو ان کے اس طرح کے اقوال سے کبھی بھی یہ نتیجہ اخذ نہ کیا جاتا کہ وہ جمہوریت کے مطلقا مخالف ہیں، اس لئے کہ وہ خود اسمبلی اور کونسل کے رکن رہے ہیں، اور جمہوریت کے پلیٹ فارم سے پاکستان بننے کے لئے جدوجہد فرمائی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے اس طرح کے اشعار اور اقوال خالص مغربی جمہوریت کے بارے میں ہیں۔ حضرت استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ان کے ایک قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جن معاملات میں شریعت نے کوئی واضح حکم دیا ہے وہاں

کثرت رائے کی بنیاد پر کوئی کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا، ایسی ہی کثرت رائے کے بارے میں اقبال مرحوم نے کہا تھا، کہ درمغز دوصد خر فکر انسانے نمی آید۔ ’’کہ دوسو گدھوں کے دماغ اور رائے ایک انسان کی فکر اور رائے کے برابر نہیں ہوسکتی‘‘۔ البتہ کثرت رائے اتنی بے حقیقت چیز بھی نہیں کہ شرعاً کسی بھی معاملے میں اس کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دو موقع ایسے ہیں جن میں کثرت رائے کو فی الجملہ معتبر قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک مباحات کے کئی راستے سامنے ہیں، اور ان میں سے کسی ایک راستے کو اختیار کرنا ہے، تو اس میں کثرت رائے کو مرجح قرار دیا جاسکتا ہے، یعنی اُس راستے کو اختیار کیا جاسکتا ہے جس کی طرف آراء کی کثرت ہو...دوسرے امور مجتہد فیہا میں بھی (یعنی ایسے معاملات میں جہاں مجتہدین کی آراء قرآن وسنت کی تشریح کے سلسلے میں مختلف ہوں، وہاں بھی) بعض اوقات کثرت رائے ایک وجہ ترجیح بن سکتی ہے۔ یعنی جس طرف زیادہ فقہاء گئے ہیں اس کو راجح سمجھا جائے...ان وجوہ سے مجلس شوری کے دستور میں یہ بات طے کی جاسکتی ہے کہ مباحات کے دائرے میں جہاں اختلاف ہو وہاں پر کثرت رائے پر عمل کیا جائے گا۔ 1

بہر حال علماء دیوبند نے جمہوریت کے میدان میں عملی جدجہد میں ’’سابقین‘‘ کا وصف پاتے ہوئے اپنا فریضہ احسن طور پر نبھایا ہے، اور یہ ان کی عظیم بصیرت اور فراست تھی کہ وقت کے تقاضا کو سامنے رکھتے ہوئے باطل کے مقابلے اور ’’**افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر**‘‘ کے فریضہ ادا کرنے کے لئے لومۃ لائم اور دوسروں کے اعتراضات اور اپنوں کے طعنوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے جمہوری اور پارلیمانی سیاست کے میدان میں کود پڑیں، وللہ الحمد علیٰ ذلک۔

موجودہ جمہوری اور پارلیمانی سیاست میں قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب۔ حفظہ اللہ واطال اللہ عمرہ۔ کا جو کردار اور سیاسی بصیرت ہے ہر سمجھدار شخص کو

1 اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۲۶۳...۲۶۵، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

اس کا احساس اور اقرار ہے، ہاں! حسد اور ضد کی وجہ سے کوئی اس کا اقرار نہ کرے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

فبدت بصيرته لمن يبغي الهدى　　واصاب حر شديده حساده

''ہدایت کے تلاش والوں کے لئے اس کی بصیرت بالکل ظاہر اور عیاں ہوگئی، جبکہ اس کے حاسدین کو گرم اور پسینا چھوٹنے والی بڑی تکلیف محسوس ہوئی''۔

حسدوا الفتى اذا لم ينالوا سعيه　　فالقوم له اعداء وخصوم

''جب لوگ کسی شخص اور جوان جیسے کارنامے سرانجام نہ دے سکے، تو پھر ضرور یہ لوگ اس کے دشمن اور خصم بنتے ہیں''۔

ولو انصف الحساد يوما تأملوا　　مساعيک هل كنت بغيرک اليقا

''اگر حاسدین انصاف سے کام لیتے ہوئے ایک دن بھی آپ کے کارناموں میں غور وفکر کرتے، تو سمجھ جاتے کہ ان کارناموں کے سرانجام دینے کے لائق آپ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا''۔

ان العرانين تلقاها محسدة　　ولا ترى للئام الناس حسادا

كم حاسد قد رامِ سعيهم　　ولا نال مثل مساعهم ولا كادا

''اور معزز وشریف لوگوں کے ساتھ حسد کرنے والے آپ پائیں گے، حقیر اور کمینہ لوگوں کے ساتھ حسد کرنے والے آپ کو نہیں ملیں گے۔ بہت سے حاسدین نے ان جیسے کارناموں کے سرانجام دینے کی کوشش کی، تو وہ ان جیسے کارناموں اور عزت کو حاصل نہیں کر پاسکے، بلکہ قریب بھی نہیں پہنچ سکے''۔

۸......طالبان کی حکومت امارت اسلامیہ افغانستان اور جمہوریت

۱۹۹۴ء کے بعد افغانستان میں مجاہدین طالبان کی جو ایک مثالی اسلامی حکومت

امارت اسلامیہ افغانستان قائم ہوئی تھی، وہ خلافت، ملوکیت اور جمہوریت کی ملی جلی ہوئی حکومت تھی۔ سب سے پہلے اگر اس کے انعقاد اور قیام کو دیکھا جائے، اگر چہ اس کا قیام انتخابات اور ووٹ سے نہیں ہوا تھا، لیکن ساتھ تو اس کا قیام نہ شوری کی بنا پر تھا اور نہ اہل حل وعقد کے اتفاق کی وجہ سے اس کا قیام عمل میں آیا تھا، بلکہ تسلط اور غلبہ کی بنا پر اس کا قیام عمل میں آیا تھا، جو ملوکیت کی ایک صورت ہے۔

اس کے علاوہ وہ کئی اعتبار سے جمہوری حکومت تھی: (الف) حکومت کا سربراہ صدر اعظم تھا، صدر اور وزیر اعظم کا عہدہ خلافت میں نہیں ہے، بلکہ یہ جمہوریت یا ملوکیت کی پیداوار ہے۔ (ب) اتھارٹی اور اختیارات امیر المؤمنین کے پاس تھے، لیکن انتظامی سربراہ صدر اعظم تھا، اور یہ جمہوریت کی ایک قسم ہے جو ایران میں قائم ہے، کہ وہاں پر سپر اختیارات خمینی یا اس کے جانشین کے پاس ہوتے ہیں اور منتظم اور سربراہ حکومت منتخب صدر ہوتا ہے، جبکہ خلافت میں خلیفہ منتظم اور سربراہ بھی ہوتا ہے اور اختیارات کا منبع بھی ہوتا ہے۔ (ج) مستقل طور پر وزارت داخلہ، وزارت خارجہ اور وزارت اطلاعات ونشریات وغیرہ کا قیام جو جمہوریت کا کرشمہ اور پیداوار ہے، خلافت میں اس طرح کی مستقل وزارتیں ہمیں نظر نہیں آتی ہیں۔

پاکستان کی بعض وہ چھوٹی اور وقتی جماعتیں اور جذباتی افراد جو جمہوریت کی شدید مخالفت کرتے ہیں، وہ جمہوریت کو صرف انتخابات تک محدود اور اس میں منحصر سمجھتے ہیں، انتخابات کے علاوہ بہت سے عملیات میں وہ خود جمہوریت پر عمل پیرا اور کاربند ہیں۔ مثلا ملاکنڈ ڈویژن میں مولانا صوفی محمد صاحب کی قائم کردہ جماعت نفاذ شریعت محمدی جو انتخابی عمل اور جمہوریت کو کفر اور باطل سے تعبیر کرتی ہے، اور پُرامن طریقے اور غیر مسلح طور پر نفاذ شریعت کا مطالبہ کرتی رہی، اس کے لئے اس نے جلوس جلسے کئے اور کئی روز تک روڈ بلاک

کیا تھا کیا یہ احتجاج اور روڈ بلاک کرنا جمہوریت ہی کا حصہ نہیں ہے؟۔ جب باجوڑ ڈمہ ڈولہ میں ایک مدرسے پر امریکہ حملہ اور ڈرون سے کئی طلباء اور بچے شہید ہو گئے تھے، تو اس کے جواب میں تحریک طالبان پاکستان اور دوسری جماعتوں نے مشترکہ طور پر ایک بڑے مظاہرے اور بازار کاروبار بند رکھنے کا اعلان کیا تھا، تو اس وقت تحریک طالبان پاکستان باجوڑ کے ایک رہنما جو نفاذ شریعت محمدی کا بھی ایک اہم رہنما رہ چکا تھا، سے ملاقات کے دوران جمہوریت کے موضوع پر گفتگو ہوئی، تو بندہ نے ان سے یہی سوال کیا کہ کیا غزوہ احد وغیرہ کے شہداء پر اس طرح کے مظاہرے، احتجاج اور بازار بند ہونے کی کوئی مثال ہے؟ یقیناً اس وقت اس سوال کی وجہ سے اس پر پریشانی کی کیفیت کے جو آثار ظاہر ہو گئے تھے، وہ دیکھنے کے قابل تھے، ان سے کوئی جواب نہیں بن رہا تھا، کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ سب کچھ تو جمہوریت کے آثار اور عملیات ہیں، خلافت میں ان کی مثال اور نظیر و نمونہ نہیں ملتا ہے۔

اسی طرح ہر جماعت اور تنظیم کی جو کابینہ اور ڈھانچا ہوتا ہے اس میں امیر، جنرل سیکرٹری، سیکرٹری اطلاعات اور مختلف عہدوں کی تقسیم، مرکز اور صوبہ سے لیکر ضلع، تحصیل اور یونٹ تک ان عہدوں کا قیام، اخبارات میں اپنی جماعت کی خبروں کو نشر کرنا اور ان خبروں کو پڑھنا و سننا یہ سب کچھ جمہوریت کی پیداوار اور ایجاد کا نتیجہ ہے، جو جمہوری جماعتیں اور غیر جمہوری جماعتیں فرق مراتب کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہیں۔

بہر حال جمہوریت صرف انتخابات اور ووٹ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کا دائرہ وسیع ہے اور اس اعتبار سے ہر تنظیم کسی نہ کسی حد تک جمہوریت کے داعی اور حامل ہے، لہذا ہر تنظیم کے عہدیداروں اور ارا کین کو چاہیئے کہ دوسری جماعتوں پر الزام لگانے اور گریبان پکڑنے سے پہلے اچھی طرح اپنے گریبان میں جھانکیں، کہ جس چیز اور وجہ سے ہم دوسروں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں کہیں خود اس کا شکار تو نہیں ہیں۔

۹......جمہوریت اور جہاد

علماء دیو بند جو اپنے وقت کے بڑے مجاہد، اسلام اور ختم نبوت کے بڑے داعی، باطل کے لئے ہمیشہ سد سکندر، قرآن وحدیث کے صحیح شارحین، صحابہ کرامؓ کے صحیح پیروکار، اسلاف اور خصوصا امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اور میدان سیاست کے شہسوار ہیں اور رہے ہیں، ان سب خصوصیات کے ساتھ وہ جمہوری سیاست کے میدان میں بھی مصروف عمل ہیں، ان کی یہ جدو جہد اور سیاست بھی جہاد کا ایک حصہ ہے، اس کو جہاد کا حصہ نہ سمجھنا درست نہیں، یہ بات درست ہے کہ قتال جہاد کا اعلی درجہ اور حصہ ہے، لیکن جہاد قتال میں منحصر اور اس کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس کی تائید میں ہم چند اکابر کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں: ''یاد رہے کہ جہاد کی حقیقت کی نسبت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ہیں، مخالفین اسلام بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان ومقدس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کر دینا ہے۔ جہاد کے معنی کمال درجہ کوشش کو کرنے کے ہیں، قرآن وسنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ کی سعی وکوشش کو جو ذاتی اعراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہوتی ہے، مال سے بھی، انفاق وقت وعمر سے، محنت وتکالیف برداشت کرنے سے بھی اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھی۔ جس سعی کی بھی ضرورت ہو اور جو سعی جس کے امکان میں ہو اس پر فرض ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغت وشرع دونوں اعتبار سے یہ بات داخل نہیں ہے کہ جہاد سے مقصود مجرد لڑائی ہی ہو، اگر ایسا ہوتا تو جہاد کا اطلاق اعمال قلبی ولسانی پر نہ ہوتا''۔ 1

---

1 مسئلہ خلافت، مولانا ابوالکلام آزاد متوفی ۱۹۵۸ء، ص ۱۵۹، مکتبہ جمال لاہور، ط ۲۰۰۶ء

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں: ''اس سلسلہ میں یہ بات بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ جہاد صرف قتل وقتال ہی کا نام نہیں ہے گو وہ اس کا اعلیٰ فرد ہے، بلکہ ہر وہ سعی جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی قوۃ وغلبہ کے لئے ہو وہ سب ہی جہاد میں داخل ہے، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینے کو افضل جہاد ارشاد فرمایا ہے۔ لہذا جو سعی بھی اس سلسلہ میں ہوگی وہ سب ہی جہاد کے تحت داخل ہے''۔ 1

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے فرمایا: ''موجودہ احوال وظروف میں اس ملک کے اندر جمعیۃ علماء ہند دین کی غرض سے جو طریق عمل اور حکمت عملی اختیار کرتی ہے، وہ جہاد فی سبیل اللہ کی عملی شکل ہوتی ہے اور جو مسلمان جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد میں عملاً حصہ لیتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے، اور جو لوگ مال وزر سے جمعیۃ علماء ہند کی اعانت وامداد کرتے ہیں وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے شریک معاون ہیں''۔ 2

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے فرمایا: ''یہاں دو چیزیں ہیں: ایک تو یہ ہے خدا کی راہ میں دشمنان اسلام سے قتال کرنا، عامۃً اسی کو جہاد کہا جاتا ہے، اس کی فضیلتیں مستقل ہیں اور وہ بہت ہی اعلیٰ ہیں۔ دوسری چیز ہے خدا کے دین کے لئے کوشش کرنا اگرچہ اس میں قتال کی نوبت نہ آئے، قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جہاد ہے''۔ 3

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: ''صرف جنگ کا نام جہاد نہیں، جنگ کو قتال کہتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پیش آتا ہے، جہاد کے معنی ہیں اعلاء کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا، یہ

1 الاعتدال فی مراتب الرجال (اسلامی سیاست) شیخ الحدیث محمد زکریا متوفی ۱۹۸۲ء، ص ۵۹، اتحاد بک ڈپو دیوبند، ط ن 2 جمعیۃ العلماء کیا ہے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۲، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن 3 فتاوی محمودیہ، مفتی محمود حسن گنگوہی متوفی ۱۹۹۶ء، باب التبلیغ، ج ۴ ص ۳۰۹، ۳۱۰، ادارۃ الفاروق کراچی

مدت دراز تک باقی رہتا ہے اور اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ یہ غلط فہمی ہے کہ قتال ہی کا نام جہاد رکھا ہے، اور ان کوششوں کو جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لوگ کرتے ہیں عبث قرار دیا جاتا ہے''۔ 1

استاذ محترم حضرت مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ مدظلہ فرماتے ہیں: ''سب سے پہلے یہ بات واضح کرنی ضروری ہے کہ لفظ جہاد ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، اس کا ایک حصہ قتال ہے جو اللہ کی رضا، کلمۃ اللہ کی بلندی، فتنہ وفساد اور ظلم کی سرکوبی اور دفاع کے لئے کیا جائے۔ اب کبھی تو جہاد ہوتا ہے بغیر قتال اور لڑائی کے، اور کبھی قتال ہوتا ہے بغیر جہاد کے، اور کبھی قتال بھی جہاد ہوا کرتا ہے''۔ 2

استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی غیر مسلح جد وجہد کو جہاد میں داخل سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں: جن طاقتوں سے اسلام اور مسلمانوں کو خطرہ ہو، جو اسلام اور مسلمانوں سے عناد اور دشمنی پر آمادہ ہوں، جنھوں نے مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا ہو، جو اسلامی دعوت کے راستے میں رکاوٹیں ڈالتی ہوں، یا وہ عمومی طور پر زمین میں فساد برپا کررہی ہوں، اُنکے ساتھ ایک صحیح اسلامی ریاست کو جہاد کا حکم ہے، جس میں مسلح اور غیر مسلح دونوں قسم کی جد وجہد داخل ہے۔ 3

قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب جہاد کے بارے میں فرماتے ہیں: جہاد کوئی محدود اصطلاح نہیں ہے، اس کے وسیع معانی ہیں۔ اسلام کے لئے، امت مسلمہ کے لئے جس قسم کا آپ کو ماحول ملتا ہے، اور اس حالت میں آپ جس انداز سے، اور جس قدر کوشش کرتے ہیں، یہ بھی جہاد ہے۔ لہذا اس وقت ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام، پاکستان اور

1 تاریخ دعوت وعزیمت، مولانا سید ابوالحسن ندوی متوفی ۱۹۹۹ء، ج ۵ ص ۵۶، مجلس نشریات اسلام کراچی، ط ن 2 دعوت وجہاد، مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ، ص ۴۷، مکتبہ شیخ الہند صوابی، ط ۲۰۱۴ء
3 اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی ص ۳۵۲، ۳۵۳، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

امت مسلمہ کا مفاد اس میں ہے پاکستان کو پُر امن رکھا جائے، اور یہی ہماری حکمت عملی اور یہی ہمارا جہاد ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جہاد تلوار سے کیا جائے، ہر چیز کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے، جیسے نماز کے اوقات ہیں، ایسے اعمال کے بھی اوقات ومراحل ہیں۔ ہر زمانے میں اس عہد کے تقاضوں اور حالات کو سامنے رکھ کر حکمت وتدبر سے اپنی راہ نکالی جاتی ہے، اور یہی اصل جہاد ہے۔ 1

علماء ہند نے الیکشن کے بارے میں جو مجموعہ مقالات مرتب کیا ہے، اس میں الیکشن کو جہاد قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: الیکشن موجودہ زمانہ کا جہاد ہے، جس طرح پہلے زمانے میں طاقت کا فیصلہ تلواروں سے ہوتا تھا اور آج بھی بندوقوں، توپوں، ٹینکوں، میزائلوں اور بمبار جہاد کا بہت اثر ہے، مگر آج کے زمانے میں ہتھیاروں کے ذریعے بہت دنوں دنوں تک حکومت نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کے لئے عوامی حمایت یا دوسرے لفظوں میں عوامی گواہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے، اگر الیکشن کا مقصد بھی اعلائے کلمۃ اللہ ہوجائے، تو الیکشن بھی جہاد بن جائے گا اور چونکہ الیکشن جہاد کی ایک شکل ہے، لہذا جو احکام جہاد کے ہیں وہی احکام الیکشن کے ہوں گے۔ 2

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم . (الانفال: ٦٠)

''دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے جس قدر بھی ہوسکے سامان تیار رکھو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے، جن کے ذریعہ سے تم اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں پر خوف طاری رکھتے رہو''

1 مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۲ ص ۴۳۲، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

2 الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص ۳۳۲، ایفا پبلکیشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

اس آیت کریمہ میں ''قوۃ'' کا لفظ جامع ہے جو ان تمام قوتوں کو شامل ہے جو نتائج اور فیصلوں پر اثر انداز ہو سکیں۔ یہ طاقت فوجی بھی ہو سکتی ہے، اسلحہ اور ساز و سامان کی بھی اور علم و دانش کی قوت بھی ہو سکتی ہے۔ بالیقین جمہوری ممالک میں ووٹ کی قوت دشمنوں کے عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے بہت اہم طاقت ہے، اسے ہر حال میں استعمال کرنا چاہئے۔ 1

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سیاست شرعی اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد و سعی کرنا بھی جہاد کا حصہ ہے، تو سیاست کو جہاد سمجھ کر جہادی تنظیموں کو مذہبی جماعتوں کی تائید اور ساتھ دینا چاہیے۔

۱۰......تنبیہات

تنبیہ اول: جہاد و قتال کی ضرورت

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ غیر مسلح جدوجہد جہاد کا حصہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ مسلح جہاد و قتال کو بالکل فراموش کیا جائے، اور یا اس کا مرتبہ کم سمجھا جائے، قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں فی سبیل اللہ اور جہاد کے فضائل مذکور ہیں، وہ دراصل قتال ہی کے بارے میں ہے، بقیہ دوسرے اعمال ضمناً اور تبعاً ان فضائل کا مصداق ہو سکتے ہیں، لہذا ایک مسلمان جہاد و قتال کے فضائل سے انکار نہیں کر سکتا ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جہاد و قتال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ایک خاص الخاص خصوصیت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: لہذا احروبے کہ بامر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقع شد مظنّہ ءنزول برکات عظیمہ بر حاضرین واقعہ گشت، یک ساعت حضور دراں مشاہد خیر کار ریاضت صد سالہ میکند در تہذیب باطن، لہذا در شریعت ما ثواب جہاد بالاترین ثواب سائر قربات است، وفضل اہل بدر و احد و حدیبیہ محقق و مقرر... وآں وضع ظہور دین ایشاں

1 الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص ۲۹، ۳۰، ۲۷، ایفا پبلکشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

است بر ادیان ہمہ آں در ضمن کبت حامیان ادیان وداعیان آنہا بقتل وسبی ونہب واخذ خراج وجزیہ وازالہ دولت وشوکت ایشاں و پایمال و بے مقدار ساختن، وایں وضع خاص در اصل بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملفوف شد، وبعث آنجناب متضمن آنصورت گشت۔ 1

''جولڑائیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور حکم سے ہوئی ہیں شرکت کرنے والوں کے لئے یہ لڑائیاں باعث رحمت عظیمہ تھیں، ان میں ایک ساعت کی شرکت اور حاضری باطن کی صفائی اور تزکیہ کے لئے سو سال کی ریاضت وعبادت کا کام کرتی ہے، اس لئے ہماری شریعت میں جہاد کا ثواب تمام اعمال کے ثواب سے زیادہ ہے، اہل بدر واحد اور حدیبیہ والوں کی فضیلت ثابت شدہ ہے...اور دین کا یہ خاص طریقہ (یعنی جہاد وقتال) دوسرے ادیان پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ ان دوسرے ادیان کے حامیوں اور داعیوں کو ذلیل کیا جائے قتل اور قید کی صورت میں، ان کے مال چھین لینے کی صورت میں، خراج اور جزیہ وصول کرنے کی صورت میں، ان کی حکومت اور شوکت ورعب کو اس طرح ختم کرنے کی صورت میں کہ اس سے وہ حامیان بالکل پایمال اور بے قدر ہوں۔ یہ خاص وضع وطریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کے ساتھ لپٹا ہوا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس خاص طریقے (قتال) کو متضمن تھی''۔

اسی طرح یہ خیال اور نظریہ رکھنا کہ اسلام کی اشاعت اخلاق کردار اور دعوت وتبلیغ سے ہوئی ہے، کسی حد تک درست ہے، لیکن اشاعت اسلام کو صرف ان اسباب تک منحصر سمجھنا اور اس بارے میں جہاد کو نظر انداز کرنا درست نہیں ہے، امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جہاد کو اشاعت اسلام کا بڑا ذریعہ قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

اعلم ان اتم الشرائع واکمل النوامیس ھو الشرع الذی یؤمر فیه الجھاد، وذٰلک لان تکلیف اللہ عبادہ بما امر ونھی مثله کمثل رجل

1 ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ المتوفی: ۱۱۷۶ھ، ج ۱ ص ۱۷۱، ۱۷۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

مرض عبيده، فأمر رجلا من خاصتهم ان يسقيهم دواء، فلو انه قهرهم على شرب الدواء واوجره فى افواههم لكان حقا، لكن الرحمة اقتضت ان يبين لهم فوائد الدواء ليشربوا على رغبة فيه، وان يخلط معه العسل ليتعاضد فيه الرغبة الطبعية والعقلية. ثم ان كثيرا من الناس يغلب عليهم الشهوات الدنية والاخلاق السبعية ووساوس الشيطان فى حب الرياسات، ويلصق بقلوبهم رسوم آبائهم، فلا يسمعون تلك الفوائد ولا يذعنون لما يأمر به النبى صلى الله عليه وسلم ، ولا يتأملون فى حسنة، فليست الرحمة فى حق اولٰئک ان يقتصر على اثبات الحجة، بل الرحمة فى حقهم ان يقهروا ليدخل الايمان عليهم على رغم انفهم بمنزلة ايجاد المر، ولا قهر الا بقتل من لهم بكناية شديدة وتمنع قوى، أو تفريق منعهم وسلب اموالهم حتى يصيروا لايقدرون على شىء، فعند ذٰلک يدخل اتباعهم وذراريهم فى الايمان برغبة وطوع... فجاهدهم النبى صلى الله عليه وسلم وقتل اشدهم بطشا واحدهم نفسا حتى ظهر امر الله، وانقادوا له فصاروا بعد ذٰلک من اهل الاحسان واستقامت امورهم، فلو لم يكن فى الشريعة جهاد اُولٰئک لم يحصل اللطف فى حقهم. 1

''جان لیجئے کہ شرائع اور قوانین میں سے کامل اور تام شریعت وہ ہے جس میں جہاد کا حکم ہو، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو امر و نہی کا مکلّف بنانا ایسا ہے جیسا کوئی ایسا شخص ہو جس کے غلام بیمار ہوں، اور یہ اپنے کسی خاص متعلق کو ان کو دواء پلانے پر مامور کرے، تو اس متعلق کو اگر چہ یہ بھی حق ہے کہ ان کو مجبور کر کے زبردستی ان کے منہ میں دواء ڈالدے، لیکن شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو پہلے دواء کے فوائد سمجھا دے، تاکہ دواء کو شوق

1 حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ، الجہاد، ج ۲ ص ۲۶۳، ۲۶۴، دار الجیل بیروت، ط ۱۴۲۶ھ

سے پئیں، اور ساتھ طبعی اور عقلی رغبت پیدا کرنے کے لئے اس دواء میں شہد بھی ملائے۔ اس کے باجود بہت سے لوگ ایسے ہیں جن پر گھٹیا شہوات، درندوں کی صفات اور حب جاہ کے متعلق وساوس شیطانیہ کا غلبہ ہوتا ہے، اور ان کے دلوں میں ابائی رسوم پیوست ہو چکے ہوتے ہیں تو اس وجہ سے وہ دواء کے فوائد کو نہیں سنتے ہیں، اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور دین کو تسلیم کرتے ہیں، اور نہ کسی نیکی اور نیک کام کے بارے میں غور وفکر رتے ہیں، تو ان کے حق میں صرف دلیل کے اثبات اور پیش کرنے پر اکتفاء نہیں کرنے چاہیے، بلکہ ان کے حق میں شفقت یہ ہے کہ مریض کو کڑوی دواء پلانے کی طرح زبردستی ان کو ایمان لانے پر مجبور کیا جائے، اور ان کو مجبور اور مغلوب کا طریقہ یہی ہے کہ ان کو قوت کے ساتھ قتل کر کے کچل دیا جائے، اور یا ان کی قوت اور جماعت کو منتشر کیا جائے اور ان کے اموال کو سلب کیا جائے، تا کہ ان کی حالت ایسی ہو جائے کہ وہ کسی چیز پر قادر نہ ہوں، تو ایسی صورت حال میں ان کے متبعین اور اولاد کے دلوں میں ایمان داخل ہو جائے گا.... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور دوسرے کفار کے ساتھ زبردست جہاد کیا اور دن کے غالب آنے تک ان کو بڑی سختی اور تیزی کے ساتھ قتل کیا، اور پھر انھوں نے تابعداری اختیار کرتے ہوئے اہل احسان میں سے بن گئے، اور ان کے معاملات درست ہو گئے، پس اگر شریعت میں ان کے ساتھ جہاد کا حکم نہ ہوتا تو ان کے حق میں شفقت اور مہربانی حاصل نہ ہوتی''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اسلام میں سیاست اور جہاد کی ضرورت واہمیت اور ان کا آپس میں ربط کے متعلق بڑا جامع ارشاد فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''وہ مذہب کامل نہیں جس میں سیاست نہ ہو، اور وہ سیاست ہی نہیں جس کے ساتھ تلوار نہ ہو''۔ 1

---

1 سیرۃ خاتم الانبیاء، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۴، اشرفی کتب خانہ کراچی، ط ن

علماءِ دیوبند کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے سیاست بھی کی، جمہوریت میں حصہ لیا اور جہاد کے میدان میں بھی صف اول کے قائدین اور کمانڈر رہے، ان کی تاریخ پڑھنے سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور جہاد ان ہی کی مرہون منت ہے، تحریک ختم نبوت، تحریک آزادی، تحریک پاکستان اور پارلیمانی سیاست و جمہوریت میں ان کا کردار بھی بڑا واضح ہے۔ پاکستان میں جمعیت علماء اسلام علماءِ دیوبند کی حقیقی جماعت ہے جس کی بڑی دلیل پشاور میں جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ''خدمات دار العلوم دیوبند'' اور ''صد سالہ'' کانفرنسوں میں دار العلوم دیوبند کے مہتممین حضرات کی بھرپور وفد کے ساتھ شرکت اور دار العلوم دیوبند اور دہلی کانفرنسوں میں بطور مہمان خصوصی قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی شرکت اور خطاب ہے، جمعیت علماء اسلام جو ایک بڑی مذہبی سیاسی جمہوری جماعت ہے، میدان سیاست اور پارلیمنٹ میں واضح کردار ادا کرنے کے ساتھ ہمیشہ صحیح جہاد کی حمایت کرنے کے ساتھ جہاد اور حریت کی جدوجہد کے حق میں اس نے بھرپور آواز اٹھائی ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ افغانستان پر روسی حملے اور یلغار کے خلاف جہاد کے بارے میں سب سے پہلا فتوی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے دیا تھا، اسی طرح افغانستان پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف جہاد اور تحریک کے حق میں بحیثیت جماعت صرف جمعیت علماء اسلام ہی نے نہ صرف حمایت کی، بلکہ قائد ملت اسلامیہ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے حکم اور اعلان پر امریکہ کی جارحیت کے خلاف ملک کے طول و عرض میں بڑے اجتماعات منعقد کئے گئے۔

تنبیہ دوم: مسلمان کا قتل ایک سنگین گناہ

جہاد کی فضیلت اپنی جگہ ایک مسلّم بات ہے، لیکن ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جہاد کے نام پر کسی مسلمان یا بے گناہ فرد کو ناحق قتل نہ کیا جائے، ایک روایت میں ہے کہا

کہ ایک مسلمان کو قتل کرنے کی بنسبت دنیا کا مٹ جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں ہلکا اور کم تر ہے۔ 1

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک دفعہ کعبہ شریفہ کی طرف نظر کرتے ہوئے فرمایا: کہ آپ کی بڑی عظمت اور حرمت ہے، لیکن ایک مسلمان کی حرمت اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ سے زیادہ ہے۔ 2

اسی طرح ایک غیر مسلم معاہد کو قتل کرنے والا قیامت کے دن جنت کی خوشبو کو نہیں پا سکے گا، حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت دور محسوس ہوتی ہے۔ 3

اس لئے اس بارے میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے، ایسا نہ ہو کہ جہاد کے نام سے کسی کا ناحق خون بہایا جائے، جب تک مستند مفتیان عظام اور فقہائے کرام جہاد کا فتوی نہ دیں اس وقت تک جہاد و قتال نہ کیا جائے۔

الحاصل: جمہوریت اور جہاد میں کوئی تضاد اور تعارض نہیں ہے، ہندوستان میں امام المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ کی امارت میں جہاد کی سب سے بڑی تحریک چلی ہے، ان کی تحریک اور جہاد کے مقاصد کو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ان مقاصد میں سے کچھ مقاصد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں: اس تحریک کا مقصد دنیاوی مفاد، ملک گیری، خود غرضی، عہدوں اور منصبوں کو حاصل کرنا، کسی قوم کو غلام بنانا، ان کی دولت اور ذرائع کو ہتھیانا ہرگز نہ تھا بلکہ محض خدا کی ہندوستانی عام مخلوق کو یورپین سپید بھیڑیوں اور ان کے حلفا کی لوٹ مار،

1 جامع الترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ابواب الدیات، باب ما جاء فی تشدید قتل المؤمن، ج ۱ ص ۲۵۹، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن 2 جامع الترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی تعظیم المؤمن، ج ۲ ص ۲۳، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

3 جامع الترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، ابواب الدیات، باب ما جاء فی من یقتل نفسا معاھدا، ج ۱ ص ۲۵۹، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

چیر پھاڑ، تذلیل وتوہین وغیرہ سے بچانا تھا جو کہ اعلاء کلمۃ اللہ کا عظیم ترین مقصد ہے۔ عدل وانصاف، امن وامان، انسانی ہمدردی، غربا پروری، کمزوروں کی امداد اسی مقصد اعلی کے پھل پھول اور شاخیں ہیں۔ یہ تحریک شخصی یا کسی فرقہ کی حکومت، فسطائیت کے لئے عمل میں نہیں لائی گئی تھی بلکہ حقیقی جمہوریت اس کا مطمح نظر تھا۔ پھر کچھ صفحات آگے فرماتے ہیں: اس جماعت کا مقصد غیر وطنیوں کو نکالنا اور ہندوستان میں جمہوری حکومت قائم کرنا تھا۔ 1

اس باب کے آخر میں مختصر طور پر ان تین باتوں کو بھی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے:

ایک یہ کہ اگر کوئی سوال کرے کہ جمہوریت اسلام کے لئے مفید ہے یا نقصان دہ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مثال اسلحہ کی ہے، کہ وہ نیک صالح آدمی کے ہاتھ میں ہو تو جہاد اور صحیح جگہ استعمال کر کے مفید ہوگا، اور اگر غلط آدمی کے ہاتھ میں آئے تو قتل اور ڈاکہ میں استعمال کر کے نقصان دہ ہوگا، اسی طرح جمہوریت اگر عالم اور دین دار کے ہاتھ میں آئے تو مفید ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ یہاں پر انگریز نے دوسو سال حکومت کی ہے، اس کے بعد پاکستان میں اسلام جمہوریت کے ذریعہ بہتری کی طرف گامزن ہے، نہ کہ بدتری کی طرف۔

تیسری بات یہ کہ بعض چیزیں منصوص ہونے کے باوجود وقت کے گزرنے کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی ہے، جیسا کہ جہاد کے لئے گھوڑوں اور تیروں کا نص میں ذکر ہے، لیکن اب دوسری قسم کا اسلحہ جہاد میں استعمال ہوتا ہے۔

نقش حیات، مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷ء، ج ۲ ص ۴۲۳، ۴۴۷، دارالاشاعت کراچی، ط ن

باب سوم: انتخابات

۱......ووٹ اور انتخاب/ ووٹ کے معنی ومطلب

ووٹ انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: رائے اور رائے دہی۔ عربی زبان میں اس کے لئے تصویت کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس کا لفظی معنی آواز دینا ہے، از روئے قانون متعدد امیدواروں میں سے کسی ایک کے حق میں مخصوص طریقے پر اپنی رائے کا اظہار کرنے کو کہلاتا ہے۔ اور اس ووٹ کے پورے عمل کو الیکشن (انتخاب) کہا جاتا ہے۔ تو ووٹنگ ایک ایسا اجتماعی عمل ہے جس میں شہری اپنا ووٹ بند بکسوں میں ڈال کر کسی عمومی معاملے میں یا قانون ساز مجالس کے لئے نمائندوں کے انتخاب کے سلسلے میں اپنی رائے دیتے ہیں۔ ❶

۲......ووٹ کی شرعی حیثیت

علماء کرام اور مفتیان عظام نے ووٹ اور انتخاب کے بارے میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے پانچ اعتبار سے اس کی شرعی حیثیت کو بیان کیا ہے:

۱......شہادت: اس کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، ووٹر جس امیدوار کو ووٹ دیتا ہے وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ امیدوار دیانت وامانت کے ساتھ اس عہدہ کی قابلیت رکھتا ہے۔ اگر واقع میں وہ شخص قابلیت نہ رکھتا ہو اور ووٹ دینے دینے والا جاننے کے باوجود اس کو ووٹ دیتا ہے تو یہ ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے، اور بخاری شریف کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی شہادت کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار فرمایا ہے۔ ❷

❶ الیکشن کے شرعی احکام، مجموع مقالات، ص ۴۸۵، ۵۱۱، ایفا پبلکشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

❷ صحیح البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، کتاب الشہادات، باب ما قیل فی شہادۃ الزور، ج ۳ ص ۱۷۱، مکتبہ دار طوق النجاۃ، ط ن

۲......سفارش: دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر عہدے اور نمائندگی کے لئے اس ممبر کی سفارش کرتا ہے کہ فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے۔اور سفارش کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

من یشفع شفاعة حسنة یکن له نصیب منها و من یشفع شفاعة سیئة یکن کفل منها. (النساء:۸۵) ''جو شخص اچھی سفارش کرے گا اس کو اس کا حصہ اور ثواب ملے گا، اور جو شخص بری سفارش کرے گا اس کو اس کا وبال ملے گا''۔

۳......وکالت: ووٹ کی تیسری حیثیت وکالت کی ہے، کہ ووٹ دینے والا امیدوار کو امور انجام دہی میں اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے۔ ❶

۴......مشورہ: ووٹ کی چوتھی حیثیت مشورہ کی ہے، گویا الیکشن کمیشن اور عبوری حکومت کی طرف سے لوگوں سے اپنے اپنے حلقہ سے حکومت کی تشکیل اور ممبر کے منتخب کرنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا جاتا ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعے اپنے نزدیک اس منصب کی صلاحیت رکھنے والے شخص کی نشاندہی کریں۔اور حدیث شریف میں ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار سمجھا جاتا ہے۔ ❷

۵......سیاسی بیعت: ووٹ کی پانچویں حیثیت سیاسی بیعت کی ہے، اوّلا ووٹر جس امیدوار کو ووٹ دینا چاہتا ہے گویا کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اور ثانیا اس کے واسطے سے آگے بننے والا سربراہ مملکت کی بیعت کرتا ہے۔اور بیعت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہاتھ ہی سے بیعت کی جائے، بلکہ بیعت خط وکتابت کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے، جیسا کہ

❶ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۳ ص ۷۱۔۷۲، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۴۱۷ھ، جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۵ ص ۵۳۳، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء

❷ سنن أبی داود، أبو داود سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ، کتاب الأدب، باب فی المشورۃ، ج ۴ ص ۳۳۳، المکتبۃ العصریۃ بیروت، ط ن

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک سے بذریعہ مراسلت بیعت کی تھی۔ ❶

اور امیدوار کو ووٹ دینے کے ذریعہ بھی بیعت ہوسکتی ہے، موجودہ دور میں سب کے لئے ہاتھ اور مراسلت کے ذریعہ بیعت کرنا بہت مشکل ہے، ووٹ کی شکل آسان ذریعہ ہے۔ ❷

۳......ووٹ دینے کا شرعی حکم

اچھے اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثواب عظیم ہے بلکہ ایک شرعی فریضہ ہے، اور نا اہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہ عظیم ہے، قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح سچی شہادت کو واجب اور لازم بھی فرمایا ہے، **یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھدآء للہ** (النساء: ۱۳۵) اور دوسری جگہ ارشاد ہے **کونوا قوامین للہ شھدآء بالقسط،** (المائدۃ: ۸) تیسری جگہ ارشاد ہے: **واقیموا الشھادۃ للہ،** (الطلاق: ۲) ان آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سچی گواہی کی ادائیگی کے واسطے کھڑے ہو جائیں۔ اور ایک آیت میں ارشاد فرمایا کہ سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے، ارشاد ہے: **ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ** (البقرۃ: ۲۸۳) ''یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے''۔ ان تمام آیات نے مسلمانوں پر فریضہ عائد کیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چرائیں، اس کو ضرور ادا کریں۔ ❸

جمہوری نظام میں ووٹ کی غیر معمولی اہمیت ہے، اس اہمیت کی پیش نظر مسلمانوں

---

❶ صحیح البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، کتاب الاحکام، باب کیف یبایع الامام الناس، ج۹ص ۷۷، مکتبہ دار طوق النجاۃ، ط ن

❷ الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص۳۴۳، ۳۴۴، ایفا پبلکشنز دہلی، ط۲۰۱۴ء، انتخاب اور ووٹ کے احکام وآداب، مفتی محمد رضوان، ص ۳۲، ۳۳، ادارہ زغفران راولپنڈی، ط۲۰۱۳ء

❸ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج۵ص ۵۳۴، ۵۳۵، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۱۳ء

پر لازم ہے کہ وہ اس حق کا بھرپور استعمال کریں۔۔مسلمانوں کے منکر روکنے کی طاقت ہونی چاہیئے ،الیکشن میں صحیح امیدوار کو ووٹ دینا منکر کو روکنے کا پہلا عمل ہے۔بہر حال شہادت اور گواہی ہونے کی بنا پر ووٹ ڈالنا واجب ہے۔ ❶

ووٹ کو شہادت قرار دینے پر ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض حضرات نے یہ اشکال پیش کیا کہ ووٹ کو شہادت اور گواہی قرار دینا اس لئے درست نہیں ہے کہ شہادت کے لئے کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا، مجلس قضا اور لفظ شہادت کے علاوہ دیگر شرائط بھی ہیں جبکہ ووٹ ڈالنے میں یہ شرائط نہیں پائی جاتی ہیں۔

ان حضرات کو لفظ شہادت سے غلط فہمی ہوئی ہے، شہادت کے لفظ سے انھوں نے شہادۃ القضاء سمجھ کر شرائط کا اعتبار کیا ہے، حالانکہ ووٹ شہادۃ القضاء والحقوق نہیں، بلکہ شہادت تزکیہ ہے، ووٹ دینے والا یہ گواہی دیتا ہے کہ امیدوار اس عہدہ اور منصب کا اہل ہے۔ ❷

اور جب یہ شہادت تزکیہ ہے تو راجح قول کے مطابق اس میں مذکورہ شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، چنانچہ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں:

واذا كان رسول القاضى الذى يسأل عن الشهود واحدا جاز والاثنان افضل، وهذا عند أبى حنيفة وأبى يوسف، وقال محمد لا يجوز الا اثنان والمراد منه المزكى وعلىٰ هذا الخلاف رسول القاضى الى المزكى والمترجم عن الشاهد... ولهما انه ليس فى معنى الشهادة ، ولهذا لا يشرط فيه لفظ الشهادة ومجلس القضاء واشتراط العدد امر حكمى فى الشهادة فلا يتعداها . ❸

---

❶ الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص ۲۴، ۲۷، ۳۱، ایفا پبلکشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

❷ الیکشن کے شرعی احکام، مجموع مقالات، ص ۱۴۷، ایفا پبلکشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

❸ ہدایہ، ابوالحسن علی بن ابی بکر المتوفی ۵۹۳ھ، کتاب الشہادۃ، ج ۳ ص ۱۶۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ط ن

یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قاصد اور مزکی کے لئے لفظ شہادت، مجلس قضاء اور عدد کا ہونا شرط اور ضروری نہیں ہے۔

۴......ووٹ کا غلط استعمال بدترین گناہ

استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ووٹ کے غلط استعمال کو چوری، ڈاکے اور زنا کاری وغیرہ سے شدید تر گناہ اور جرم قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: عوام نے اس پہلو پر بہت کم غور کیا ہے کہ ہمارے حکام درحقیقت خود ہمارے اپنے کردار اور عمل کا آئینہ ہوتے ہیں۔ وہ لوگ بلاشبہ قابل صد نفرین وملامت ہی ہیں جو اپنی دولت کے سہارے ووٹ خرید کر اقتدار تک پہنچتے ہیں، لیکن ان کے جرم میں وہ عوام بھی برابر کے شریک ہیں جو کھنکتے ہوئے سکوں کی آواز سن کر قوم وملک اور دین واخلاق سب کو بھول جاتے ہیں...موجودہ پارلیمانی طرز حکومت میں جو حکومت بھی برسر اقتدار آتی ہے وہ انتخابات ہی کے ذریعے اقتدار کے منصب تک پہنچتی ہے، لہذا اس حکومت کے تمام اعمال وافعال اس کے منتخب کرنے والے عوام کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اور ان کی دنیوی اور اخروی ذمہ داری بڑی حد تک ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنھوں نے اپنے ووٹ دے کر اسے منتخب کیا۔ انتخابات کوئی کھیل تماشا نہیں ہے جسے بے پرواہی سے دیکھ کر گزار دیا جائے، بلکہ یہ انتہائی ذمہ داری کا معاملہ ہے، اور ملک کے ہر باشندے کا فرض ہے کہ وہ اسے پوری سوجھ بوجھ اور دیانت داری کے ساتھ طے کرے۔ لوگ انتخابات کو ایک خاص دنیاوی سودا سمجھ کر اس میں مختلف قسم کی بدعنوانیوں کو گوارا کر لیتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا ہے، چنانچہ بہت سے لوگ اپنا ووٹ دیانت دارانہ رائے کے بجائے محض ذاتی تعلقات کی بنیاد پر کسی نااہل کو دے دیتے ہیں، وہ دل میں خوب جانتے ہیں کہ جس شخص کو ووٹ دیا جا رہا ہے وہ اس کا اہل نہیں، یا اس کے مقابلے میں دوسرا شخص اس سے زیادہ حق دار ہے،

لیکن صرف دوستی کے تعلق، برادری کے رشتے یا ظاہری لحاظ ومروت سے متاثر ہو کر وہ اپنے ووٹ کا غلط استعمال کر لیتے ہیں، اور انھیں کبھی خیال نہیں آتا کہ شرعی اور دینی لحاظ سے انہوں نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ جب کسی شخص کے بارے میں ضمیر اور دیانت کا فیصلہ یہ ہو کہ وہ ووٹ کا مستحق نہیں ہے یا دوسرا شخص اس کے مقابلے میں زیادہ اہلیت رکھتا ہے تو اس وقت محض ذاتی تعلقات کی بنا پر اسے ووٹ دے دینا ''جھوٹی گواہی'' کے حکم میں آتا ہے، اور قرآن کریم میں جھوٹی گواہی کی مذمت اتنی شدت کے ساتھ کی گئی ہے کہ اسے بت پرستی کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے...... یہ وعیدیں تو صرف ووٹ کے غلط استعمال پر صادق آتی ہیں جو محض ذاتی تعلقات کی بنا پر دیا گیا ہو، اور روپے پیسے لے کر کسی نااہل کو ووٹ دینے میں تو دو کبیرہ گناہ جمع ہو جاتے ہیں، ایک جھوٹی گواہی، اور دوسری رشوت خوری...نااہل کو ووٹ دینا قومی گناہ ہے جس کے نتائج بد پوری قوم کو بھگتنے پڑتے ہیں، ان کا معاملہ پرائیوٹ گناہوں کے مقابلے میں بہت سخت ہے، انفرادی نوعیت کے جرائم، خواہ اپنی ذات میں کتنے ہی گھناؤنے اور شدید ہوں، لیکن ان کے اثرات عموماً دو چار افراد سے آگے نہیں بڑھتے، اس لئے ان کی تلافی بھی عموماً اختیار میں ہوتی ہے، ان سے توبہ واستغفار بھی آسان ہے، اور ان کے معاف ہو جانے کی امید بھی ہر وقت کی جاسکتی ہے۔ اس کے برخلاف جس گناہ کا برا نتیجہ پورے ملک اور پوری قوم کو بھگتنا ہو اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ تیر کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں آسکتا۔ اس لئے اگر کسی وقت انسان اس بدعملی سے توبہ کر لے تو کم از کم ماضی کے جرم سے عہدہ برآمد ہونا بہت مشکل ہے، اور اس کے عذاب سے رہائی کی امید بہت کم۔ اس لحاظ سے یہ گناہ چوری، ڈاکے، زنا کاری اور دوسرے تمام گناہوں سے شدید تر ہے، اور اسے دوسرے جرائم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (1)

---

(1) اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۷...۱۰، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

۵......ووٹ استعمال نہ کرنا کتمانِ شہادت کے مترادف ہے

بہت سے دیندار لوگ نہ استعمال کرتے ہیں اور نہ اس کے استعمال اور ڈالنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، حالانکہ ووٹ کی ایک حیثیت گواہی کی ہے اور گواہی کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ضرورت کے موقع پر اسے چھپانا گناہ کبیرہ ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس بارے میں فرماتے ہیں: اور ایک آیت میں ارشاد فرمایا کہ سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے، ارشاد ہے: **ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فانه اٰثم قلبه** (البقرۃ: ۲۸۳) ''یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے''۔ ان تمام آیات نے مسلمانوں پر فریضہ عائد کیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چرائیں، اس کو ضرور ادا کریں، آج یہ خرابیاں انتخابات میں پیش آرہی ہے ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک صالح حضرات عموماً ووٹ دینے سے گریز کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آرہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں، اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ کس قماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے، اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہو اسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم اور پوری قوم وملت پر ظلم کے مترادف ہے، اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانت دار نہ معلوم ہو، مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیل ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دینا جائز بلکہ مستحسن ہے، جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیل نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیل ظلم کو فقہاء رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم، خلاصہ یہ کہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے

جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام... سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے، اس لئے آپ کے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل و دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ ❶

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ووٹ بلا شبہ ایک شہادت ہے، قرآن وسنت کے یہ تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، لہذا ووٹ کو محفوظ رکھنا (استعمال نہ کرنا) دینداری کا تقاضا نہیں ہے، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یوں بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر شریف دین دار اور معتدل مزاج کے لوگ انتخابات کے تمام معاملات سے بالکل یکسو ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ یہ پورا میدان شریروں، فتنہ پردازوں اور بے دین افراد کے ہاتھوں میں سونپ رہے ہیں، ایسی صورت میں کبھی بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ حکومت نیک اور اہلیت رکھنے والے افراد کے ہاتھ میں آئے، اگر دین دار لوگ سیاست سے اتنے بے تعلق ہو کر رہ جائیں تو پھر انہیں ملک کی دینی اور اخلاقی تباہی کا شکوہ کرنے کا بھی کوئی حق نہیں پہنچتا، کیوں کہ اس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے اور ان کے حکام کا سارا عذاب وثواب ان ہی کی گردن پر ہوگا اور خود ان کی آنے والی نسلیں اس شر وفساد سے محفوظ نہیں رہ سکیں گی جس پر بند باندھنے کی انہوں کوئی کوشش نہیں کی۔ ❷

۶...... ووٹ کی خرید وفروخت رشوت اور حرام ہے

ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے، اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے، دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لئے اپنا دین قربان کر دینا

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج۵ص ۵۳۴...۵۳۶، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۱۳ء

❷ اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص۱۸، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہو سکتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے۔ ❶

عوام نے اس پہلو پر بہت کم غور کیا ہے کہ ہمارے حکام درحقیقت خود ہمارے اپنے کردار اور عمل کا آئینہ ہوتے ہیں۔ وہ لوگ بلاشبہ قابل صد نفرین و ملامت ہی ہیں جو اپنی دولت کے سہارے ووٹ خرید کر اقتدار تک پہنچتے ہیں، لیکن ان کے جرم میں وہ عوام بھی برابر کے شریک ہیں جو کھنکتے ہوئے سکوں کی آواز سن کر قوم و ملک اور دین و اخلاق سب کو بھول جاتے ہیں۔ ❷

۷......مروجہ سیاست کو مکر وفریب سمجھنے کی بنیاد پر ووٹ استعمال کرنے سے کنارہ کش ہونا درست نہیں

موجودہ دور کی گندی سیاست نے الیکشن اور ووٹ کے لفظ کو اتنا بدنام کر دیا ہے کہ ان کے ساتھ مکر وفریب، جھوٹ، رشوت اور دغا بازی کا تصور لازم ذات ہو کر رہ گیا ہے، اسی لئے اکثر شریف لوگ اس جھنجھٹ میں پڑنے کو مناسب ہی نہیں سمجھتے، اور یہ غلط فہمی تو بے حد عام ہے کہ الیکشن اور ووٹوں کی سیاست کا دین و مذہب سے کوئی واسطہ نہیں، اس سلسلے میں ہمارے معاشرے کے اندر چند در چند غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، یہاں ان کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ پہلی غلط فہمی تو سیدھے سادے لوگوں میں اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، اس کا منشاء اتنا برا نہیں، لیکن نتائج بہت برے ہیں، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ آج کی سیاست مکر وفریب کا دوسرا نام بن چکی ہے، اس لئے شریف آدمیوں کو نہ سیاست میں کوئی حصہ لینا

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۵ ص ۵۳۶، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء

❷ اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی ص ۷، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

چاہئے، نہ الیکشن میں کھڑا ہونا چاہئے اور نہ ووٹ ڈالنے کے خرخشے میں پڑنا چاہئے، یہ غلط فہمی خواہ کتنی نیک نیتی کے ساتھ پیدا ہوئی ہو، لیکن بہر حال غلط اور ملک وملت کے لئے سخت مضر ہے۔ ماضی میں ہماری سیاست بلا شبہ مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے، لیکن جب تک کچھ صاف ستھرے لوگ اسے پاک کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھیں گے اس گندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائیگا، اور پھر ایک نہ ایک دن یہ نجاست خود ان کے گھروں تک پہنچ کر رہے گی۔ لہذا عقلمندی اور شرافت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ سیاست کی اس گندگی کو دور دور سے برا کہا جاتا رہے، بلکہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے جو مسلسل اسے گندا کر رہے ہیں۔ ❶

ہندوستان کے محقق عالم اور فقیہ حضرت مولانا سیف اللہ خالد صاحب فرماتے ہیں:

جمہوریت کا ایک اہم عمل عوامی رائے سے حکمران کا انتخاب کرنا ہے، اب چونکہ ہر ملک میں آبادی کا پھیلاؤ غیر معمولی حد تک بڑھ گیا ہے، اس لئے ملک کے ہر بالغ شہری کی رائے حاصل کرنے اور اس کو انتخاب کے عمل میں شریک کرنے کے لئے الیکشن کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، الیکشن کے ذریعہ گاؤں اور شہر کی سطح پر بھی عوام اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں، صوبہ کی سطح پر بھی اور ملک کی سطح پر بھی، پھر ان منتخب نمائندوں کی رائے سے ہیئت حاکمہ وجود میں آتی ہے، ملک کا سربراہ منتخب کیا جاتا ہے اور تمام فیصلے کئے جاتے ہیں۔ الیکشن کا مسئلہ ان مسلمانوں کے لئے بھی اہمیت کا حامل ہے جو کسی مسلمان ملک میں بستے ہوں اور ان مسلمانوں کے لئے بھی جو اقلیت کی حیثیت سے کسی خطہ میں مقیم ہوں، نیز اس میں کوئی شبہ نہیں کہ الیکشن کے موجودہ طریقہ کار میں بہت سے شرعی مفاسد بھی شامل ہو گئے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ الیکشن سے مسلمانوں کے وسیع تر دینی وملی مفادات متعلق

❶ اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۱۵، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

ہیں، اگر وہ جمہوری نظام میں الیکشن سے بے تعلق ہو جائیں تو اس سے ان کو غیر معمولی نقصان پہنچ سکتا ہے اور ان کے مفادات پر ضرب لگ سکتی ہے، یہ صورت حال نہ صرف غیر مسلم اکثریتی ممالک میں ہے، بلکہ اکثر مسلمان ملک کی صورت حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ ❶

۸......ووٹ اور انتخابات کو صرف دنیاوی معاملہ سمجھنا ایک بڑی سنگین غلطی ہے

دین کو لوگوں نے صرف نماز روزے کی حد تک محدود سمجھ لیا ہے، اس لئے سیاست ومعیشت کے کاروبار کو وہ دین سے بالکل الگ تصور کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارے معاملات کی گرفت سے بالکل آزاد ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں جو اپنی نجی زندگی میں نماز روزے کے اور وظائف واوراد تک کے پابند ہوتے ہیں، لیکن نہ انہیں خرید وفروخت کے معاملات میں حلال وحرام کی فکر ہوتی ہے، نہ وہ نکاح وطلاق اور برادریوں کے تعلقات میں دین کے احکام کی کوئی پرواہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ انتخابات کو بھی ایک خالص دنیاوی سودا سمجھ کر اس میں مختلف قسم کی بدعنوانیوں کو گوارا کر لیتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا ہے، چنانچہ بہت سے لوگ اپنا ووٹ اپنی دیانتدارانہ رائے کے بجائے محض ذاتی تعلقات کی بنیاد پر کسی نااہل کو دے دیتے ہیں... ووٹ ڈالنے کے مسئلے کو ہرگز یوں نہ سمجھا جائے کہ ایک خالص دنیاوی مسئلہ ہے، اور دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، یقین رکھئے کہ آخرت میں ایک ایک شخص کو اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اور اپنے دوسرے اعمال کے ساتھ اس عمل کا بھی جواب دینا ہے کہ اس نے اپنی ''شہادت'' کا استعمال کس حد تک دیانت داری کے ساتھ کیا ہے۔ ❷

---

❶ الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص ۲۱، ۲۲، ایفا پبلکشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

❷ اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۱۸۔۲۰، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

۹......علماء اور صلحاء کو انتخابات میں حصہ لیکر آگے آنا چاہئے

انتخابات کے میدان اور قانون ساز اداروں اور ایوانوں میں علماء اور دین دار لوگوں کا ہونا بے حد ضروری ہے، ورنہ سیاست اور حکومت کے میدان کو بے دین طبقات کے لئے خالی چھوڑنے سے دینی نقصانات مزید بڑھ جاتے رہیں گے، چنانچہ استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ہماری سیاست بلا شبہ مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے، لیکن جب تک کچھ صاف ستھرے لوگ اسے پاک کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھیں گے اس گندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائیگا، اور پھر ایک نہ ایک دن یہ نجاست خود ان کے گھروں تک پہنچ کر رہے گی۔ لہذا عقلمندی اور شرافت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ سیاست کی اس گندگی کو دور دور سے برا کہا جاتا رہے، بلکہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے جو مسلسل اسے گندا کر رہے ہیں۔ ❶

حضرت علامہ محمد رشید رضا مصریؒ کے بقول علماء کو سیاست اور حکومتی عہدوں سے دور رکھنا انگریز استعمار کی کوشش اور حربہ تھا، جس سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلامی ممالک میں بھی اقتدار بے دین لوگوں کو حوالہ کیا گیا، چنانچہ اس بارے میں وہ تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان الحكومات المستبدة تجتهد فى افساد من يظهر من الزعماء فى الشعوب التى تتولى امرها... وقد ابعدوا علماء الدين عن السياسة وعن الحكومة، فصار أكثر أهلها وأنصارها من الجاهلين بالشريعة، وتولىٰ هؤلاء امر التعليم واعداد عمال الحكومة به، وانكمش العلماء الى زوايا مساجدهم، او جحور بيوتهم، ولم يطالبوا بحقوقهم، ولا استعدوا لذلك

❶ اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۱۵، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

بما تقتضیه حال الزمان، وطبیعة العمران، ولا عرفوا کیف یحفظون مکانتهم من زعامة الامة بتعریفها بحقوقها، وقیادتها للمطالبة بها، فاضاعوا حقهم من الحل والعقد فیها، وترکوها لرؤساء الحکام وللأحزاب والجمعیات السیاسة التی یتولی أمرها فی الغالب من لا حظ لهم من علوم الدین. ❶

''استعماری حکومتوں کا جن ملکوں اور علاقوں میں تسلط قائم ہوا وہاں پر انہوں نے فساد برپا کرنے کی بھرپور کوشش کی، اور انہوں نے علماء کو سیاست اور حکومت سے دور اور الگ رکھا، اور شریعت سے جاہل اور بے دین لوگ اصحاب سیاست و اقتدار اور ان کے معاونین بن گئے، اور اس طرح کے لوگ وزارت تعلیم اور حکومت کے دوسرے عہدوں اور منصبوں پر فائز ہو گئے، اور علماء مساجد اور حجروں تک محدود رہے، اور زمان حال کے مطابق نہ وہ اپنے کے حقوق کا مطالبہ کر سکتے تھے اور نہ اس کی تیاری کر سکے، بلکہ وہ اصحاب سیاست میں اپنے مرتبہ اور مقام کی حفاظت اور حقوق کے مطالبہ کے طریقوں اور ذرائع کو بھی نہیں سمجھ سکتے، اور اپنے حقوق کے ضیاع کے ساتھ انہوں نے اقتدار اور سیاست کے میدان کو دین سے بے خبر حکام اور لادین جماعتوں کے لئے خالی چھوڑ دیا''۔

۱۰...... مذہبی جماعتوں خصوصا جمعیت علماء اسلام کا وجود خوش قسمتی ہے

ہمیں صرف ان جماعتوں کے کام پر نظر ڈالنی ہے جنھوں نے میدان سیاست کو صرف دین کا جھنڈا گاڑنے کے لئے منتخب کیا ہے، ایسی جماعتیں ہمارے ملک میں ایک سے زیادہ ہیں، اور ان کا وجود اس لحاظ سے ملک کی خوش قسمتی ہے کہ ان ہی کے طفیل سیاست کے موجودہ ماحول میں دین کا کلمہ بلند ہو رہا ہے، ورنہ ایسے ملک بھی دنیا کے نقشے میں موجود

❶ الخلافۃ، محمد رشید رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ، ص ۶۸، ۶۹، الزہراء للاعلام العربی، القاہرہ، ط ن

ہیں جو اسلامی کہلانے کے باوجود ایسی جماعتوں سے یکسر محروم ہیں، اور وہاں دینی سیاست نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ان جماعتوں کا کارنامہ بھی قابل ستائش ہے کہ انھوں نے اب تک ملک میں لادینیت کے سیلاب پر بند باندھنے کے لئے اپنی جانیں لڑا رکھی ہیں، اور ان کے اثر ورسوخ کے سبب اسلام دشمن عناصر کو کھل کھیلنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ❶

جس طبقہ کی نظر علماء اور سیاست کے اجتماع ضدین کی طرف ہے اور علماء اور سیاست کو اجتماع ضدین سمجھتے ہیں وہ دراصل یورپ کے اس نظریہ کا عکس اپنے آئینہ ادراک میں پا رہے ہیں جس نے سیاست کو مذہب سے الگ کر دیا ہے، وہ اس سے بے خبر ہیں کہ اسلام ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو کا ضامن اور انسانی اجتماع کی ہر روحانی و مادی ضروریات کا کفیل ہے، بلا تعصب یہ حقیقت تسلیم کرنی ہے کہ علماء ہی صحیح معنی میں سیاسیات صالحہ کے اہل ہو سکتے ہیں۔ ❷

جمعیت علماء اسلام ملک کا سب سے بڑا دینی فورم ہے اور اس نے قیام پاکستان کے بعد مثبت سیاست کی ہے، جہاں ملک میں اسلامی حکومت کا قیام اس کا مقصد رہا ہے، وہاں ہم نے جمہوریت کی بحالی کے لئے بھی جدوجہد کی ہے۔ ۱۹۷۳ء کا متفقہ آئین بنانے میں جمعیت کا کردار تھا، ملک میں جب جمہوری عمل پر قدغن لگی ہم نے صدائے احتجاج بلند کی۔ جنرل ایوب خان کے مارشل لاء میں مظاہرے کئے، جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں پانچ سال تک میں جیل جاتا رہا...... ہمارے اکابر نے جو پہلا متفقہ آئین بنایا ۱۹۷۳ء کا تو اس میں ہمارے اکابر نے یہ طے کیا کہ اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہوگا، گویا پاکستان کوئی سیکولر سٹیٹ نہیں ہوگا، بلکہ مذہبی ہوگا اور اسلام اس کا مذہب ہوگا، تمام قوانین قرآن وسنت کے مطابق ہوں گے، کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنے گا۔ اسلامی نظریاتی

---

❶ اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۲۷، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء ❷ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی المتوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۵۷، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

کونسل کی سفارشات کی بنیاد پر قانون سازی ہوگی۔ اور ۱۹۵۱ء میں جب پہلی دستور ساز اسمبلی بنی، اس وقت نواب زادہ لیاقت علی خان وزیر اعظم تھے، تو اس میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جو جمعیۃ علماء اسلام کے امیر تھے، انہوں نے اسمبلی میں قرارداد کا جو مسودہ اسمبلی میں پیش کیا، جس میں قرآن وسنت کے مطابق مملکت اور اجتماعی اور انفرادی زندگی کی تشکیل، اور یہ کہ جو عوام نمائندے ہوں گی وہ جمہور کی نمائندگی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کے تصور سے کام کریں گے، وغیرہ چیز درج تھیں۔ ❶

۱۱......شخصیت کے مقابلے میں پارٹی منشور کو مدنظر رکھ کر ووٹ دینا چاہئے

ووٹ ایک امانت اور سفارش ہے یا ایک قسم کی شہادت ہے، اس اعتبار سے کسی فاسق یا فاجر کو ووٹ نہیں دینا چاہئے، ووٹ کسی دیانتدار امانتدار یا ایسے شخص کو دینا چاہئے جو قوم اور ملک کے لئے مفید ثابت ہو، تاہم جہاں کہیں پارٹی کی بنیاد پر الیکشن ہو تو اس میں شخصیت کے مقابلے میں پارٹی کے منشور کو مدنظر رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ ❷

حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ فرماتے ہیں: اگر جماعتی انتخابات ہو رہے ہوں تو جماعتی منشور اور اس کے نظریات قابل لحاظ ہوتے ہیں، ایسی صورت میں ذاتی شخصی حالات کی زیادہ اہمیت پیش نظر نہیں رہتی، جبکہ اس کا ظن غالب ہو یا قانونی پابندی لگا دی گئی ہو کہ کامیاب ہونے کے بعد اپنی جماعت کے نظریات کے ساتھ وابستہ اور اس کی حمایت کرتا رہے گا، اور آزاد امیدوار چونکہ کسی منشور اور جماعت کا پابند نہیں ہوتا، اس لئے کامیابی کے بعد اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں کے ساتھ ضرور دے گا۔ کیونکہ وہ کسی قانونی پابندی سے اس پر مجبور نہیں، اس کو اختیار رہتا ہے کہ جس جماعت

❶ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۲ ص ۲۰۲، ج ۳ ص ۱۴۸، ۱۴۹، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء ❷ فتاوی حقانیہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق المتوفی ۱۹۸۸ء، ج ۲ ص ۳۱۰، جامعہ دار العلوم حقانیہ، ط ۲۰۰۶ء

کے ساتھ مل جائے اور اپنا ذاتی نفع حاصل کرلے، اس لئے آزاد امیدوار کو ووٹ دینا نتیجہ کے لحاظ سے اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے، اس لئے اس کو ہرگز ووٹ نہ دیا جائے۔ البتہ اگر کوئی حلقہ ایسا ہو کہ اس میں اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں کی طرف سے کوئی امیدوار کھڑا ہی نہیں کیا گیا تو پھر اس شخص کی ذاتی صلاحیت و دیانت داری کے لحاظ سے یہ عہدہ لے کر کامیابی کے بعد اسلامی نظریات کی حامل جماعت کی حمایت کرتا رہے گا، اس کو ووٹ دیا جاسکتا ہے۔ ❶

۱۲...... سب سے پہلے انتخابات کی حرمت کا فتوی دینے والے شیعہ علماء تھے

مصر کے مشہور محقق عالم علامہ رشید رضا صاحبؒ کے بقول شیعہ علماء نے ملکی عام انتخابات کی حرمت کا فتوی دیا تھا۔

ولا یوجد فی علماء اهل السنة مجتمعین ولا منفردین من یبلغ فی الزعامة واتباع الشعب له مبلغ مجتهدی علماء الشیعة، ولا سیما متخرجی النجف منهم، فاولٰئک هم الزعماء لاهل مذهبهم حقا، ویقال انهم افتوا فی هذه الآونة بتحریم انتخاب الجمعیة الوطنیة التی أمرت بها حکومة الملک فیصل لاقرار المعاهدة بین العراق والدولة البریطانیة. ❷

"اس وقت عرب میں اہل السنّت والجماعت میں ایسے علماء نہیں پائے جاتے ہیں، جو اجتماعی اور انفرادی طور پر قیادت اور عوامی تائید میں مجتہد علماء شیعہ کے ہم مثل اور ہم سر ہوں، خصوصًا نجف کے فضلاء کے، یہ یقیناً اپنے مذہب کے زعماء ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ

❶ حیات ترمذی (سوانح مفتی عبدالشکور ترمذی)، مفتی عبدالقدوس ترمذی، ص ۳۴۵، جامعہ حقانیہ ساہیوال، ط ۱۴۲۴ھ ❷ الخلافۃ، محمد رشید بن علی رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ، ص ۶۸، الزہراء للاعلام العربی القاہرہ، ط ن

جب ملک فیصل کی حکومت نے عراق اور برطانیہ کے درمیان ہونے والے معاہدہ کی توثیق کے لئے عوامی ریفرنڈم اور انتخابات کا فیصلہ کیا، تو علماء شیعہ نے اس ریفرنڈم اور ملکی انتخاب کی حرمت کا فتوی صادر کیا''۔

بانی جماعت اسلامی جناب ابوالاعلی مودودی صاحب جو کہ صحابہ کرامؓ پر جرح کرنے میں شیعوں کا ہم نوا تھے، متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے انہوں نے جمہوری انتخاب اور جمہوری حکومت کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جمہوری انتخاب کی مثال ایسی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے، اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلے گا قدرتی بات ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہوگا۔ اسی طرح سوسائٹی اگر بگڑی ہوئی ہو تو اس کے ووٹوں سے وہی لوگ منتخب ہو کر برسر اقتدار آئیں گے جو اس سوسائٹی کی خواہشات نفس سے سند قبولیت حاصل کر سکیں گے۔ پس جو لوگ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی، ان کا گمان غلط ہے۔ ❶

ایک دوسرے مقام پر مودودی صاحب فرماتے ہیں: جنت الحمقاء (احمقوں کی جنت) میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے سبز باغ دیکھ رہے ہوں، لیکن آزاد پاکستان اگر فی الواقعہ وہ بنا بھی، تو لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ ہوگا۔ ❷

مصر کی مذہبی پارٹی اخوان المسلمین جو مودودی صاحب اور جماعت اسلامی سے متأثر پارٹی ہے، یہ بھی جمہوری انتخاب کی شدید مخالف پارٹی تھی۔ لیکن چند سال پہلے اس نے مصر کے عام انتخابات میں حصہ لیا، اور اس سے پہلے اسی طرح جماعت اسلامی جمہوری انتخاب

❶ سیاسی کشمکش، ج۳ ص ۱۷۶، بحوالہ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۵۳۱، بیت العلوم لاہور، ط ن ❷ ترجمان القرآن، فروری ۱۹۴۶ء، ص ۵۵، بحوالہ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر ص ۵۳۲، بیت العلوم لاہور، ط ن

میں شامل ہو کر عملاً اپنے بانیوں کے مذکورہ نظریہ کی تردید کی۔

۲......شریعت میں انتخاب امیر وحاکم کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے

شریعت نے انتخاب امیر کے لئے اصول وقواعد تو وضع کئے ہیں، لیکن واضح طور پر کوئی خاص طریقے پر زور نہیں دیا ہے، اس کو زمانہ اور حالات پر چھوڑ دیا ہے۔

لعل من اهم الوقائع الدستورية فى عهد الخلفاء الراشدين رضى الله عنهم امر الخلافة والبيعة، حيث لم يحدد الرسول صلى الله عليه وسلم الطريقة التى تتبع فى اختيار الحاكم، وانما اكتفى بايضاح القواعد العامة يجب ان تراعى، وبين بسنته القولية والعملية المثل العليا التى يجب على الحاكم والمحكومين الالتزام بها، دون ذكر تفاصيل نظام الحكم، اذ ان الظروف الاجتماعية والاقتصادية وغيرها متغيرة ومتبدلة من زمن لآخر، وهى بلا شك مؤثرة فى النظام السياسى........ الا أن الاسلام لم يحدد طريقة متعينة لتولية الحاكم، كما لم يحدد اسلوبا خاصا للشورى، فبأى كيفية تتم الشورى. ❶

”خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں دستوری اور ملکی واقعات کے اعتبار سے شاید سب سے اہم واقعہ خلافت اور بیعت کا مسئلہ تھا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم کے تقرر کے لئے ایسا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں کیا تھا جس کا اتباع کیا جاتا، البتہ ایسے عام قواعد کی وضاحت پر اکتفاء فرمایا جن کی رعایت ضروری ہے، اور اپنی سنت قولی اور عملی سے ان صفات کو بیان کیا جن پر عمل کرنا حاکم اور عوام پر لازم ہے، جبکہ اس نظام کی تفصیلات اور وضاحت نہیں فرمائی، کیونکہ سیاسی اور اقتصادی ذرائع اور طریقے زمانہ اور

❶ الاسلام والدستور، توفیق بن عبدالعزیز السدیری، ص۱۴۲، ۱۵۴، وکالۃ المطبوعات، ط۱۴۲۵ھ

وقت کے ساتھ تبدیل اور متغیر ہوتے رہتے ہیں، اور نظام سیاسی کے لئے طریقوں میں تبدیل اور تغیر واقع ہونا ایک مؤثر اور لازمی امر ہے...... پس اسلام نے انتخاب حاکم کے لئے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں کیا ہے، جس طرح شوری کے لئے کوئی خاص کیفیت اور طریقہ لازم نہیں کیا، بلکہ جس طرح کی کیفیت اور صورت ہو اس سے شوری تام اور قائم ہوسکتا ہے''۔

أن الأصـل الأول والمصدر العام للاسلام هو كتاب الله تعالى لم يتعرض فيه لتفصيل الجزئيات، بل نص فيه على الأسس الثابتة والقواعد الكلية التى يبـنـى عليها تنظيم الشئون العامة للدولة. وهذه الأسس والقواعد قلما تختلف فيهـا امة مـن امة او زمـان من زمان، اما التفصيلات التى تختلف فيها الأمم بـاختـلاف أحوالها وأزمانها فقد سكت عنها لتكون كل أمة فى سعة من أن تراعى فيها مصالحها الخاصة وما تقتضه حالها، ففى نظام الحكم لم يفصل الـقرآن نظاما لشكل الحكومة ولا لتنظم سلطانها، ولا لاختيار أولى الحل والعقد فيها. [1]

''اسلام کی بنیادی اصل اور مصدر قرآن کریم نے نظام حکومت کے جزئیات کا ذکر نہیں کیا، بلکہ اس نے ریاست اور حکومت کی ان بنیادی اور اساسی قواعد کی صراحت کی ہے جن میں اقوام اور زمانے کے اختلاف سے بہت کم اور نادر تبدیلی ہوجاتی ہے، جبکہ ان تفصیلات اور جزئیات سے قرآن کریم ساکت ہے جن میں مختلف اقوام اور زمانے وحالات کے اعتبار سے اختلاف اور تبدیلی ہوتی ہے، تاکہ ہر قوم کے لئے اپنے زمانے اور حالات کے مصالح کے مطابق ان کو تشکیل دینے اور اپنانے کی گنجائش ہو، پس قرآن کریم

[1] السیاسۃ الشرعیۃ فی الشئون الدستوریۃ والخارجیۃ والمالیۃ، عبدالوہاب خلاف المتوفی ۱۳۷۵ھ، ص۲۴، دارالقلم، ط ۱۴۰۸ھ

نے حکومت کی کوئی خاص صورت وشکل کی تفصیل اور تعیین نہیں کی ہے، نہ ریاست کا کوئی خاص ڈھانچہ متعین کیا اور نہ اہل حل وعقد کے اختیارات کی تفصیل بیان کی ہے''۔

وأما السياسة الاجتماعية المدنية فقد وضع الاسلام أساسها وقواعدها، وشرع للامة الرأى والاجتهاد فيها، لانها تختلف باختلاف الزمان والمكان، وترتقي بارتقاء العمران وفنون العرفان. ❶

''اجتماعی اور ملکی سیاست کے لئے اسلام نے اساسی قواعد تو وضع کئے ہیں، لیکن ساتھ اسلام نے ان قواعد (کی کیفیت اور عملی صورت) میں رائے اور اجتہاد کو بھی مشروع اور جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ زمانے اور مکان کے اختلاف سے ان (کی عملی صورت) میں اختلاف ہوجاتا ہے، آبادی اور فنون کی ترقی سے ان میں بھی ترقی اور جدید شکل وصورت پیدا ہوتی ہے''۔

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس بارے میں بڑی اچھی اور جامع وضاحت فرمائی ہے: سیاسی اور اجتماعی امور میں شریعت نے زیادہ تر توسعات کو سامنے رکھا ہے، کیونکہ سیاست ملکی تدابیر کے انصرام کا نام ہے اور تدبیر اور وسائل تدبیر کا رنگ ہر دور کے مناسب حال الگ الگ ہے، اس لئے شریعت نے ان کے بارے میں اصول بیان کر دیئے ہیں، مخصوص صورتوں پر زور نہیں دیا، بلکہ مناسب موقعہ پر ان کی مخصوص صورتیں اہل تدبیر پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ مثلاً امارت وخلافت کے لئے انتخاب اصلح کا اصول تو بیان کر دیا گیا، لیکن انتخاب کی کوئی صورت ضروری قرار نہیں دی ہے، کہ وہ نامزدگی ہو یا عام انتخاب، اور انتخاب میں اظہار رائے زبانی ہو یا تحریری، اور تحریری میں محضر نامے ہوں یا الگ الگ پرچیاں لی جائیں، اور انفرادی اندازے لی جائیں یا اجتماعی صورت سے

❶ الخلافۃ، محمد رشید رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ، ص ۹، الزہراء للاعلام العربی، القاہرہ، ط ن

وغیرہ وغیرہ، بلکہ مصلحت وقت اور صاحب بصیرت ارباب حل وعقد پر چھوڑ دی گئی۔ ❶

مفکر اسلام فقیہ الملۃ حضرت مولانا مفتی محمودؒ اس بارے میں یوں فرماتے ہیں: اسلام نے کسی خاص طریق انتخاب کی پابندی کے بجائے حالات کے مطابق طریق انتخاب اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ حکمران کو عوام کا مکمل اعتماد حاصل ہو، وگرنہ بغیر اس کے یہ طریقہ غیر شرعی ہو جاتا ہے۔ ❷

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی مختلف مقامات پر اس بارے میں بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیاست کے بارے میں اسلام نے بے شک بہت سے احکام عطا فرمائے ہیں، لیکن حکومت کا کوئی تفصیلی نقشہ اسلام نے متعین نہیں فرمایا۔ اصول اور قواعد عطا فرمائے ہیں، لیکن ان اصولوں کو کس طرح نافذ کیا جائے اور عملاً ان کی صورت کیا ہو؟ اس کی تفصیلی جزئیات اسلام نے متعین نہیں فرمائیں، بلکہ ان کو ہر دور کے اہل علم اور اہل بصیرت کے فیصلے پر چھوڑ دیا ہے... مثلاً قرآن کریم کی آیت (**واعدوا لهم ما استطعتم**) (الانفال: ٦٠) نے فرمایا کہ ”تم دشمنوں کے مقابلے کے لئے جو تیاری کر سکتے ہو، کرو“ یہ اصول تو دے دیا، اور اس کی کچھ مثالیں بھی دیدیں، لیکن یہ تفصیل نہیں بتائی کہ فلاں فلاں اسلحہ بناؤ، بلکہ یہ بات ہر دور کے اہل بصیرت کے لئے چھوڑ دی کہ وہ اپنے اپنے حالات، بصیرت، تجربے اور ضرورت کے مطابق قوت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح سیاست کے باب میں بھی اصولی ہدایات تو اسلام نے عطا فرمادی ہیں، لیکن آگے کی یہ تفصیلات کہ حکومت کے کتنے محکمے قائم کئے جائیں؟ انتظامی اختیارات کس طرح تقسیم کئے جائیں؟ وزرا ہوں یا نہ ہوں؟ اگر ہوں تو کتنے ہوں؟ وحدانی طرز حکومت ہو یا وفاقی؟ مقننہ ایک ایوان پر مشتمل ہو یا دو ایوانوں پر؟ اس میں مشاورت کا

❶ مسلک علمائے دیوبند، قاری محمد طیب متوفی ۱۴۰۳ھ، ص ۶۴، ۶۵، دار الاشاعت کراچی، ط ن

❷ اقوال محمود، اختر کاشمیری / محمد فاروق قریشی، ص ۱۳۷، ۱۳۸، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۵ء

کیا طریقہ ہونا چاہیے؟ یہ تفصیلات اسلام نے متعین نہیں فرمائی ہے......اب شوریٰ کا کیا مطلب ہے؟ آیا بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹنگ یا کسی مخصوص جماعت یا حلقے کی طرف سے ووٹنگ؟ تو اس کے بارے میں قرآن وسنت نے کوئی خاص طریقہ معین کرنے کے بجائے اس کی تفصیلات کو ہر زمانے کے مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے......نیز بظاہر شریعت میں اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ خود امام کا انتخاب بھی براہ راست یعنی بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہو، کیونکہ اس کے خلاف بھی کوئی نص نہیں ہے۔ ❶

مشہور مذہبی سکالر اور معروف عالم دین حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں: خلیفہ کے انتخاب کے طریق کار، حکومتی ڈھانچہ اور عوام کے احتساب کو عملی شکل دینے کے تمام امور حالات پر چھوڑ دیے گئے ہیں اور اس کے لئے ہر دور میں اس کے حالات اور ضروریات کے مطابق کوئی بھی طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے چودہ سو سالہ تعامل میں مختلف طرز ہائے حکومت کو عوامی اور علمی حلقوں کی طرف سے جواز کا درجہ اور سند حاصل ہوتی رہی ہے۔ ❷

اسلاف اور اکابر کے اقوال کی روشنی میں مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہوگئی کہ اسلام اور شریعت میں طرز حکومت اور انتخاب حاکم کے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے۔ جو حضرات جمہوریت اور موجودہ انتخاب کے طریقہ کار کے مخالف ہیں، اور اس کو شریعت سے متصادم قرار دیتے ہیں، ان کی ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ وہ اسلام کے اجتماعی نظام کو خلافت اور اس کے انتخاب کو شوریٰ کے ساتھ منصوصی طور پر خاص قرار دیتے ہیں، اور اس کے خلاف طرز اور طریقہ کار کو کفریہ نظام اور کفریہ طریقہ کار سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک صاحب جو مذکورہ نظریہ کا حامل تھا، ایک موقع پر اس موضوع کے متعلق بندہ کی

❶ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۱۷۱، ۱۷۲، ۲۳۳، ۲۶۷، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

❷ عصر حاضر میں اجتہاد چند فکری و عملی مباحث، مولانا زاہد الراشدی، ص ۱۶۶، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ط ۲۰۰۸ء

اس سے گفتگو ہوئی، دوران گفتگو اس نے یہ کہا کہ اسلام میں انتخاب کے طریقہ ایک ہی ہے یعنی شوریٰ، اس کے علاوہ جتنے طریقے ہیں وہ غیر اسلامی ہیں، تو بندہ نے اس سے سوال کیا کہ حضرت عثمانؓ جن کا انتخاب شوریٰ کے طور پر عمل میں آیا تھا جو کہ ایک مثالی طریقہ انتخاب ہے، لیکن کیا اب تک ان کے ماسوٰی کسی اور خلیفہ اور حاکم کا انتخاب شوری کے ذریعے سے ہوا ہے؟ تو وہ اس سوال کا جواب اثبات میں نہیں دے سکا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جن کا شمار خلفاء راشدین میں ہوتا ہے، لیکن ان کا انتخاب شوریٰ کے طور پر نہیں ہوا تھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

لما ولی عمر بن عبد العزیز الخلافة، جاء ه صاحب الشرطة لیسیر بین یدیه بالحربة علی عادته مع الخلفاء قبله، فقال له عمر: مالی ولک؟ تنح عنی، انما انا رجل من المسلمین. ثم سار وساروا معه حتی دخل المسجد، فصعد المنبر واجتمع الناس الیه فقال: ایها الناس! انی قد ابتلیت بهذا الامر من غیر رأی کان منی فیه، ولا طلبة له، ولا مشورة من المسلمین، وانی قد خلعت ما فی اعناقکم من بیعتی، فاختاروا لانفسکم ولأمرکم من تریدون، فصاح المسلمون صیحة واحدة: قد اخترناک لانفسنا وأمرنا، ورضینا کلنا بک. [1]

''حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو جب خلافت سے نوازا گیا، تو سابق حکمرانوں کی عادت کے مطابق محافظ نیزہ لے کر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے چلنے لگا، تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا: دور ہو جا، میرے سے آپ کا کیا واسطہ؟ میں تو مسلمانوں کا ایک عام فرد ہوں، پھر وہ اور دوسرے لوگ جا کر مسجد میں داخل ہوئے، اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگوں! مجھے خلافت کی ذمہ داری سپرد کی گئی،

[1] البدایہ والنہایہ، ابوالفداء اسماعیل عمر بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ، ج ۹ ص ۲۳۸، دار احیاء التراث، ط ۱۴۰۸ھ

اس میں نہ میری رائے شامل تھی، نہ میں نے اس کا مطالبہ کیا تھا اور نہ مسلمانوں سے اس بارے میں کوئی مشورہ ہوا تھا، میں تمھاری بیعت کو آپ کے حوالہ کرتا ہوں، آپ اپنے لئے جس کو چاہتے ہوں اسی کو منتخب کریں، سب نے بیک آواز جواب دیکر کہا کہ ہم آپ اور آپ کے انتخاب پر راضی ہیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتخاب شوریٰ کے بغیر ہوا تھا، یہ الگ بات ہے کہ امیر اور خلیفہ بننے کے بعد وہ اس عہدے اور ذمہ داری سے سبکدوش اور الگ ہونا چاہتے تھے، لیکن لوگوں نے انہی کو اس منصب پر قائم اور فائز رہنا چاہا، اور بالآخر مجبور ہو کر انھوں نے اس باراور بوجھ کو اپنی گردن پر رکھ کر احسن طریقے سے اس کو نبھایا۔

۳......حاکم کے انتخاب کے لئے فقہائے کرام اور علماء سیاست کے ذکر کردہ طریقے

یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ صریحی طور پر قرآن اور حدیث میں انتخاب کا کوئی خاص متعین طریقہ نہیں ہے۔

والخلاصة انه لم يثبت يقينا نص صريح قطعي يدل على امامة على وغيره، ولم يصح في ذلك شيء عند احد من ائمة النقل. ❶

"حاصل یہ ہوا کہ یقینی طور پر کوئی نص صریح قطعی نہیں جو حضرت علیؓ یا کسی دوسرے کی امامت پر دلالت کرے، ائمہ نقل کے ہاں اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے"۔

البتہ فقہائے کرام نے اجتہاد اور استنباط کے ذریعہ کچھ طریقے ذکر اور بیان فرمائے ہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

❶ الفقہ الاسلامی وادلتہ، وہبۃ الزحیلی، الباب السادس نظام الحکم فی الاسلام، ج۸ص۶۱۶۴، دار الفکر دمشق، ط ن

ویثبت عقد الامامة اما باستخلاف الخلیفه ایاھا، کما فعل ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ، واما ببیعة من العلماء او جماعة من اھل الرأی والتدبیر. ❶

''امامت کا عقد اور تقرر یا خلیفہ کی نامزدگی سے ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو نامزد کیا تھا، اور یا علماء یا اصحاب رائے اور تدبیر کی بیعت سے ہوتا ہے''۔

علامہ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

اعلم ان الامامة العظمی تثبت باحد امور ثلاثة: اما بایصاء الخلیفة الأول المتأھل لھا، واما بالتغلب علی الناس، لان من اشتدت وطأته بالتغلب، وجبت اطاعته، ولا یراعی فی ھذا شروط الامامة، اذ المدارعلی درء المفاسد، وارتکاب اخف الضررین، واما ببیعة اھل العقد: وھم من اجتمع فیھم امور ثلاثة، العلم بشروط الامام، والعدالة، والرأی. ❷

''امامت عظمیٰ تین امور میں سے کسی ایک طریقہ سے منعقد ہوتی ہے، ایک طریقہ وہ اہل خلافت کے لئے خلیفہ اول کی طرف سے وصیت کا ہے، دوسرا طریقہ لوگوں پر تسلط اور غلبہ کا ہے، اس لئے کہ غلبہ پانے کی وجہ سے جس کی طاقت سخت اور حاصل ہو، اس کی بھی اطاعت واجب ہے، اور اس صورت میں شرائط امامت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا مقصد اور مدار دفع مفاسد اور کم ضرر کو برداشت کرنا ہے، اور تیسری طریقہ ان اہل عقد کی بیعت کا ہے، جن میں یہ تین امور موجود ہوں: علم، عدالت اور رائے''۔

❶ رد المحتار (المعروف بالفتاوی الشامی)، ابن عابدین محمد امین بن عمر المتوفی ۱۲۵۲ھ، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ج۱ص ۵۴۹، دار الفکر بیروت، ط۱۴۱۲ھ ❷ الفقہ الاسلامی وادلتہ، وہبۃ الزحیلی، الباب السادس نظام الحکم فی الاسلام، ج۸ص ۶۱۶۷، دار الفکر دمشق، ط ن

اس بارے میں مسند الہند امام شاہ ولی اللہؒ نے بڑی تفصیل اور وضاحت فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ خلافت چار طریقوں سے منعقد ہوتی ہے: پہلا طریقہ علماء، قاضیوں، سردار اور نامور لوگوں میں سے ان اہل حل وعقد کی طرف سے بیعت کا ہے جو باآسانی موجود ہوسکیں، تمام بلاد اسلامیہ کے اہل حل وعقد کا متفق ہونا شرط نہیں ہے، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ پر ہوا تھا۔ دوسرا طریقہ خلیفہ کا اپنے بعد کسی کو نامزد اور خلیفہ بنا دینا ہے، حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا انعقاد اسی طور پر ہوا تھا، کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد ان کو نامزد کیا تھا۔ تیسرا طریقہ شوری کا ہے کہ خلیفہ ایک جماعت کا شوری بنادے، اور یہ کہدے کہ اس جماعت کی طرف سے جس کو منتخب کیا جائے وہ خلیفہ ہوگا، جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے چھ صحابہ کرامؓ کے شوری بنایا تھا، انھوں اتفاق سے حضرت عثمانؓ کو خلافت کے لئے منتخب کیا تھا۔ چوتھا طریقہ استیلاء یعنی غلبہ کا ہے، اور وہ یہ کہ جب کوئی شخص بیعت واستخلاف کے بغیر لوگوں کی رضامندی یا بجنگ وجبر خلافت کو لے لے، تو یہ شخص خلیفہ ہوگا، اور اس کا جو فرمان شریعت کے موافق ہوگا اس میں لوگوں پر اس کا اتباع لازم ہے۔ پھر اس تسلط کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم جائز ہے، جب وہ شخص شرائط خلافت کے جامع اور اہل ہو، حضرت معاویہؓ کی خلافت کا انعقاد تسلط جائز کے قبیل سے تھا۔ دوسری قسم تسلط اس شخص کا ہے جو جامع شرائط خلافت اور اہل نہ ہو، اگر چہ یہ قسم شرعی طور پر جائز نہیں ہے، مگر پھر بھی تسلط کی وجہ سے اس کی خلافت منعقد ہوتی ہے، اور موافق شرع احکام میں اس کا اتباع لازم ہے، اور اس کے عامل کو زکاۃ ادا کرنے سے زکاۃ ادا ہوگی، اور اس کے مقرر کردہ قاضیوں کے احکام (موافق شرع) نافذ ہونگے، اسی طرح اس کی امارت میں جہاد ہوسکتا ہے۔ اور اس کو معزول کرنے کے لئے اس کے خلاف جنگ اور اسلحہ اٹھانا درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس سے فساد وفتنہ لازم ہوگا، اور معلوم نہیں کہ پھر اس کا نتیجہ بھی نیک اور اچھا ہوگا یا نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ بدتر شخص مسلط ہوجائے، تو موہومی اور احتمالی امر کے لئے ایسے

کام کا ارتکاب نہ کیا جائے جس کی قباحت اور فساد یقینی ہو، عبدالملک بن مروان اور پہلے عباسی خلیفہ کی خلافت کا انعقاد اسی قسم اور طریقے سے تھا۔ اور حضرت علیؓ کی خلافت کے انعقاد کے بارے میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ شوری کے ذریعہ طے ہوا تھا، اس طور پر کہ حضرت عمرؓ کے چھ منتخب کردہ شوری نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے نام تجویز کئے بالآخر حضرت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ ہوا، ان کے انتقال اور شہادت کے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد اس شوری کے تجویز کردہ نام کی بنا پر ہوا تھا، لیکن صحیح اور راجح یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد اس وقت مدینہ میں موجود اہل حل وعقد کی بیعت کے ذریعہ ہوا تھا۔ ❶

۴......ووٹ اور انتخاب کا طریقہ کار اور اس کا شرعی حکم

مذکورہ بالا تفصیل سے چند امور معلوم اور ظاہر ہو گئے: (الف) کہ انعقاد خلافت کے لئے کوئی ایک طریقہ معین اور خاص نہیں ہے، (ب) شوری ایک مثالی طریقہ تو ہے، لیکن ایسا نہیں کہ اس کے ماسوی کوئی اور طریقہ نہ ہو، (ج) انعقاد خلافت اور امامت کے طریقوں میں سے ایک طریق تغلب اور تسلط کا بھی ہے۔ پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ وضاحت بھی فرمائی کہ تغلب اور مسلط ہونا جنگ کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے، اور لوگوں اور عوام کی رضامندی سے بھی ہوسکتا ہے، اور یہ جائز بھی ہوسکتا ہے، اور ناجائز بھی، یعنی جس حاکم میں شرائط خلافت نہ ہوں، لیکن پھر بھی ناجائز ہونے اور اہل نہ ہونے کے باوجود اس کی خلافت اور حاکمیت نافذ ہوگی، اور موافق شرع احکام میں اس کا اتباع ضروری ہے، اس کے خلاف اسلحہ اٹھانا اور مسلح جنگ کرنا درست نہیں ہے۔

اس تفصیل سے موجودہ دور کے انتخاب اور الیکشن کا حکم آسانی سے معلوم اور ظاہر ہوا کہ الیکشن اور اکثریت کے ذریعہ منتخب ہونے والا صدر یا وزیر اعظم عوام کی رضامندی سے بنتا

❶ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، ج۱ ص۲۳۔۲۶، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

ہے، جوکہ تغلب کی ایک صورت ہے،تو تغلب اور غلبہ پانے کے طریق سے اس کی حکومت منعقد ہوتی ہے، اور اگر اس شخص میں اگر شرائط خلافت پائی جاتی ہوں، تو اچھی بات ہے، لیکن شرائط اور اہلیت نہ بھی ہو تب بھی اس کی حکومت منعقد ہوگی، فساد کا ذریعہ بننے کی وجہ سے اس کے خلاف اسلحہ اور جنگ کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ آئین کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کے خلاف آواز اٹھانے اور پُرامن تحریک چلانے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے۔

علامہ تفتازانیؒ نے امامت اور خلافت کی شرائط کی بحث میں اس بارے میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

واما اذا لم یوجد من قریش من یصلح لذلک، او لم یقتدر علی نصبه لاستیلاء أهل الباطل وشوکة الظلمة وارباب الضلالة، فلا کلام فی جواز تقلد القضاء وتنفیذ الأحکام واقامة الحدود، وجمیع ما یتعلق بالامام من کل ذی شوکة، کما اذا کان الامام القریشی فاسقا او جائرا او جاهلا، فضلا عن ان یکون مجتهدا. وبالجملة مبنی ما ذکر فی باب الامامة علی الاختیار والاقتدار، واما عند العجز والاضطرار واستیلاء الظلمة والکفار والفجار وتسلط الجبابرة الأشرار فقد صارت الریاسة الدنیویة تغلیبة، وبنیت علیها الأحکام الدینیة المنوط بالامام ضرورة، ولم یعبأ بعدم العلم والعدالة وسائر الشرائط، والضرورات تبیح المحظورات. ❶

”اگر قریش میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جس میں امامت کی صلاحیت ہو، اور یا باطل کے تغلب اور ظالموں اور گمراہوں کی قوت کی وجہ سے قریشی کے امام بنانے پر قدرت نہ ہو، تو ان صورتوں میں ہر صاحب قوت کے اقتدار میں منصب قضاء قبول کرنے، تنفیذ احکام، اقامت حدود اور حاکم کے متعلق تمام امور کے جائز ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے، جس طرح

❶ شرح المقاصد، مسعود بن عمر التفتازانی المتوفی ۷۹۳ھ، ج ۵ ص ۲۴۵، عالم الکتب بیروت، ط ۱۴۱۹ھ

کوئی قریشی فاسق ظالم حکمران کے اقتدار میں جس طرح امور مذکورہ جائز ہیں، اگر حاکم مجتہد نہ ہو بلکہ جاہل ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ امامت کے باب میں امامت کی جو شرائط اور اوصاف مذکور ہیں وہ باختیار شرعی امامت پر مبنی ہیں، لیکن ظالم جابر فاجر بلکہ کافر کے تغلب کی صورت جو ایک عجز اور اضطراری صورت ہے، جس میں دینی احکام جو امام کے متعلق ہیں اس ضرورت اور اضطراری حالت کے مطابق مبنی اور نافذ ہوں گے، ایسی صورت میں امامت کی شرائط علم، عدالت وغیرہ کو لازم قرار نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ اضطرار اور ضرورت محظورات اور ممنوعات کو مباح اور جائز کر دیتی ہے''۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

بان تغلّب عليها جاهل بالاحكام او فاسق، وكان في صرفه عنها اثارة فتنة لا تطاق، حكمنا بانعقاد امامته. ❶

''اگر خلافت و امامت پر احکام سے جاہل یا فاسق شخص کو تغلب اور غلبہ حاصل ہوا، اور اس کو ہٹانے اور معزول کرنے میں ایسے فساد پھوٹ پڑنے اور فتنہ برپا ہونے کا خطرہ ہو جو طاقت اور قابو سے باہر ہو، تو ایسی صورت میں ہم اس فاسق جاہل کی امامت کے منعقد ہونے کا حکم لگائیں گے''۔

امام الحرمینؒ کے بقول خلفاء راشدینؓ کے بعد تقریباً تغلب کا طریق اور غلبہ کا دور رہا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

لان الخلافة بعد منقرض الاربعة الراشدين شابتها شوائب الاستيلاء والاستعلاء، واضحى الحق المحض في الامامة مرفوضا، وصارت الامامة ملكا عضوضا. ❷

❶ کتاب المسامرۃ فی شرح المسایرۃ، ابن ہمام محمد بن عبد الواحد المتوفی ۸۶۱ھ، ج ۲ ص ۱۷۲، المکتبۃ الازہریۃ مصر، ط ۲۰۰۶ء ❷ غیاث الامم فی التیاث الظلم، امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ المتوفی ۴۷۸ھ، ص ۱۳۹، مکتبۃ امام الحرمین، ط ۱۴۰۱ھ

’’خلفاء راشدین کے اختتام کے بعد خلافت میں تغلب اور استعلاء کا شائبہ پیدا ہوا، اور مستحق وحقدار کو امام بنانا ترک ہوا، امامت ایک نقصان دہ ملوکیت میں تبدیل ہوئی‘‘۔

۵......مسلط اور منتخب شدہ حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کا شرعی حکم

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بخاری شریف کی ایک روایت جس میں ظالم اور جابر حکمرانوں کے ظلم کا ذکر اور خبر ہے، کی تشریح میں فرماتے ہیں:

وفی هذا الحديث ايضا حجة لما تقدم من ترك القيام على السلطان ولو جار، لانه صلى الله عليه وسلم اعلم اباهريرة باسماء هؤلاء واسماء ابائهم، ولم يامرهم بالخروج عليهم مع اخباره ان هلاك الامة على ايديهم، لكون الخروج اشد فى الهلاك واقرب الى الاستئصال من طاعتهم، فاختار اخف المفسدين وايسر الامرين. ❶

’’یہ حدیث جابر ظالم حاکم کے خلاف بھی مقاومت اور جنگ ترک کرنے کی دلیل ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان جابر حکمرانوں اور ان کے اباء کے نام تو بتا دیئے تھے، لیکن ان کے خلاف خروج کا حکم نہیں دیا تھا، باوجود اس کے کہ یہ فرمایا تھا کہ ان کے ہاتھ پر امت کی ہلاکت ہوگی، کیونکہ ان کی اطاعت سے خروج میں ہلاکت اور فساد کا زیادہ قوی احتمال ہے، اس لئے آسان اور کم فساد والی صورت کو اختیار کیا‘‘۔

مسند الہند امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: اطاعت خلیفہ لازم است بر مسلمین ہر چہ امر فرماید خلیفہ از مصالح اسلام، واز آنچہ مخالف شرع نباشد خواہ خلیفہ عادل باشد خواہ جائر... وحرام است خروج بر سلطان بعد از انکہ مسلمین بروی مجتمع شدند، مگر آنکہ کفر بواح از وی دیدہ

❶ فتح الباری شرح صحیح البخاری، احمد بن علی ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک امتی علی ایدی اغیلمۃ سفہاء، ج ۱۳ ص ۱۱، دار المعرفۃ بیروت، ط ۱۳۷۹ھ

شود، اگر چہ آن سلطان مستجمع شروط نباشد۔ ❶

”خلیفہ وحاکم کا جو حکم شریعت کے مخالف نہ ہو، تو مسلمانوں پر اس کی اطاعت لازم ہے، خواہ وہ خلیفہ عادل ہو یا ظالم... اور وہ سلطان وحاکم جس پر مسلمان کا اتفاق ہوا ہو، اگر چہ اس میں شرائط خلافت نہ بھی ہوں تب بھی اس کے خلاف بغاوت حرام ہے، الا یہ کہ اس سے کفر صریح ظاہر ہو“۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

ثم ان استوی من لم یجمع الشروط لاینبغی ان یبادر الی المخالفة. لان خلعه لا یتصور غالبا الا بحروب ومضایقات، وفیها من المفسدة اشد مما یرجی من المصلحة. ❷

”اگر ایسا شخص مسلط ہوجائے جو شرائط امارت اور خلافت کا حامل نہ ہو، تب بھی اس کی مخالفت میں آگے بڑھنا (ہتھیار اٹھانا) مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ اس کو ہٹانا عموماً لڑائیوں اور مصائب کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے، اور اس میں اس مصلحت سے جس کا احتمال اور امید ہو، فساد اور فتنہ بڑھ کر ہے“۔

علامہ رشید رضا مصریؒ فرماتے ہیں:

ما فی التواریخ والطبقات من تنفیذ العلماء وغیرهم لعهود بنی العباس مع عدم استجماعهم للشروط، بل نفذ السلف عهود بنی امیة مع انهم کذلک، الا ان یقال هذه وقائع محتملة انهم انما نفذوا للشوکة وخشیة الفتنة. ❸

❶ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، ج ۱ ص ۳۱، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن
❷ حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم المتوفی ۱۱۷۶ھ، الخلافۃ، ج ۲ ص ۲۳۲، دار الجیل بیروت، ط ۱۴۲۶ھ ❸ الخلافۃ، محمد رشید رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ، ص ۴۲، الزہراء للاعلام العربی، القاہرہ، ط ن

''تاریخ اور طبقات کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ علماء وغیرہ نے بنوعباس کی خلافت کو شرائط خلافت نہ پانے کے باوجود تسلیم کیا تھا، ان سے پہلے اسلاف نے بنوامیہ کی خلافت کو بھی اسی طرح تسلیم کیا تھا، اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان واقعات میں یہی احتمال ہے کہ ان حکام کی قوت وتغلب کی بنا پر اور فتنہ وفساد کے خوف سے علماء نے ان کی امامت کو تسلیم کیا تھا''۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: عہد صحابہؓ میں جب ولید بن عقبہ امیر جماعت بن گیا، اور اس کے عادات واخلاق اور اعمال وافعال صحابہ کی نظر میں اچھے نہ تھے تو لوگوں کو اس پر اعتراض ہوا، تو اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی نکتہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا:

اصبروا فان جور امامکم خمسین عاما خیر من هرج شهر. ❶

''امیر کے ناشستہ افعال پر صبر کرو، کیونکہ تمھارے امیر کا پچاس سال تک ظلم وجور ایک مہینہ کے فتنہ (قتل وقتال) اور اختلال نظم سے بہتر ہے''۔

یہی وہ چیز تھی جس نے بڑے بڑے صحابہ کرام کو ایسے ایسے امراء جور کی اطاعت وقیادت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا جو اگر اس تنزل کے زمانہ میں ہوتے تو لوگ ان کو سخت اعتراض کی نظر سے دیکھتے۔ ❷

بعض حضرات نے خروج علی الامام اور ظالم ونااہل حاکم کے خلاف مسلح جدوجہد کے جواز پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت امام حسینؓ اور امام ابوحنیفہؒ کے عمل اور رائے سے استدلال کیا ہے، کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کی اطاعت سے انکار کیا تھا، اور اس کے برخلاف خود امامت کا دعوی کیا تھا، اور امام حسینؓ نے یزید کے خلاف ہتھیار اٹھایا تھا، اور

❶ جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، محمد بن محمد المالکی المتوفی ۱۰۹۴ھ، ج۲ ص۴۵۹، مکتبہ ابن کثیر الکویت، ط۱۴۱۸ھ ❷ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج۵ ص۴۵۳، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۱۳ء

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حاکم وقت کے خلاف لڑنے والے زید بن علی اور ابراہیم نفس زکیہ کی حمایت کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظالم اور جابر حکمران کے خلاف ہتھیار اٹھانا اور لڑنا جائز ہے۔

ان دلائل کے جوابات یہ ہیں: کہ جہاں تک حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا معاملہ اور عمل تھا، تو انہوں نے یزید کی خلافت اور امامت قائم اور تام ہونے سے پہلے اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا، اس کو بغاوت اور خروج نہیں کہا جاسکتا ہے، اس لئے کہ بغاوت اور خروج اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک سلطان اور خلیفہ کی خلافت قائم اور تام ہونے کے بعد اس کے خلاف خروج کیا جائے۔ چنانچہ محدث کبیر علامہ محمد یوسف بنوریؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

لم یکن عبد الله بن الزبیر عاصیًا فی عدم بیعة یزید، ولا فارا بدم. قال ابن بطال: وابن الزبیر رضی الله عنه اولی بالخلافة من یزید وعبد الملک عند علماء اهل السنة ، لأنه بویع لابن الزبیر قبل هؤلاء الخ، کما فی العمدة. ❶

”حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت نہ کرنے میں نافرمان نہیں تھے، اور نہ کوئی قتل کر کے مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ ابن بطالؒ نے فرمایا: کہ علماء اہل سنت کے نزدیک ابن زبیر رضی اللہ عنہ یزید اور عبدالملک سے خلافت کا زیادہ اولی اور مستحق تھے، اس لئے کہ ابن زبیرؓ کی بیعت ان کی بیعت سے پہلے کی گئی تھی، جیسا کہ عمدۃ القاری میں ہے“۔

جہاں تک حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یزید کے خلاف خروج کا واقعہ ہے، تو اوّلاً: اس بارے میں بھی عرض ہے کہ بہت سے مؤرخین حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے ابتدا ہی سے یزید کی بیعت نہیں کی تھی، بلکہ اس دوران وہ مدینہ سے مکہ چلے گئے

❶ معارف السنن، محمد یوسف البنوری المتوفی ۱۳۹۷ھ، کتاب الحج، باب ما جاء فی حرمة مکة، ج۶ ص۱۲، مجلس الدعوة والتحقیق الاسلامیة کراتشی، ط ن

جہاں یزید کی خلافت اور حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، اور پھر جن لوگوں نے ان کو کوفہ بلایا انھوں نے یہ کہتے ہوئے بلایا کہ ہم نے بھی اب تک یزید کی بیعت نہیں کی ہے، اس لئے ان کی اس مقاومت اور اختلاف کو بغاوت اور خروج نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

فلما مات معاوية سنة ستين وبويع ليزيد، بايع ابن عمر وابن عباس، وصمم على المخالفة الحسين وابن الزبير، وخرجا من المدينة فارين الى مكة فاقاما بها، فعكف الناس على الحسين يفدون اليه ويقدمون عليه ويجلسون حواليه ويستمعون كلامه...... فاجتمعت الرسل كلها بكتبها عند الحسين وجعلوا يستحثونه ويستقدمونه عليهم ليبايعوه عوضا من يزيد بن معاوية ويذكرونه في كتبهم انهم فرحوا بموت معاوية وينالونه منه ويتكلمونه في دولته، وانهم لما يبايعوا احدا الى الأن. ❶

’’جب سن ساٹھ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا انتقال ہوا، تو یزید کی بیعت کی گئی، حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے بھی ان کی بیعت کی، جبکہ حضرت حسین اور ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما مخالفت اور بیعت نہ کرنے کا عزم مصمم کیا، اور مدینہ سے نکل کر مکہ پہنچ گئے اور وہاں پر قیام پذیر ہو گئے، لوگوں کے وفود آ کر حضرت حسینؓ کے پاس جمع ہوتے، ان کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سنتے...... پھر کوفہ سے قاصد خطوط لیکر ان کے پاس آتے رہے، اور ان کو کوفہ آنے کی ترغیب اور مطالبہ کرتے، تا کہ یزید کے بجائے ان کی بیعت کریں، اور اپنے خطوط میں حضرت معاویہؓ کی موت پر خوشی کے اظہار کے ساتھ ان کی حکومت اور دولت کی شکایت کرتے (نعوذ باللہ منہ)، اور ساتھ یہ بھی تحریر

❶ البدایہ والنہایہ، اسماعیل بن عمر بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ، سنۃ ستین من الہجرۃ، ج۸ ص۱۶۲، ۱۶۳، دار احیاء التراث، ط ۱۴۰۸ھ

کرتے کہ اب تک ہم نے کسی کی بیعت نہیں کی ہے"۔

ثانیًا: حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا کوفہ جانے میں خروج اور قتل کا ارادہ نہیں تھا، تاہم جب ابن زیاد نے اس کو گرفتار کرنا چاہا، تو اس ذلت سے بچنے کے لئے انھوں نے دفاع کرتے ہوئے ظالموں کے ہاتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

والحسین رضی الله عنه ما خرج یرید القتال، ولکن ظن ان الناس یطیعونه، فلما رأی انصرافهم عنه، طلب الرجوع الی وطنه او الذهاب الی الثغر، او اتیان یزید، فلم یمکنه اولٰئک الظلمة لا من هٰذا، ولا من هٰذا، ولا من هٰذا، وطلبوا ان یاخذوه اسیرا الی یزید، فامتنع من ذٰلک، وقاتل حتی قتل مظلوما شهیدا، لم یکن قصده ابتداء ان یقاتل. ❶

"حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ قتال کے ارادہ سے نہیں نکلے تھے، بلکہ اس امید اور گمان سے نکلے تھے کہ اہل کوفہ (اپنے وعدہ کے مطابق) ان کی اطاعت کریں گے، جب وہاں جا کر ان کی بے رخی کو دیکھا، تو تین باتوں میں سے ایک کی اجازت دینے کا مطالبہ کیا، کہ یا تو ان کو واپس اپنے وطن جانے کی اجازت دی جائے، یا ان کو جہاد کے لئے سرحد پر بھیج دیا جائے، یا ان کو یزید کے پاس جانے دیا جائے، مگر ان ظالموں نے ان باتوں میں سے ایک کو بھی نہیں مانا، بلکہ ان گرفتار قیدی بنا کر یزید کے پاس لیجانے کا مطالبہ پیش کیا، جس پر وہ تیار نہیں ہوئے، بلکہ دفاع اور مقابلہ کرتے ہوئے بالآخر مظلوم ہونے کی حالت میں شہادت سے سرفراز ہوئے، ان کا ابتداء قتال کا ارادہ بالکل نہیں تھا"۔

ثالثًا: جن حضرات نے امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے عمل کو خروج سے تعبیر کیا ہے، تو

❶ منهاج السنة النبوية في نقض كلام الشيعة القدرية، ابن تيمية احمد بن عبد الحليم المتوفی ۷۲۸ھ، ج ۴ ص ۴۲، جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية، ط ۱۴۰۶ھ

ساتھ انھوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کو لوگوں پر اعتماد کرنے سے اپنی شوکت اور قدرت کا ظن اور گمان پیدا ہوا، جس میں اس کا یہ اندازہ اور گمان درست نہ نکلنے پر ان کے اس عمل کو اجتہادی خطا پر محمول کر کے ان کو بری الذمہ قرار دیں گے۔ اور جہاں کسی مجتہد کے کسی اجتہاد کو خطا قرار دیا جاتا ہے، اس میں باوجود اس کے ماجور ہونے کے اس خطا کو قابل حجت اور قابل عمل نہیں مانا جائے گا۔ چنانچہ مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

واما الحسين فانه لما ظهر فسق يزيد عند الكافة من اهل عصره، بعثت شيعة اهل البيت بالكوفة للحسين ان ياتيهم فيقوموا بأمره. فرأى الحسين ان الخروج على يزيد متعين من اجل فسقه، لاسيما من له القدرة على ذلک، وظنها من نفسه باهليته وشوكته، فاما الأهلية كما ظن وزيادة، واما الشوكة فغلط يرحمه الله فيها... واصبحت مضر اطوع لبنى امية من سواهم بما كان لهم من ذلک قبل، فقد تبين لک غلط الحسين، الا انه فى امر دنيوى لا يضره الغلط فيه، واما الحكم الشرعى فلم يغلط فيه، لانه منوط بظنه، وكان ظنه القدرة على ذلک. ولقد عزله ابن العباس وابن الزبير وابن عمر وابن الحنفية اخوه وغيره فى مسيره الى الكوفة، وعلموا غلطه فى ذلک، ولم يرجع عما هو بسبيله لما أراد الله. واما غير الحسين من الصحابة الذين كانوا بالحجاز ومع يزيد بالشام والعراق، ومن التابعين لهم فرأوا ان الخروج على يزيد وان كان فاسقا لايجوز، لما ينشأ عنه من الهرج والدماء، فاقصروا عن ذلک، ولم يتابعوا الحسين، ولا أنكروه عليه ولا أثموه، لانه مجتهد وهو أسوة للمجتهدين، ولا يذهب بک الغلط بتأثيم هؤلاء بمخالفة الحسين وقعودهم عن نصره، فانهم

اکثر الصحابة و کانوا مع یزید، ولم یروا الخروج علیه. ❶

''جب یزید کا فسق اپنے زمانہ کے تمام لوگوں پر ظاہر ہوا، تو کوفہ کے اہل بیت نے امام حسینؓ کو یہ پیغام دیا کہ وہ کوفہ تشریف لائیں تو ہم ان کے حکم کا اتباع کریں گے، تو حضرت حسینؓ نے یزید کے فسق کی وجہ سے اس پر خروج کو متعین اور لازم سمجھا، خاص کر اس کے لئے جس کو خروج کی قدرت حاصل ہو، پس ان کو اپنی اہلیت اور شوکت سے قدرت کا گمان تھا، جہاں تک اہلیت کی بات ہے وہ تو ان کے گمان سے بھی بڑھ کر ان میں موجود تھی، جہاں تک شوکت اور غلبہ کی بات تھی، تو اس میں ان کا گمان غلط نکلا، اللہ ان پر اس میں رحم فرمائے... مضر قبیلہ جو بڑے شان وشوکت والا قبیلہ تھا، اس کا بنوامیہ سے پہلے سے تعلقات کی بنا پر وہ اس کا سب سے زیادہ حمایتی رہا، اور حضرت حسینؓ کی یہ غلطی امر دنیوی کے متعلق تھی، جو باعث نقصان اور گناہ نہیں ہے، جہاں تک امر شرعی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے ان کو اس لئے غلط نہیں سمجھا جائے گا کہ اس کا تعلق اس کے گمان سے تھا، اور ان کا گمان قدرت پانے کا تھا۔ اور حضرت ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر، خود ان کے بھائی ابن الحنفیہ رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے حضرات نے ان کو کوفہ جانے پر ملامت کیا، یہ حضرات ان کو غلطی پر سمجھتے تھے، تاہم اللہ کے فیصلے اور تقدیر کے مطابق وہ واپس نہیں ہوئے۔ حضرت حسینؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ جو حجاز، شام اور عراق میں تھے، اسی طرح تابعین ان سب کی رائے میں باوجود یزید کے فاسق ہونے کے اس کے خلاف خروج اور بغاوت جائز نہیں تھی، کہ اس سے قتل اور خونریزی کا بازار گرم ہوتا، اس لئے انھوں نے حضرت حسینؓ کے ساتھ نہیں دیا، تاہم ان پر نہ نکیر کیا اور نہ ان کو گناہ گار سمجھا، کیونکہ وہ اس مسئلہ میں مجتہد تھے، اسی طرح جن اکثر

❶ تاریخ ابن خلدون، ابن خلدون عبد الرحمٰن بن محمد المتوفی ۸۰۸ھ، الفصل الثلاثون، ج ۱ ص ۲۶۹، ۲۷۰، دار الفکر بیروت، ط ۱۴۰۸ھ

حضرات نے ساتھ نہیں دیا، اور یزید کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے، ان کو بھی گناہ گار سمجھنا غلط ہے''۔

رابعاً: اس بارے جمہور صحابہ کرامؓ کا مسلک اور رائے عدم خروج کی تھی، ان کو خروج میں ناکامی، فتنہ، قتل قتال اور فساد یہ سب کچھ نظر آتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں:

ولما حدث فی یزید ما حدث فی الفسق، اختلف الصحابة حینئذ فی شأنه، فمنهم من رأى الخروج علیه ونقض بیعته من اجل ذلک، کما فعل الحسین وعبد الله بن الزبیر رضی الله عنهما ومن اتبعهما فی ذلک، ومنهم من أباه لما فیه من اثارة الفتنة وکثرة القتل مع العجز عن الوفاء به، لان شوکة یزید یومئذ هی عصابة بنی امیة وجمهور اهل الحل والعقد من قریش، وتستتبع عصبة مضر اجمع، وهی اعظم من کل شوکة، ولاتطاق مقاومتهم، فاقتصروا عن یزید بسبب ذلک، وأقاموا علی الدعاء بهدایته والراحة منه، وهنا کان شأن جمهور المسلمین. ❶

''جب یزید سے فسق کے افعال واعمال ظاہر ہونے لگے، تو ان کے بارے میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوا، بعض حضرات جیسے حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ اور ان کے متبعین کی رائے ان کے خلاف خروج اور بیعت ختم کرنے کی تھی، جبکہ دوسرے حضرات نے خروج سے انکار کیا، اس لئے کہ اس میں قتل اور فساد کا بھرپور اندیشہ ہونے کے ساتھ اس خروج کو سرانجام تک پہنچانے میں عاجز آنا ظاہر تھا، کیونکہ قبیلہ بنوامیہ، قریش کے اہل وعقد اور مضبوط قبیلہ مضر سب یزید کے ساتھ تھے، جن کے مقابلہ کی طاقت نظر نہیں آتی تھی، اس بنا

❶ تاریخ ابن خلدون، ابن خلدون عبد الرحمٰن بن محمد المتوفی ۸۰۸ھ، ج ۱ ص ۲۶۴، دار الفکر بیروت، ط ۱۴۰۸ھ

پر انھوں یزید کے مقابلہ کے بجائے ان کے لئے ہدایت اور ان سے راحت پانے کی دعاؤں کا اہتمام کیا، اور جمہور اور اکثر اسی رائے پر قائم تھے"۔

جہاں تک امام ابوحنیفہؒ کا عمل ہے کہ محمد نفس زکیہؒ نے جب خلیفہ ابوجعفر کے خلاف خروج کیا تھا، تو امام صاحبؒ نے محمد نفس زکیہؒ کے خروج کی حمایت کی تھی، تو اس بارے میں بھی اولا: عرض یہ ہے کہ بہت سے مؤرخین حضرات کے بقول نفس زکیہؒ کی امامت کا انعقاد ابوجعفر کی امامت سے پہلے ہو چکا تھا، اس لئے امام ابوحنیفہؒ نے محمد نفس زکیہ کے ساتھ دیا تھا۔

ان النفس الزكية انعقدت الامامة قبل بنى العباس، ولهذا كان مالك وابوحنيفة يجنحان اليه، ويرجحان امامته على بنى العباس، ويريان ان امامته اصح من امامة ابى جعفر، لانعقاد هذه البيعة من قبل. ❶

"نفس زکیہ کی امامت بنوعباس کی امامت سے پہلے منعقد ہو چکی تھی، اس لئے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ ان کی طرف مائل تھے، اور ان کی امامت کو بنوعباس ک امامت پر ترجیح دیتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کی امامت ابوجعفر کی امامت سے زیادہ صحیح اور اولی ہے، کیونکہ ان کی امامت کا انعقاد پہلے ہو چکا تھا"۔

ولما صار أمر بنى امية الى اختلال، اجمع اهل البيت بالمدينة، وبايعوا بالخلافة سرا لمحمد بن عبد الله بن حسن المثنى بن الحسن بن على وسلم له جميعهم، وحضر هذا لعقد ابوجعفر عبد الله بن محمد بن على عبد الله بن عباس وهو المنصور، وبايع فيمن بايع له من اهل البيت، واجمعوا على ذلک لتقدمه فيهم لما علموا له من الفضل عليهم. ولهذا كان مالک وابوحنيفة رحمهما الله يحتجان اليه حين خرج من الحجاز، ويريدون ان امامته اصح من امامة ابى جعفر، لانعقاد هذه البيعة من قبل. ❷

❶ التراتیب الادارية، محمد عبدالحی الکتانی المتوفی ۱۳۸۲ھ، ج۱ص۸۲، دارالارقم بیروت، ط ن

❷ تاریخ ابن خلدون، ابن خلدون عبدالرحمٰن بن محمد المتوفی ۸۰۸ھ، ج۴ص۶، دارالفکر بیروت، ط۱۴۰۸ھ

''جب بنوامیہ کی خلافت میں کمزوری اور خلل آ گیا، تو اہل بیت مدینہ میں جمع ہو کر سب نے چُپ اور خاموشی سے محمد بن عبداللہ کی بیعت کی، اور اس بیعت میں ابوجعفر منصور بھی شریک تھے، اور اہل بیت ان کی خلافت پر اس لئے جمع اور متفق ہو گئے کہ ان کو محمد بن عبد اللہ کی فضیلت اور مرتبہ کا علم تھا، اور اسی وجہ سے ان کا حجاز سے نکلنے کے وقت امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ بطور حجت یہ فرماتے تھے کہ ان کی امامت ابوجعفر کی امامت سے زیادہ اولی اور اصح ہے، کیونکہ ان کی بیعت کا انعقاد پہلے ہو چکا تھا''۔

ثانیًا: عرض ہے کہ یہ بات درست ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور کچھ دوسرے حضرات نے زید بن علیؒ کے خروج کی تائید کی تھی، لیکن اکثر حضرات نے مخالفت کی تھی۔

اتضح ان هناك بعض العلماء الذين ايدوا حركة زيد وحرضوا عليها، وهم قلة نادرة، وهناك عدد آخر لم يؤيد خروج زيد، ونصحوه بعد الخروج، وهؤلاء هم الاكثر. ❶

''یہ بات واضح ہو گئی کہ بہت کم تعداد میں علماء نے زید کے عمل وخروج کی تائید کی تھی، اور ترغیب بھی دیتے رہے، اکثر علماء نے تائید نہیں کی، بلکہ زید کو نصیحت اور روکنے کی کوشش کی''۔

ثالثًا: عرض ہے کہ خروج کے لئے سب کے نزدیک طاقت اور قوت ہونے کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس خروج کے نتیجے میں بڑے مفسدہ اور فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس بارے میں تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہاں دو باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں، ایک یہ خاص طور پر اس آخری صورت (غیر اسلامی قوانین مسلسل جاری رکھنا) میں آراء کا اختلاف ہوسکتا ہے کہ آیا امیر کے مسلسل خلاف شریعت عمل کو کفر بواح (ظاہری کفر) کے ساتھ ملحق کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ یہ ممکن ہے

❶ الدولة الاموية عوامل الازدهار وتداعيات الانهيار، علی محمد بن الصلابی المعاصر، ج ۲ ص ۴۶۹، دار المعرفة بیروت، ط ۱۴۲۹ھ

کہ بعض لوگ یہ کہیں کہ اس کے خلاف خروج کرنا چاہیے، اور بعض کہیں کہ خروج نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا اختلاف آراء اجتہادی اختلاف ہوگا، اور اس میں کوئی جانب قابل ملامت نہیں ہوگی۔ چنانچہ صدر اول میں یزید اور بنوامیہ کے حکمرانوں کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یا اہل حرہ نے جو خروج فرمایا، اس میں اسی قسم کا اجتہادی اختلاف تھا، نیز حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن علی اور حضرت ابراہیم نفس زکیہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے خروج کی جو حمایت کی، اور اس بارے میں دوسرے حضرات نے جو اختلاف فرمایا، اُس کی وجہ یہی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ، جیسا پہلے عرض کیا گیا، اس بات پر تمام حضرات فقہاء متفق ہیں کہ خروج جہاں کہیں بھی جائز ہوتا ہے، اُس کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ طاقت کے ذریعے حکومت کو ہٹا دینے کی قدرت ہو اور دوسرے یہ کہ اس کو ہٹانے میں اور کوئی اُس سے بڑا مفسدہ پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو۔ (۱)

رابعا: جن حضرات نے فسق وفجور امام کی صورت میں خروج کے جواز کا جو قول اور فتوی دیا تھا، وہ انعقاد اجماع سے پہلے ہے، بعد میں عدم جواز پر اجماع منعقد ہو چکا، اب اجماع کی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

وقد اجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه، وان طاعته خير من الخروج عليه لما فى ذلک من حقن الدماء وتسكين الدهماء، وحجتهم هذا الخبر وغيره مما يساعده، ولم يستثنوا من ذلک الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح، فلا تجوز طاعته فى ذلک، بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها. (۲)

(۱) اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۳۶۷، ۳۶۸، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

(۲) فتح الباری شرح صحیح البخاری، احمد بن علی ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سترون بعدی امورا تنکرونھا، ج ۱۳ ص ۷، دار المعرفۃ بیروت، ط ۱۳۷۹ھ

''متغلب اور مسلط حاکم کی اطاعت اور اس کی امارت میں جہاد کرنے پر فقہاء نے اجماع کیا ہے، اور بات پر کہ اس کے خلاف خروج سے اطاعت بہتر ہے، اس لئے کہ اطاعت میں خون خرابہ سے بچاؤ اور فتنوں ومصائب کو روکنا ہے، ان کی دلیل مذکورہ روایت اور اس طرح کی دوسری روایات ہیں، اس کوئی حاکم مستثنیٰ نہیں کیا، الا یہ کہ حاکم سے ظاہرا کفر صادر ہو، تو پھر اطاعت کے بجائے اس سے جہاد کرنا واجب ہے بشرطیکہ طاقت اور قدرت ہو''۔

مسند الہند امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: واگر آں تاویل مجتہد فیہ است نہ قطعی البطلان آن قوم بغاۃ باشند، درزمان اول حکم ایں قوم حکم مجتہد مخطی بودن ان خطأ فلہ اجر، چوں احادیث منع بغی کہ صحیح مسلم وغیرہ مستفیض ست ظاہر شد، واجماع امت برآں منعقد گشت، امروز حکم بعصیان باغی کنیم۔ ❶

''اگر کچھ لوگ اقامت دین کے لئے بغاوت کرتے ہوئے اپنے خروج اور بغاوت میں کوئی تاویل کریں، تو اگر یہ قطعی البطلان نہ ہو، بلکہ مجتہد فیہ اور اختلافی ہو، تو پہلے زمانہ میں اس کا حکم مجتہد مخطی کا تھا کہ اجتہاد میں خطا کے باوجود اس کو ایک اجر ملتا ہے، لیکن جب صحیح مسلم وغیرہ میں منع بغاوت کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ مشہور اور عام ظاہر ہوگئی ہیں، اور اس منع پر اجماع بھی قائم ہو چکا، اب ایسی قوم پر عاصی (نافرمان) باغی کا حکم لگا دیتے ہیں''۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد بطور خلاصہ اور حاصل فرماتے ہیں: کہ جن بزرگوں سے خلاف منقول ہے وہ قبل انعقاد اجماع ہے، اس لئے اس پر ملامت نہیں، لیکن بعد میں اس پر اجماع منعقد ہوگیا، اب کسی کو اس کا خلاف جائز نہیں۔ ❷

---

❶ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، ج۱ ص۳۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

❷ امداد الفتاوی، مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی ۱۹۴۳ء، ج۵ ص۱۱۴، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۱۴۱۳ھ

یہ مذکورہ تفصیل اور حکم عمومی خروج کے بارے میں ہے، لیکن اگر کوئی حاکم کسی پر بلاوجہ ظلم وزیادتی کرتا ہو، تو اس شخص کو اپنے دفاع کے لئے مقابلہ کی اجازت ہے، اور اگر وہ قتل کیا گیا تو وہ شہید ہوگا۔ استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں: کہ کسی حکمران کو حکومت سے ہٹانے کی کوشش اور اُس کے ظلم سے دفاع کی کوشش میں فرق ہے۔ حکومت سے ہٹانے کے لئے تو مسلح کارروائی ''کفر بواح'' (کھلے ہوئے کفر) کے علاوہ کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی حکمران کسی شخص کی جان ومال پر ناحق ظلم کرتا ہے، تو اپنی جان یا مال کا تحفظ انسان کا حق ہے، اور اس کے تحفظ کیلئے اگر اُسے ہتھیار بھی اٹھانا پڑے تو وہ بھی جائز ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من قتل دون ماله فهو شهيد. ❶

یعنی ''جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہو جائے تو وہ شہید ہے''۔ اور ترمذی، ابوداود اور نسائی کی روایتوں میں الفاظ یہ ہیں: ''**من اريد ماله بغير حق، فقاتل وقُتل فهو شهيد**''، یعنی ''جس شخص کا مال کسی نے ناحق لینے کا ارادہ کیا ہو، اس کی وجہ سے وہ لڑا ہو، اور قتل ہو گیا، تو وہ شہید ہے''۔ اس قسم کی لڑائی جو اپنی جان یا مال کے دفاع میں لڑی جائے، عموماً انفرادی نوعیت کی ہوتی ہے، اور اُس میں کوئی ملک گیر خونریزی نہیں ہوتی، جسے فتنے سے تعبیر کیا گیا، اس لئے اس کی اجازت ہے۔ ❷

یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ حاکم کے فسق وفجور کی صورت میں مسلح جدوجہد جائز تو نہیں ہے، لیکن ساتھ اس کے فسق وفجور پر خاموش نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اپنی طاقت کے

❶ صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، کتاب المظالم والغصب، باب من قتل دون ماله فهو شهيد، ج ۳ ص ۱۳۶، دار طوق النجاۃ، ط ۱۴۲۲ھ

❷ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی ص ۳۶۶، ۳۶۷، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

مطابق پُرامن جدو جہد اور کوشش ضروری ہے، کہ حاکم یا راہ راست پر آجائے، اور یا اس کو معزول کیا جائے۔ آج کے دور میں احتجاج، جلسے جلوس کرنا، میڈیا اور پبلک متحرک کرنا پُرامن جدو جہد کے ذرائع ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

الذی علیه العلماء فی امراء الجور انه ان قدر علی خلعه بغیر فتنة ولاظلم وجب، والا فالواجب الصبر. ❶

''ظالم حکمرانوں کے بارے میں علماء کا قول ہے کہ اگر کسی کو فتنہ اور ظلم کے بغیر اس کے ہٹانے کی قدرت ہو، تو اس پر اس کو ہٹانا واجب ہے، ورنہ صبر کرنا واجب ہے''۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے تھے: آج احتجاج اور مطالبہ حقوق کے میدان مظاہروں کے پلیٹ فارم ہیں، خلوتیں اور تنہائی کی راتیں اس کے لئے کافی نہیں ہیں، اگر موجودہ زمانہ میں توپ اور جہاز کا استعمال دشمنوں کے مقابلہ اور مدافعت کے لئے جائز ہوسکتا ہے، باوجودیکہ قرون اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں، تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں میں بھی شک نہ ہوگا، کیونکہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کے لئے جن کے ہاتھ میں بندوق اور ہوائی جہاز نہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔ ❷

مقاطعہ جوعی (بھوک ہڑتال) اس حد تک کہ ہلاکت کا گمان غالب نہ ہو جائے جائز ہے۔ ❸

---

❶ فتح الباری شرح صحیح البخاری، احمد بن علی ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستر ون بعدی امورا تنکر ونھا، ج ۱۳ ص ۸، دار المعرفة بیروت، ط ۱۳۷۹ھ، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، محمود بن احمد بدر الدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستر ون بعدی امورا تنکر ونھا، ج ۲۴ ص ۱۷۹، دار احیاء التراث العربی بیروت، ط ن

❷ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۲۴۹، جمعیت پبلی کشنز لاہور، ط ن

❸ کفایت المفتی، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ متوفی ۱۹۵۲ء، ج ۹ ص ۳۰۵، دار الاشاعت کراچی، ۲۰۰۱ء

تاہم اگر مطالبات جائز ہوں اور ہڑتال، بائیکاٹ اور جلسے جلوس پُر امن ہوں، اور غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ ہو تو ایسی حالت میں ہڑتال کرنے اور جلسے جلوس نکالنے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ شرعی اور جائز مطالبات منوانے کے لئے ایسا اقدام کرنا مستحسن عمل ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسے وقت میں احتجاج کے طور پر جیل سے نکلنے سے انکار کیا تھا۔ ❶

ایک بار حضرت مفکر اسلام حضرت مفتی محمودؒ نے قومی اسمبلی سے واک آؤٹ کیا، تو مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے پوچھا، مفتی صاحب! واک آؤٹ کا اسلام میں کوئی ثبوت ہے؟ مفتی صاحب نے برجستہ کہا: ہاں! اس کا ثبوت قرآن میں موجود ہے، پھر یہ آیت پڑھی: ''**فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظّٰلمین** '' (الانعام: ۶۸۔) مولانا ہزاروی صاحبؒ یہ سن کر خاموش ہوگئے، اور اس کے بعد واک آؤٹ کے موقع پر انہوں نے حضرت مفتی صاحبؒ پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ❷

بعض حضرات نے پاکستان وغیرہ میں مسلح جدوجہد کے جواز کے لئے افغانستان میں مختلف اوقات میں مسلح جدوجہد اور جہاد کے جواز کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے یہ قول اختیار کیا ہے کہ اگر افغانستان میں مسلمان حکمران کے خلاف مسلح جدوجہد اور جہاد جائز ہوسکتا ہے، تو پھر پاکستان وغیرہ میں بھی جواز کا فتوی دینا چاہیے۔

اس بارے سب سے پہلے افغانستان کے حالات کا تجزیہ کرنا مفید ہوگا، ہمارے سامنے افغانستان کی تاریخ تین ادوار پر مشتمل نظر آتی ہے، ایک دور افغانستان پر سوویت یونین/روس کے حملے سے پہلے کا ہے، یہ دور پاکستان کے مماثل اور مشابہ فساق ظالم

❶ فتاوی حقانیہ، شیخ الحدیث مولانا عبد الحق متوفی ۱۹۸۸ء، ج ۲ ص ۳۵۷، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، ط ۲۰۰۶ء ❷ سوانح قائد ملت: ص ۲۰۳، بحوالہ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے ایمان افروز واقعات، مولانا محمد نعمان صاحب، ص ۱۴۳، ۱۴۴، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۲۰۱۴ء

حکمرانوں کا دور تھا، اس میں ظالم فاسق حکمران مسلط ہونے کے باوجود علماء نے مسلح جدوجہد کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ دوسرا دور کفریہ قوتوں کے حملے کا ہے، خواہ سویت یونین کے حملے کی صورت میں ہو یا امریکا اور نیٹو کے حملے اور قبضے کی صورت میں ہو، اس صورت میں علماء کرام نے جہاد کا فتویٰ اس لئے دیا ہے کہ مسلمانوں پر کفار کے حملے میں جہاد فرض ہوتا ہے۔ ملا خسروؒ فرماتے ہیں:

وفرض عين ان هجم الكفار على ثغر من ثغور دار الاسلام، فيصير فرض عين على من قرب منه وهم يقدرون. [1]

''اگر کفار دار الاسلام کی کسی سرحد پر حملہ آور ہوں، تو اس کے قریب اہل قدرت پر جہاد فرض عین ہوتا ہے''۔

تیسرا دور وہ عصر حاضر کے عظیم رہنما ملا عمر مجاہدؒ کی امارت میں تحریک طالبان افغانستان کی تحریک شروع اور آغاز کرنے کا ہے، جس میں مسلح جدوجہد کے جواز کا جن علماء نے فتویٰ دیا تھا، تو اس لئے کہ وہاں پر ہر علاقے اور صوبے ولایت میں ہر ایک قوماندان (کمانڈر) نے اپنی حکومت بنا رکھی تھی، جو راستوں میں راہگیروں سے مال وصولی کے ساتھ ظلم وزیادتی حتی کہ قتل کا ارتکاب کرتے تھے، اور شرعی طور پر یہ راہزنوں کے حکم میں تھے، جن کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مسند الہند امام شاہ ولی اللہؒ نے اس بارے میں بڑی تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے: وخروج بر خلیفہ سہ نوع تواند بود، یکے آنکہ خلیفہ کافر شود بانکار ضروریات دین العیاذ باللہ، درین صورت واجب است خروج بروی وقتال با وی، وایں قتال اعظم انواع جہاد ست، تا اسلام متلاشی نگردد وکفر غالب نشود۔ ودیگر آنکہ خروج کند برائی نہب اموال وقتل نفوس وتحلیل فروج بغیر تاویل شرعی، سیف را حکم سازنہ قانون شرع را، وحکم ایں

[1] درر الحکام شرح غرر الأحکام، ملا خسرو محمد بن فرامرز المتوفی ۸۸۵ھ، ج ا ص ۲۸۲، دار احیاء الکتب العربیہ، ط ن

جماعت قطّاع طریق ست، دفع کردن ایشاں واز ہم متفرق ساختن جماعت ایشاں را واجب است۔ سوم آنکہ کند بہ نسبت اقامت دین وتقریر کنند در خلیفہ واحکام او شبہ را، پس آں تاویل اگر باطل باشد قطعاً ہیچ اعتبار ندارد، ومانند تاویل اہل ردت ومانعین زکوٰۃ درزمان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ومعنی قطعیت بطلان تاویل آنست کہ مخالف نص کتاب یا سنت مشہورہ یا اجماع یا قیاس جلی واقع شود، واگر آں تاویل مجتہد فیہ است نہ قطعی البطلان آن قوم بغاۃ باشند، درزمان اول حکم ایں قوم حکم مجتہد مخطی بودن ان خطأ فلہ اجر، چوں احادیث منع بغی کہ صحیح مسلم وغیرہ مستفیض ست ظاہر شد، واجماع امت برآں منعقد گشت، امروز حکم بعصیان باغی کنیم۔ ❶

''خلیفہ اور حاکم کے خلاف خروج کی تین قسمیں ہیں: ایک یہ کہ خلیفہ ضروریات دین کا انکار کر کے کافر ہو جائے، تو اس صورت میں اس کے خلاف خروج اور قتال واجب ہے، اور یہ قتال ایک بڑا عظیم جہاد ہے، تاکہ اسلام معدوم نہ ہو اور کفر کو غلبہ نہ ہو۔ دوسری قسم خروج ان لوگوں کا ہے جن کا مقصد تاویل شرعی کے بغیر لوٹ مار، قتل نفوس اور بدکاری کا ارتکاب ہے، اور یہ شرعی قانون کے بجائے تلوار سے باز آسکتے ہیں، تو اس جماعت کا حکم قطاع طریق (رہزنوں) کا ہے، ان کو دفع کرنا اور ان کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا واجب ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ کچھ لوگ اقامت دین کی نیت سے خروج کریں اور حاکم اور اس کے احکام میں شبہ پیدا کریں، پس اگر ان کی تاویل قطعاً باطل ہو، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جس طرح کی تاویل ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مرتدین اور مانعین زکاۃ نے پیش کی تھی۔ اور قطعاً بطلان کا مطلب یہ ہے کہ وہ تاویل قرآن کی صراحت، حدیث مشہور، اجماع یا قیاس جلی کے مخالف ہو، اور اگر کچھ لوگ اقامت دین کے لئے بغاوت کرتے ہوئے اپنے خروج اور بغاوت کی کوئی تاویل کریں، تو اگر یہ تاویل قطعی البطلان نہ ہو، بلکہ مجتہد فیہ اور اختلافی

❶ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ، ج۱ص ۳۱، ۳۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

ہو، تو پہلے زمانہ میں اس کا حکم مجتہد مخطی کا تھا کہ اجتہاد میں خطا کے باوجود اس کو ایک اجر ملتا ہے، لیکن جب صحیح مسلم وغیرہ میں منع بغاوت کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ مشہور اور عام ظاہر ہوگئی ہیں، اور اس منع پر اجماع بھی قائم ہو چکا، اب ایسی قوم پر عاصی (نافرمان) باغی کا حکم لگا دیتے ہیں''۔

قائد ملت اسلامیہ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے تحریک طالبان افغانستان کی ابتدا اور پس منظر کا نقشہ یوں بیان فرمایا ہے: یہ نوجوان دراصل ۱۴ سالہ جہاد افغانستان کے سپاہی تھے، ابتدا میں یہ ان نوجوانوں کی تنظیم تھی جو جہاد میں زخمی ہوئے، ان میں بیشتر کا تعلق قندھار سے تھا، جہاں (اس وقت کے صدر) پروفیسر ربانی حکومت کی رسائی نہیں تھی۔ چنانچہ یہاں مختلف نوعیت کے جرائم اپنی انتہا کو پہنچ رہے تھے، چمن سے پاک افغان سرحد عبور کرنے کے بعد پہلا گاؤں سپین بولدک ہے یہاں سے قندھار تک ۴۰/۴۵ میل کے علاقے میں بلا مبالغہ ہر سو قدم کے فاصلے پر رہزن بیریئر لگائے، ہر گذرنے والے قافلے کو لوٹنے کے لئے موجود ہوتے۔ وہ مال و متاع لوٹنے کے علاوہ نوجون لڑکیوں کو بھی چھین لیتے، سڑک کے گرد و پیش مکانات کو انہوں نے فحاشی اور بدکاری کے اڈوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ گویا انسانوں کے روپ میں وحشی درندے تھے، جن کے لئے ہر غیر انسانی حرکت روا تھی۔ ان حالات میں بعض نوجوانوں میں اپنے فرض کی ادائیگی کا احساس پیدا ہوا، یہ احساس انہیں بے چین رکھتا کہ انہوں نے روسی فوجیوں اور ان کے کٹھ پتلی حکمرانوں کے خلاف جہاد اس لئے تو نہیں کیا تھا کہ ان سے آزادی کے بعد یہ علاقے جرائم کے گڑھ بن جائیں۔ ان نوجوانوں نے علماء کرام سے فتوی حاصل کیا، جنہوں از روئے شریعت اسے جائز قرار دیا کہ اگر حکمران عوام کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ میں ناکام ہو جائیں، تو مقامی آبادی اپنے طور پر منظّم ہوکر جرائم پیشہ عناصر کے خلاف کاروائی کر سکتی ہے، اور یہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا نہیں ہوگا۔ تب ان نوجوانوں کے کوئی لمبے

چوڑے عزائم نہیں تھے، انہوں نے سپین بولدک سے قندھار کے درمیان جرائم پیشہ لوگوں کے خلاف مؤثر کاروائی کی، اور اس علاقے پر کنٹرول حاصل کرلیا، انہوں نے سپین بولدک میں مختلف جہادی تنظیموں کے دفاتر پر قبضہ کرلیا، جہاں سے انہیں کافی اسلحہ ہاتھ لگا۔ یہ نوجوان دراصل ان ہی تنظیموں سے آئے تھے، اور قیام امن میں ان کی ناکامی کے بعد ان سے باغی ہوگئے تھے۔ قندھار کے لوگون نے یہاں امن وامان کے قیام پر سکھ کا سانس لیا، اوران کے لئے دیدہ دل فرش راہ کردیئے۔ قندھار میں ان کی اس کامیابی کے اثرات گرد وپیش میں بھی پھیلنے لگے، چنانچہ بدامنی کے شکار دیگر علاقوں کے لوگ بھی طالبان کا انتظار کرنے لگے، انہوں نے جدھر پیش رفت کی عوام نے ان کا استقبال کیا، جن سے ان کے حوصلے بلند ہوتے چلے گئے، تھوڑے عرصے میں قندھار کے قریبی صوبوں غزنی اور ہلمند کی سرکاری انتظامیہ بھی رضا کارانہ طور پر طالبان کے حق میں دستبردار ہوگئی... ❶

جہاں تک پاکستان کی بات ہے تو اس پر نہ کوئی کافر قوم قابض اور حملہ آور ہے، نہ طوائف الملوکی اور بدنظمی اور رہزنی کی اس طرح کی صورت ہے، کہ اس کے خلاف جہاد اور قتال کا جواز پیش کیا جائے، البتہ ایک ذہنی غلام اور فاسق حکمرانوں والا ملک قرار دیا جاسکتا ہے، جو روس حملے سے پہلے افغانستان کے حال کے مماثل قرار دیا جائے گا، جس کے بارے میں پہلے گذر چکا کہ اس حال میں افغانستان میں علماء نے مسلح جدوجہد کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تھا۔

ہماری اس بحث سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ پاکستان کے حکمران بالکل معصوم ہیں، اور کسی طور پر بھی وہ مجرم نہیں ہیں، بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ فی الحال پاکستان میں وہ حالات نہیں ہیں، جن کی بنا پر یہاں مسلح جدوجہد کو جائز قرار دیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ

❶ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۲ ص ۱۵، ۱۶، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

یہ اقرار ضرور کرتے ہیں، کہ پاکستان کے حکمران عمومًا ذہنی غلام، فاسق فاجر ہونے کے ساتھ شرعی قوانین کے نفاذ میں کوتاہی کے مرتکب ہیں، اور ۱۹۷۳ھ کے آئین کے بھی مجرم ہیں، اور ان سب کے علاوہ طالبان کی اسلامی حکومت ''امارت اسلامی افغانستان'' کے خاتمہ میں پاکستان امریکا کے معاون اور اتحادی رہا ہے، اور اس کو اڈے فراہم کئے تھے، اور انسانی اخلاق اور بین الاقوامی قانون سے تجاوز کر کے افغانستان کے سفیر ملا عبد السلام ضعیف صاحب کو دشمن کے حوالہ کیا۔ ان حالات اور حکمرانوں کے اوصاف کے حوالے سے جب ہم دیکھتے ہیں، تو پاکستان کے مذکورہ صفات کے حامل حکمرانوں کی مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کے منافقین کی ہے، جو بظاہر اسلام کا دعوی کرنے کے ساتھ مشرکین مکہ اور دوسرے کفار کے معاون بنے ہوئے تھے، حتی کہ مسجد کے نام سے ان کفار کے لئے مورچہ بنا کے رکھا تھا، جس کو مسجد ضرار کا نام دے کر اس کو منہدم کر دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقین کے خلاف تلوار اٹھائی، اور نہ آپ کے بعد خلفاء راشدین نے اس تعاون کی بنا پر ان کے خلاف کوئی کاروائی کی۔ البتہ مومنین کو ان سے ہوشیار رہنے، اور ان کے نفاق کے بارے مختلف عنوانات سے احکامات جاری کئے۔

ایک صاحب سے دوران گفتگو بندہ نے منافقین کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ طرز عمل کا جب ذکر کیا، تو اس نے اس کی یہ وجہ بتائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف اس لئے ہتھیار نہیں اٹھایا، کہ پھر دشمن کو اس اعتراض کا موقع ملتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں چھوڑ دیتے ہیں، تو بندہ نے عرض کیا کہ عصر حاضر میں بھی مسلمانوں کے ملک میں اس صورت حال میں ہتھیار اٹھانے سے دشمن کو اسی طرح کے اعتراض کا موقع مل سکتا ہے، کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خلاف لڑتے ہیں، اور عوام حکمرانوں سے برسرپیکار ہیں، اس پر وہ صاحب خاموش ہو گیا۔

بہرحال پاکستان بہت کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، ان

کمزوریوں کے دور کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے، کسی وقت کام اور مقصد پر آنے کی امید ہے، لیکن اس ملک کو بالکل ختم کر کے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، بالکل نقصان ہی نقصان ہے۔

قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب پاکستان میں مسلح جدوجہد کے بارے میں فرماتے ہیں: پاکستان کی جعرافیائی حدود کے اندر ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے، باقی جہاد کوئی محدود اصطلاح نہیں ہے، اس کے وسیع معانی ہیں۔ اسلام کے لئے، امت مسلمہ کے لئے جس قسم کا آپ کو ماحول ملتا ہے، اور اس حالت میں آپ جس انداز سے، اور جس قدر کوشش کرتے ہیں، یہ بھی جہاد ہے۔ لہذا اس وقت ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام، پاکستان اور امت مسلمہ کا مفاد اس میں ہے پاکستان کو پُر امن رکھا جائے، اور یہی ہماری حکمت عملی اور یہی ہمارا جہاد ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جہاد تلوار سے کیا جائے، ہر چیز کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے، جیسے نماز کے اوقات ہیں، ایسے اعمال کے بھی اوقات ومراحل ہیں۔ ہر زمانے میں اس عہد کے تقاضوں اور حالات کو سامنے رکھ کر حکمت وتدبر سے اپنی راہ نکالی جاتی ہے، اور یہی اصل جہاد ہے۔ ❶

۶ ...... پارلیمنٹ بحکم شوریٰ

اسلام میں شوری کی بہت اہمیت ہے، قرآن اور احادیث میں اس کے فضائل اور ترغیب مذکور ہے، انفرادی معاملات سے لیکر خاندانی، ملی اور ملکی معاملات میں شوری کا حکم دیا گیا ہے، اور آپ صلی علیہ وسلم زندگی بھر اس اسوہ حسنہ پر کار بند رہے، اور ان کے بعد پھر صحابہ کرامؓ نے نظام شوری کو قائم فرمایا تھا، لیکن ساتھ یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ شریعت میں

❶ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۲ ص ۴۳۲، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

اس کوئی خاص صورت پر زور نہیں دیا گیا ہے۔ عرب کے ایک محقق عالم علامہ عبدالوہاب خلافؒ نے اس بارے میں بڑی موزون گفتگو فرمائی ہے۔

ومن هذا تبين أن دعائم الحكومة فى الاسلام هى الشورى و مسئولية أولى الأمر واستمداد الرئاسة العليا من البيعة العامة. وهذه دعائم تعتمد عليها كل حكومة عادلة، لأن مرجعها ان يكون امر الأمة بيدها، وأن تكون هى مصدر السلطان . وقد قضت الحكمة ان تقرر هذه الدعائم غير مفصلة، لأن تفصيلها مما يختلف باختلاف الأزمان والبيئات. فالله أمر بالشورى وسكت عن تفصيلها ليكون ولاة الأمر فى سعة من وضع نظمها بما يلائم حالها، فهم الذين يقررون نظام انتخاب رجالها والشرائط اللازمة فيمن ينتخب وكيفية قيامهم بواجبهم وغير ذلك مما تتحقق به الشورى. ❶

”یہ بات ظاہر ہوگئی ہے اسلام میں حکومت کی بنیاد اور اُساس یہ چند امور ہیں: شوری، ارکان کے فرائض اور حاکم کے تقرر کے لئے بیعت عامہ۔ ان بنیادی امور پر ہر عادلانہ حکومت اعتماد کرتی ہے جس کے اختیار میں امت کے امور ہوتے ہیں، اور یہ سلطنت کی بنیادی امور ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ امور اوقات اور زمانوں کے اختلاف سے مختلف ہو سکتے ہیں، اس لئے حکمت کا تقاضا تھا کہ ان کی تفصیل اور تعیین نہیں کیا جائے۔ اللہ تعالی نے شوری کا حکم تو دیا ہے، لیکن اس کی تفصیل سے سکوت فرمایا ہے، تا کہ اصحاب اختیار کو اپنے زمانے اور حال کے مطابق ان امور کی نظم اور انتظام میں آسانی اور وسعت ہو، پس اصحاب اختیار ہی افراد کے انتخاب کا طریقہ کار، ان کی لازمی شرائط، ان کی ذمہ داریاں اور دوسرے ایسے

---

❶ السیاسۃ الشرعیۃ فی الشئون الدستوریۃ والخارجیۃ والمالیۃ، عبدالوہاب خلاف المتوفی ۱۳۷۵ھ، ص ۳۴، دارالقلم، ط ۱۴۰۸ھ

امور طے کرتے ہیں، جن سے شوریٰ تحقق اور وجود میں آتا ہے''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے پارلیمنٹ اور اسمبلی کو شوری کا نمونہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: خلافت راشدہ کے بعد کچھ طوائف الملوکی کا آغاز ہوا، مختلف خطوں میں مختلف امیر بنائے گئے ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں، ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جاسکتا ہے اور جب پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر متعذر ہو گیا اور ہر ملک ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی تو مسلمانوں نے اس کا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہ اس ملک کا امیر اولوالامر کہلائے، قرآن مجید کے ارشاد ''وامرھم شوری بینھم'' کے عموم سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے، اسمبلیاں اسی طرز عمل کا ایک نمونہ ہے۔ [1]

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ارکان پارلیمنٹ کا اہل شوریٰ اور اہل حل وعقد ہونے کے بارے میں بڑی تفصیل سے بحث فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں: شریعت نے اس شوریٰ کا کوئی خاص طریقہ ابدالآباد تک کے لئے مقرر نہیں فرمایا۔ یعنی یہ متعین نہیں فرمایا کہ اس مشورہ کا طریق کا کیا ہو؟ کن لوگوں کو مشورے میں شامل کیا جائے؟ اور شوریٰ کی ہیئت ترکیبی کیا ہو؟ بلکہ یہ تفصیلات ہر دور کے اہل بصیرت پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ اپنے اپنے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان باتوں کی تفصیلات طے کر سکتے ہیں۔ لہذا اس شوریٰ کا کوئی خاص ڈھانچہ شرعا ضروری نہیں ہے کہ اس کے لیے باقاعدہ کوئی کمیٹی یا باضابطہ اسمبلی ہو اور اس کے ارکان متعین ہوں، اور ہر معاملے میں اسی سے مشورہ کیا جائے، ہوسکتا ہے کہ کسی زمانے میں کوئی باقاعدہ منتخب مجلس شوریٰ قائم کر لی جائے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجلس شوریٰ متعین نہ ہو، بلکہ امام اُس دور کے اہل الرائے لوگوں کا انتخاب کر کے مشورہ کرلے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی کچھ لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرلیا، اور کبھی

[1] معارف القرآن، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ا ص ۱۸۶، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۴۱۷ھ

دوسروں سے مشورہ کرلیا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لوگوں کی صلاحیتوں کے لحاظ سے ایک معاملے میں کسی ایک فریق سے مشورہ کیا گیا اور دوسرے معاملے میں دوسرے فریق سے مشورہ کرلیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل میں خلافت راشدہ تک ایسا نہیں تھا کہ کوئی مجلس شوریٰ اس طرح باقاعدہ بنائی گئی ہو جیسے آجکل اسمبلی کے ارکان باقاعدہ مقرر کر لیے جاتے ہیں، بلکہ شوریٰ کے اصول پر سادگی سے عمل کرلیا جاتا تھا، اور خلیفہ اہم حضرات سے مشورہ کر کے اس بات کا اطمینان کرلیتا تھا کہ جو بات مشورے سے طے ہوئی ہے وہ امت کے اجتماعی ضمیر کی نمائندگی کرتی ہے۔ لیکن بدلتے ہوئے حالات میں اس کا کوئی منظّم ڈھانچہ مناسب ہوتو وہ بھی اس شوریٰ کے وسیع مفہوم میں شامل ہے...... اہل حل وعقد کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہونے چاہئیں جن کی بصیرت اور امانت ودیانت پر امت کو بحیثیت مجموعی اعتماد ہو۔ قبائلی زندگی میں اس قسم کے افراد ہر معاشرے میں متعین جیسے ہوتے تھے، اُن کے باقاعدہ انتخاب کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، لیکن موجودہ دور میں وہ صورت حال باقی نہیں رہی، اس کے لئے ایسے لوگوں کے تعین کے لئے باقاعدہ انتخاب کی ضرورت ہوگی۔ یہ انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہو، یا ان کے انتخاب کیلئے کوئی انتخابی ادارہ (الیکٹورال کالیج) ہونا چاہئے، اس بارے میں شریعت نے کوئی لگا بند دائمی حکم نہیں دیا۔ ❶

اضطرب كلام بعض العلماء فى اهل الحل والعقد من هم؟ وهل تشترط مبايعتهم كلهم ام يكتفى بعدد معين منهم؟ ام لا يشترط العدد؟ وكان ينبغى ان تكون تسميتهم باهل الحل والعقد مانعة من الخلاف فيهم، اذ المتبادر منه انهم زعماء الامة واولو المكانة وموضع الثقة من سوادها الاعظم بحيث تتبعهم فى طاعة من يولونه عليها فينتظم بى امرها، ويكون

---

❶ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی ص۲۴۹، ۲۵۰، ۲۶۷، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط۲۰۱۰ء

بمأمن من عصيانها وخروجها عليه. قال السعدى فى شرح المقاصد كغيره من المتكلمين والفقهاء: هم العلماء والرؤساء ووجوه الناس. ❶

''اہل حل وعقد کے بارے میں علماء کے کلام اضطراب اور اختلاف ہے، کہ یہ کون ہیں؟ اور خلیفہ کے لئے ان سب کی بیعت ضروری ہے یا ان سے کچھ معین عدد کافی ہے؟ یا عدد بھی شرط نہیں ہے؟ تاہم اہل حل وعقد کے نام سے موسوم ہونے کی بنا پر اختلاف نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ بات متبادر اور ظاہر ہے کہ اہل حل وعقد سے قائدین قوم، اصحاب حیثیت اور ایسے قابل اعتماد لوگ مراد ہیں کہ جس کو یہ لوگ امام اور حاکم بنائیں، تو عوام انھیں کا اتباع کرتے ہوئے اس امام کی اطاعت اور اس کے خلاف خروج اور نافرمانی سے اطمینان ہو۔ سعد الدین تفتازانیؒ نے شرح مقاصد میں دوسرے علماء متکلمین اور فقہاء کی طرح فرمایا ہے: کہ اہل حل وعقد سے مراد علماء، زعماء قوم اور اصحاب حیثیت ہیں''۔

وتنعقد الخلافة بوجوه: بيعة اهل الحل والعقد من العلماء والرؤساء وأمراء الاجناد ممن يكون له رأى ونصيحة للمسلمين، كما انعقدت خلافة ابى بكر رضى الله عنه. ❷

''خلافت منعقد ہونے کے کئی طریقے ہیں: ان میں سے ایک طریق ایسے اہل حل وعقد کی بیعت ہے جو علماء، رؤساء اور امراء لشکر پر مشتمل ہوں، اور وہ اصحاب رائے بھی ہوں اور مسلمانوں کے خیر خواہ بھی ہوں، جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اہل حل وعقد کی بیعت کرنے سے منعقد ہوئی تھی''۔

ان عبارات اور تصریحات سے معلوم ہوا کہ اسلام اور شریعت میں شوریٰ اور اہل حل وعقد کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے، ہر عصر اور زمانے کے مطابق اس کی کوئی بھی

❶ الخلافۃ، محمد رشید رضا المتوفی ۱۳۵۴ھ، ص ۱۸، ۱۹، الزہراء للاعلام العربی، القاہرہ، ط ن ❷ حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم المتوفی ۱۱۷۶ھ، الخلافۃ، ج ۲ ص ۲۳۱، دار الجیل بیروت، ط ۱۴۲۶ھ

صورت اختیار جا سکتی ہے، شوریٰ کی تشکیل کے لئے پارلیمنٹ، اسمبلی اور سینٹ وغیرہ مختلف صورتوں کو اپنانے اور اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

۷...... پارلیمنٹ میں علماء کی موجودگی کے مقاصد وثمرات

ا۔ اعلاء کلمۃ اللہ

سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ ایوان اقتدار اور پارلیمنٹ میں اعلاء کلمۃ اللہ، اسلامی نظام کے نفاذ، اور غیر شرعی امور کے سدّ باب کے لئے آواز بلند کی جائے، یہ مقصد احسن طریقے سے اب تک علماء نے ادا کیا ہے، انہوں نے ہر موقع پر اسلامی احکام کے نفاذ، اور غیر شرعی امور کی روک تھام کیلئے ہمیشہ اپنا فرض ادا کیا ہے، اور دین اور اسلام کی بلندی کے لئے پارلیمنٹ وغیرہ میں حاکم وقت کے سامنے ہمیشہ آواز حق بلند کی ہے، جو ایک قسم جہاد ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں: ’’اس سلسلہ میں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ جہاد صرف قتل وقتال ہی کا نام نہیں ہے گو وہ اس کا اعلیٰ فرد ہے، بلکہ ہر وہ سعی جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی قوۃ وغلبہ کے لئے ہو وہ سب ہی جہاد میں داخل ہے، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ دینے کو افضل جہاد ارشاد فرمایا ہے۔ لہذا جو سعی بھی اس سلسلہ میں ہوگی وہ سب ہی جہاد کے تحت داخل ہے‘‘۔ ❶

۲...... دفاع اسلام

علماء کرام نے سیاسی میدان میں اسلام کا بھرپور دفاع کیا ہے، انھوں نے اسلام کے بارے میں سیکولر اور مغربی ذہنیت والوں کی طرف سے کئے جانے والے شکوک وشبہات کا قلع قمع اور ازالہ کیا، اسلام کو ضابطہ حیات کے طور پر پیش اور ثابت کیا، عائلی قوانین سے لیکر

❶ الاعتدال فی مراتب الرجال (اسلامی سیاست)، شیخ الحدیث محمد زکریا متوفی ۱۹۸۲ء، ص ۵۹، اتحاد بک ڈپو دیوبند، ط ن

قومی اور صوبائی سطح پر قرآن وسنت کے خلاف بننے والے قوانین کے خلاف مورچا زن ہو کر ان قوانین کو ناکام بنایا۔ اس طرح کا عمل اور دفاع یقیناً نہی عن المنکر ہے۔

۳......ملکی آئین ودستور میں اسلامی دفعات شامل کروانا

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین ودستور میں بہت سے اسلامی دفعات شامل ہیں، قرارداد مقاصد، سرکاری مذہب اسلام، قرآن وسنت کی بالادستی، صدر اور وزیر اعظم کے لئے مسلمان ہونے کی شرط، ختم نبوت پر ایمان لازم ہونا وغیرہ اسلامی دفعات کا دستور میں شامل ہونا، اور اسمبلی اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہونا علماء کی کاوشوں کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ پھر مختلف ادوار میں ان دفعات کو ختم کرنے کے لئے بین الاقوامی اور اندرونی ہونے والی سازشوں کو سیاسی علماء ہی نے ناکام بنادیا ہے۔

۴......مساجد و مدارس کا تحفظ

جن ممالک میں علماء کرام اور مذہبی طبقہ سیاست میں سرگرم عمل ہیں وہاں پر مسجد اور مدارس آزادی کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، بار بار کوشش کے باوجود اہل اقتدار کو مدارس پر پابندی لگانے اور اپنے کنٹرول میں لینے میں کامیابی نہ مل سکی، اس کے برخلاف جہاں علماء ملکی سیاست سے لاتعلق ہیں وہاں مساجد و مدارس آزادی کیساتھ کام نہیں کر سکتے، اور نہ کوئی دینی کام تبلیغ کی صورت میں ہو یا جہاد کی صورت میں آزادی کیساتھ ہوسکتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ فرماتے ہیں "یہ اندیشہ بے جا نہیں ہے کہ اگر علماء حق نے اس ملک کی سیاسیات میں عملاً حصہ لے کر اسلامی نظام کے اجتماعی قیام وبقا کی کوئی صورت نہیں نکالی اور اس ملک کے نظام حکومت اور قوانین ساز مجالس میں اسلامی تحفظ کی راہ نہیں پیدا کی، تو خدانخواستہ ہمارے مساجد و مدارس اور خانقاہوں کی بڑی سے بڑی عمارتیں بھی بیکار

پڑی رہیں گی، کیونکہ لادینی اقتدار خواہ وہ نام نہاد مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہو وہ تمام مراسم اور شعائر اسلامی کو ایک ایک کر کے تباہ و برباد کر دیگا۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے شواہد موجود ہیں کہ جب گمراہ اور بے دینوں کے ہاتھ میں اقتدار آیا ہے تو انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا''۔ ❶

غیروں کے حکمران بننے سے مساجد و مدارس غیر محفوظ ہوتے ہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بقول انگریز کی عملداری سے پہلے صرف دہلی شہر میں ایک ہزار مدارس تھے اور بنگال میں اسی ہزار مدارس تھے، انگریز نے حکومت پر قبضہ کرنے اور ملک کو اپنے کنٹرول میں لینے کے ساتھ ان مدارس کو نیست و نابود کر دیا۔ ❷

انگریزوں کی عملداری میں مساجد یا تو گرجا گھروں میں تبدیل کر دی گئیں یا پھر انگریزی حکومت کے پارکوں اور چھاؤنیوں میں بدل دی گئیں، انگریز نے مسلمانوں پر عید کی نماز ادا کرنے اور دیگر دینی رسوم پر پابندی عائد کر دی، اسی طرح عائلی قوانین نکاح اور ازدواج کے قواعد و ضوابط بدل ڈالے۔ اسی طرح اندلس میں جب عیسائیوں کی حکومت آئی تو ساری مسجدیں کلیساؤں میں تبدیل کر دی گئیں، سارے کتب خانے غرناطہ اور قرطبہ کے چوراہوں پر کتابوں کے ڈھیر کی شکل میں اس طرح جلائے گئے کہ مہینوں آگ نہیں بجھی۔ ❸

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: ''تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جہاں علماء نے سب کچھ کیا لیکن زندگی کے حقائق سے امت کو روشناس نہیں کیا، اس ماحول میں اپنے فرائض کے انجام دینے کی انہوں نے تلقین نہیں کی ایک اچھا شہری، ایک مفید عنصر بننے اور اس ملک کی قیادت حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، وہاں اس ملک نے

❶ جمعیۃ العلماء کیا ہے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۳، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ۲۰۱۶ء

❷ نقش حیات، مولانا سید حسین احمد مدنی، متوفی ۱۹۵۷ء، ج ا ص ۱۸۲، ۱۸۳، دارالاشاعت کراچی، ط ن

❸ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۲۹۲، بیت العلوم لاہور، ط ن، اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۴۴، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

ان کو اس طرح اگل دیا جیسے لقمہ اگلا جاتا ہے اور ان کو اگل کر کے باہر پھینک دیا، اس لئے کہ انہوں نے اپنی جگہ نہیں بنائی تھی۔ آج ہندوستان کے مسلمان ایک دانشمندانہ اور حقیقت پسندانہ دینی قیادت کے محتاج ہیں، آج اگر مسلمانوں کو سو فیصد تہجد گزار بنادیں، سب کو متقی اور پرہیزگار بنادیں لیکن ان کا ماحول سے کوئی تعلق نہ ہو، وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ ملک کدھر جا رہا ہے، ملک ڈوب رہا ہے، ملک میں بداخلاقی، طوفان اور وباء کی طرح پھیل رہی ہے ملک میں مسلمانوں سے نفرت پیدا ہورہی ہے، تو تاریخ کی شہادت ہے کہ پھر تہجد تو تہجد پانچ وقت کی نمازوں کا پڑھنا بھی مشکل ہوجائے گا، اگر آپ نے دین داروں کے لئے اس ملک میں جگہ نہیں بنائی اور ان کو ملک کا بے لوث مخلص اور شائستہ شہری ثابت نہیں کیا جو ملک کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور ایک بلند کردار پیش کرتا ہے، تو آپ یاد رکھئے کہ عبادات، نوافل اور دین کی علامتیں اور شعائر تو الگ ہیں وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ مسجدوں کا باقی رہنا بھی مشکل ہوجائے، اگر آپ نے مسلمانوں کو اجنبی بنا کر اور ماحول سے کاٹ کر رکھا، زندگی کے حقائق سے ان کی آنکھیں بند رہیں اور ملک میں ہونے والے انقلابات، نئے بننے والے قوانین، عوام کے دل و دماغ پر حکومت کرنے والے رجحانات سے وہ بے خبر رہے تو پھر قیادت تو الگ رہی جو خیر امت کا فرض منصبی ہے، اپنے وجود کی حفاظت بھی مشکل ہوجائیگی''۔ (1)

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ اندلس کے سفرنامہ میں اس صورت حال کو یوں بیان فرماتے ہیں: ''سارا علاقہ چونکہ پہاڑی علاقہ ہے اس لئے ہر بستی میں کوئی نہ کوئی پہاڑ ضرور ہوتا اور ہر پہاڑ کی چوٹی پر ایک نمایاں کلیسا نظر آتا جس کا مینار اندلس کی مسجدوں کے مینار سے مشابہ ہوتا، سقوط اندلس کے کچھ عرصہ کے بعد

(1) علماء کا مقام اور انکی ذمہ داریاں، مولانا ابوالحسن ندوی متوفی ۱۹۹۹ء، ص۴۴...۴۷، مجلس نشریات اسلام کراچی، طن

چونکہ ملک کی تمام مسجدوں کو کلیساؤں میں تبدیل کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا، اسلئے غالب گمان یہی ہے کہ پہاڑوں کی چوٹی پر بنے ہوئے یہ کلیسا جن میں ہر جگہ ایک ہی طرز کا مینار نظر آتا ہے، کبھی مسجد رہی ہوں گی اور ان سے پانچ وقت کی اذانوں کی آواز گونجتی ہوگی، لیکن یہ مینار بزبان حال یہ کہتے نظر آتے ہیں۔

زمزموں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے ❶

۵......اپنی موجودگی اور بیداری کا احساس دلانا

علماء نے میدان سیاست، انتخابات اور پارلیمنٹ میں حصہ لے کر ان میدانوں میں اپنی موجودگی اور بیداری کا بھرپور انداز سے ثبوت پیش کرتے ہوئے یہ احساس دلایا ہے کہ ہم ان میدانوں کو سیکولر، مغرب نواز اور دین دشمنوں کے لئے کسی صورت میں خالی چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔ اور عددی قلت کے باوجود سیاسی پارٹیوں میں اپنی قیادت وسیاست کا لوہا منوایا، کہ اہم مواقع پر ان علماء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اور بڑی فخر کی بات یہ ہے کہ پارلیمنٹ اور دوسرے سرکاری اور سیاسی عہدوں تک پہنچنے کے باوجود ان سیاسی علماء نے متاثر ہوئے بغیر اپنی عالمانہ وضع اور لباس میں کوئی تبدیلی نہیں کی، مدرسے اور مسجد کی طرح پارلیمنٹ میں اکثر نے پگڑی پہننے کی سنت کو اپناتے ہوئے ''در پارلیمنٹ مدرسہ دیدم'' کا منظر اور نقشہ پیش کیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ایک دفعہ فرمایا: کہ موجودہ نظام سیاست میں علماء اسلام کا گامزن ہونا اور اپنی آواز کو مؤثر بنانا اور موجودہ نظام سیاست میں داخل ہوکر بے دینوں اور غیر مسلموں نیز حکومت وقت کے حملوں سے اسلام کی مدافعت کرنا

❶ دنیا مرے آگے، مفتی محمد تقی عثمانی، ص۲۳، ۲۴، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط۲۰۱۲ء

کس قدر ضروری ہے، اور اس وقت اگر نظام سیاست (پورا کا پورا) بے دین لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جائے تو آئندہ اور کس قدر نقصانات ہو سکتے ہیں۔ ❶

مفکر اسلام فقیہ الملۃ حضرت مولانا مفتی محمودؒ فرمایا کرتے تھے: اسمبلی کے اندر میری موجودگی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے خلاف کوئی کاروائی، قانون سازی مکمل نہیں ہو سکے گی۔ میں حضرت صدیق اکبر کے خطبے سے راہ نمائی حاصل کرتا ہوں، جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ "اینقص دین الله و انا حیّ"۔ ❷

❶ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۶۵، جمعیت پبلی کشنز لاہور، ط ن

❷ تذکار محمود رحمہ اللہ، محمد فاروق قریشی، ص ۱۸۸، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۰۶ء

باب چہارم: پارلیمانی سیاست پر چند اعتراضات اور ان کے جوابات

پہلا اعتراض: انتخابی اور پارلیمانی سیاست کے ذریعے سے نفاذ اسلام مشکل بلکہ ناممکن ہے

جو حضرات موجودہ سیاسی جدوجہد کے مخالف ہیں، ان کا بڑا اعتراض اور اشکال یہ ہے کہ اب تک ستر سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہے، لیکن اسلام کا نفاذ نہیں ہوسکا، تو یہ جدوجہد فضول اور سعی لا حاصل ہے، اس لئے علماء کا اس میں حصہ لینا درست نہیں ہے۔

جواب، اولاً: ہم کہتے ہیں کہ مسلمان جدوجہد کا مکلّف ہے، نتیجہ حاصل کرنا وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، انسان کے اختیار میں نہیں ہے، اور نہ انسان اس کا مکلّف ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ توکل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ توکل بے دست وپائی اور ترک عمل کا نام نہیں، بلکہ اس کا نام ہے کہ پورے عزم وارادہ اور مستعدی سے کام کو انجام دینے کے ساتھ اثر اور نتیجہ کو خدا کے بھروسہ پر چھوڑ دیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ خدا مددگار ہے تو کوئی ہم کو کوئی ناکام نہیں کرسکتا، اور اگر وہی نہ چاہے تو کسی کی کوشش ومدد کارآمد نہیں ہوسکتی، اس لیے ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اپنے کام میں خدا پر بھروسہ رکھے۔ (۱)

حدیث شریف کے مطابق ایسا انبیاء کرام بھی گذرے ہیں جن پر ایک یا دو امتی ایمان لاچکے، بلکہ ایسے بھی ہیں جن پر ایک نے بھی ایمان نہیں لایا۔ تو انھوں بھرپور جدوجہد اور دعوت کا کام کیا، لیکن نتیجہ مرتب نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کو ناکام نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح فلسطین وغیرہ میں جو کئی دہائیوں سے جہاد ہورہا ہے، لیکن اب تک کامیابی اور مقصد حاصل نہیں ہوسکا ہے، تو کیا اس وجہ سے ان کو جہاد چھوڑنے اور کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا جائے گا؟

---

(۱) سیرۃ النبی ﷺ، علامہ سید سلیمان ندوی متوفی ۱۹۵۳ء، ج ۵ ص ۲۲۸، دارالاشاعت کراچی، ط ۱۹۸۵ء

ثانیاً: پارلیمانی سیاست کا مقصد نفاذ اسلام بھی ہے، لیکن ساتھ دوسرے مقاصد بھی ہیں، جن کا تذکرہ اس پہلے والے عنوان میں تفصیلا ہو چکا ہے: کہ اعلاء کلمۃ اللہ، دفاع اسلام، تحفظ مساجد و مدارس، ائین میں اسلامی دفعات کے تحفظ، اور اپنی موجودگی کا احساس دلانا، ان مقاصد میں علماء سیاست سو فیصد کامیاب رہے ہیں، ہمارے علم میں صرف ایک دفعہ جنرل مشرف کے دور میں ''حقوق خواتین بل'' کے نام سے ایک غیر شرعی بل قومی اسمبلی سے پاس ہوگیا تھا، وہ بھی بعد میں شرعی عدالت نے ائین سے متصادم قرار دیتے ہوئے منسوخ کیا۔ اسی طرح کچھ صوبائی اسمبلیوں سے جو غیر شرعی بل پاس ہو گئے تھے، وہ سیاسی علماء خصوصا قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی کوشش اور جدوجہد سے وہ بل واپس کر دے گئے۔ الحاصل اسمبلی میں تقریبا ساڑھے تین سو ممبروں میں آٹھ دس علماء کی موجودگی میں اولا غیر شرعی بل پاس نہیں ہوسکا ہے، اور اگر ہوگیا ہو تو بعد میں ختم کر دیا گیا ہے۔ تو نقصانات اور غیر شرعی بلوں کے لئے مانع اور رکاوٹ بننا، اور اسلام کا دفاع کرنا بھی اسلام کی بڑی خدمت اور کامیابی ہے۔

ثالثاً: جو حضرات اس نظام اور ملک پاکستان کو غیر اسلامی کہتے ہیں، ان کے ذہنوں میں یہ بات ہے، کہ جب تک نظام خلافت قائم نہ ہو اس وقت تک یہ نظام اور ملک اسلامی متصور نہیں کر سکتے ہیں۔ ہم نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ خلافت راشدہ اسلام نظام کا ایک مثالی آئیڈل اور نمونہ ضرور ہے، اور اسی طرح کے نظام کے لئے کوشش اور جدوجہد کرنا چاہئے، تاہم اسلامی نظام خلافت میں منحصر نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کی عملی کمزوریوں کے ساتھ ایک کمزور نظام پر بھی کسی حد تک اسلام کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں، اور ان کے ایمان اور اعمال اور زندگی مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ ضرور ہے، لیکن مؤمن بننا ان کے ایمان اور اعمال میں منحصر نہیں ہے، بلکہ موجودہ وقت میں عملی کمزویوں کے باوجود ان مسلمانوں کو مسلمان کہیں گے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: کون نہیں جانتا کہ اسلام اور اس کی تعلیمات کا اصلی نصب العین یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے اعمال، اخلاق، معاشرت اور زندگی کے ہر گوشہ میں خالص اسوہ رسول اللہ ﷺ کا پورا پورا پابند ہو۔ ان کا امیر ہو تو اسی صورت و سیرت کا، فوج ہو تو اسی کردار و عمل کی، رعیت ہو تو انہیں کے نقش قدم پر، نماز، روزہ، حج زکوٰۃ سب ان آداب و شرائط کی حامل ہوں جو آنحضرت ﷺ نے قولاً و عملاً تعلیم فرمائے، مگر اس کے ساتھ آج کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہماری نماز اور روزہ ایسا ہی روزہ ہے، اخلاق وہی ہے جو قرآن نے ہمیں بتلائے ہیں۔ ❶

لہذا پاکستان کے موجودہ نظام میں بہت سے خامیوں اور کمزوریوں کے بوجود اس کو اسلامی مملکت تصور کریں گے، اور علماء سیاست کی جدوجہد کی بدولت ہی دستور اور آئین میں اسلامی دفعات کی وجہ سے اس کو اسلامی ملک سمجھیں گے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جو بانیان پاکستان میں سے ہیں، انھوں پاکستان میں اسلام کے بارے میں اپنا نقطہ نظر یوں بیان کیا ہے: پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے، یہ سن کر کسی شخص کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ اس خطے میں فوراً بلا تاخیر خلافت راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا یا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش حقیقت پسند کے لئے زیبا نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ ہونے پر کسی وقت منتہی ہو سکتا ہے۔ ❷

رابعاً: جو حضرات خلافت راشدہ کے علاوہ دوسرے نظام اور طریقہ کار کو تسلیم اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، ان کے ذہنوں اور افکار میں صحابہ کرامؓ کے نظام اور طریقہ تو ہے، لیکن

❶ جواہر الفقہ، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۵ ص ۴۵۰، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء ❷ حیات عثمانی، پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۴۹۰، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۱۹۸۸ء

زمانہ اور حالات کا ادراک ان کو نہیں ہے۔ کیا موجودہ زمانہ، حالات اور اعمال اُس زمانہ کے حالات جیسے ہیں؟ وہ تو خیر القرون کا زمانہ تھا، جس کی افضلیت اور خیریت کی گواہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور ساتھ فرمایا کہ تین قرون کے بعد جھوٹ عام ہونے کا زمانہ شروع ہوگا۔ ❶

اسلام قیامت کے لئے ایک دائمی نظام ضرور ہے، لیکن ساتھ بڑا لچکدار ہے، عقائد اور اصول کے علاوہ اعمال اور فروع کے باب میں کسی ایک خاص صورت کو لازم نہیں کیا ہے، بلکہ حالات اور اشخاص کا لحاظ مدنظر رکھا ہے، بچپن، جوانی، بڑھاپے، طاقت اور کمزوری کی رعایت اور لحاظ ضرور رکھا ہے۔ نماز ہی کو دیکھیں تو اس میں سفر اور حضر اسی طرح صحت اور بیماری کے احکام اور طریقہ کار میں فرق نظر آتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین کے قصاص کا مطالبہ کیا گیا، جو حق مطالبہ تھا، اور حضرت علیؓ کو بھی اس مطالبہ کے برحق ہونے میں اشکال نہیں تھا، اور وہ قصاص کو قرآن کا حکم اور فرض ہونے کے قائل تھے۔ اور ان کو فیصلوں کرنے میں جو مقام حاصل تھا، وہ کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے، کہ امت میں جب بھی کوئی لاینحل مسئلہ درپیش آیا، تو لوگوں کو حضرت علیؓ یاد آتے ہوئے مستقل محاورہ بن گیا کہ "قضیۃ لا ابا حسن لھا"، لیکن جس منصب پر وہ فائز تھے، اور ان کو جن حالات کا ادراک اور احساس تھا، اس بنا پر انھوں نے اس وقت اس فرضی حکم اور حق مطالبہ ماننے سے معذرت کی۔

ولما استقر امر بيعة على دخل عليه طلحة والزبير ورؤس الصحابة رضى الله عنهم، وطلبوا منه اقامة الحدود والأخذ بدم عثمان. فاعتذر اليهم بأن هؤلاء لهم مدد واعوان. ❷

❶ جامع الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ المتوفی ۲۷۹ھ، ابواب الشہادات، ج ۴ ص ۱۲۵، دار الغرب الاسلامی بیروت، ط ۱۹۹۸ء ❷ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر اسماعیل بن عمر المتوفی ۷۷۴ھ، ذکر بیعۃ علی رضی اللہ عنہ بالخلافۃ، ج ۷ ص ۲۵۵، دار احیاء التراث الاسلامی، ط ۱۴۰۸ھ

''جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کا معاملہ قائم ہوا، تو حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دوسرے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، اور حد قائم کرنے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کیا، جواب میں حضرت علیؓ نے عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا: کہ قاتلین بڑی طاقتور ہیں، ان کے معاون بہت ہیں۔ (اس لئے اب یہ مناسب وقت نہیں، بلکہ مزید فساد اور خون خرابے کا اندیشہ ہے)۔

ولم يكن خلافهم في اصل المسئلة، وانما في الطريقة التي تعالج هذه القضية، اذ كان امير المؤمنين علي رضي الله عنه موافقا من حيث المبدأ على وجوب الاقتصاص من قتلة عثمان، وانما كان رأيه ان يرجى الاقتصاص من هؤلاء الى حين استقرار الاوضاع وهدوء الأمر واجتماع الكلمة، وهذا هو الصواب. [1]

''اصل مسئلہ میں اختلاف نہیں تھا، بلکہ اس دردناک واقعے کے اثارات ختم کرنے کے طریقے کے بارے میں اختلاف تھا، اصولی طور پر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے اور واجب ہونے میں ان کے ساتھ تو متفق تھے، البتہ ان کی رائے یہ تھی کہ فی الحال اس مسئلے اور مطالبے کو مناسب، پُرسکون حالات، اور اختلاف کے فتنہ کے ختم ہونے تک مؤخر کیا جائے، اور وہ اس بارے میں بجانب حق تھے''۔

بہرحال اسلام اور خلافت کے نظام کے قائم کرنے میں بھی حالات کے تقاضوں اور مشکلات کا احساس اور ادراک ضروری ہے۔ اب ہم پاکستان میں اسلامی نظام میں درپیش مشکلات اور رکاوٹوں کا مختصر طور پر بیان، اور ساتھ ان مشکلات کے باوجود سیاسی علماء کرام کی پیش قدمی اور ارتقائی مراحل کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں، تاکہ تنقید اور اعتراضات کے بجائے

[1] الدولۃ الامویۃ عوامل الازدھار وتداعیات الانھیار، علی محمد بن الصلابی المعاصر، ج۱ ص۱۰۰، دار المعرفۃ بیروت، ط۱۴۲۹ھ

حقیقت پسندانہ رائے اور صورت حال واضح ہو جائے۔

اگر ہم پاکستان کی ابتدا کی طرف جائیں اور سب سے پہلے افواج پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کریں، تو ہم کو تینوں افواج کے چیف کمانڈر غیر مسلم انگریز نظر آتے ہیں۔ بری فوج کا سربراہ جنرل میسروی، فضائیہ کا سربراہ ایل آر ایچرے اور بحری فوج کا سربراہ ڈجیمز ولفریڈ تھے۔ جب ہم انتظامیہ کو دیکھتے ہیں تو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس جو ۱۰ سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں منعقد ہوا تھا اس کے چیئرمین اور صدارت کرنے والا ایک غیر مسلم جوگندر ناتھ منڈل کا نام آتا ہے، وزیر خارجہ ظفر اللہ خان قادیانی کو بنایا جاتا ہے، صوبہ پنجاب کا گورنر انگریز سر فرانسس اور مشرقی پاکستان کا گورنر انگریز سر فریڈرک بنتے نظر آتے ہیں۔ ❶

ہم جب آئینی اور سیاسی مسئلے کی طرف نظر کرتے ہیں، تو اس بارے میں پاکستان کا دور اول مخدوش نظر آتا ہے، ۱۹۴۷ء سے لیکر ۱۹۵۶ء تک پاکستان اپنے آئین کے بغیر انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء پر چلتا ہوا نظر آتا ہے، اور پھر ۱۹۶۵ء میں صدارتی انتخابات کا انعقاد ہوتا ہے۔ اس دوران پاکستان سیاسی عدم استحکام کا شکار نظر آتا ہے، ۱۹۵۱ء سے لیکر ۱۹۵۸ء تک پاکستان میں سات گورنر جنرلز اور وزیر اعظم تبدیل ہوتے ہیں، اور اس کے بعد ۱۹۷۰ء تک جنرل ایوب خان اور جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کا دور ہوتا ہے، ۱۹۷۰ء میں جا کر عام انتخابات کا انعقاد ہوتا ہے۔ پاکستان میں اس قلیل عرصے میں سات وزیر اعظم تبدیل ہوتے ہیں، لیکن ہمسایہ ملک انڈیا میں اس دوران صرف ایک وزیر اعظم ہوتا ہے، اور اس کے بعد وہاں مارشل لاء نہیں لگتا، جس پر جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ میں اتنے عرصے میں اتنی دھوتیاں نہیں بدلتا جتنے عرصے میں پاکستان میں وزیر اعظم تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ❷

پھر اس کو بھی دیکھنا ہے کہ پاکستان کے ارباب اقتدار اسلام کے بارے میں خواہ کتنا

❶ عہد ساز قیادت، ڈاکٹر احمد حسین کمال، ص ۲۸، ۳۰، جمعیت پبلیکیشنز لاہور، ط ۲۰۰۰ء

❷ امور سیاسیات، پروفیسر رانا اعجاز، ص ۴۸۰...۴۸۴، ڈوگر پبلشرز لاہور، ط ۲۰۰۴ء

ہی مخلص اور ہمدرد ہوں، لیکن وہ قرآن وسنت کے عالم اور مدرسے کے فاضل تو نہیں ہوتے، اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ ایک خاص سنی اور دیوبندی مسلک کے پابند ہوں، تو ان سے تحریک طالبان افغانستان والے جیسے نظام اور حکومت کی امید اور توقع رکھنا شاید مناسب نہ ہو۔

قائداعظم محمد علی جناح صاحب جن کو بانی پاکستان تصور کیا جاتا ہے، وہ برطانیہ سے پڑھے ہوئے ایک بڑے قانون دان بیرسٹر ضرور تھے، لیکن کسی مدرسے کے فاضل نہیں تھے، اور ساتھ وہ سنی نہیں تھے، بلکہ ابائی طور پر شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ❶

اور ساتھ یہ کہ وہ ابتدا میں سیاست کو مذہب سے الگ سمجھتے تھے، لیکن علماء سیاست کی کوششوں سے ان کی رائے میں تبدیلی آئی، اور بعد میں ان کے فرمودات حوصلہ افزا نظر آتے ہیں، چنانچہ ۱۹۳۸ء میں ان سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی ملاقات ہوئی، تو انھوں نے یہ فرمایا: کہ میرے خیال میں سیاست کو مذہب سے الگ رکھا جائے، اس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے فرمایا: کہ یہ تو یورپ کی سیاست ہے، جو حقیقت میں سیاست نہیں، بلکہ چنگیزی ہے، اسلامی سیاست یہ ہے کہ خلیفہ اسلام قائد جنگ بھی ہو اور نماز کا بھی امام ہو۔ جب تک مسلمان اس طرح رہے، تو ہر صورت میں کامیابی ان کے قدم چومتی تھی، وہ دنیا میں معزز اور باکردار تھے، لیکن جب سے سیاست نے مذہب کو چھوڑا اس وقت سے مسلمان روبہ تنزل ہونا شروع ہوگئے۔ اور اس بارے میں انھوں نے مصطفیٰ کمال اتاترک اور امان اللہ خان وغیرہ کی مثالیں پیش کیں کہ جب بھی سیاست کو مذہب سے الگ کیا گیا، تو نہ صرف عام مسلمانوں کا نقصان ہوا بلکہ مذہب کو الگ کر کے سیاست کرنے والے بھی اس کا نشانہ بنے۔ اس تقریر کا قائداعظم پر اتنا بڑا اثر ہوا کہ اگلے روز مسلم لیگ کے اجلاس میں یہ

❶ کفایت المفتی، مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ متوفی ۱۹۵۲ء، ج ۹ ص ۳۹۵، ۳۹۹، دار الاشاعت کراچی، ط ۲۰۰۱ء، جواہر الفقہ، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۵ ص ۳۰۸، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء

اعلان کر دیا کہ اسلام عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے، قرآن حکیم نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے، اس لئے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہئے۔ ❶

اسی طرح جب علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی کوششوں سے لیاقت علی خان صاحب کے دور میں قرار داد مقاصد منظور کی گئی، اور بعد میں جب اس کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں، تو علامہ عثمانیؒ نے ان سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے بڑی محنت اور جد و جہد کی، ایک بار حاکم وقت گورنر جنرل ملک غلام محمد نے علامہ عثمانیؒ سے کہا: کہ مولانا! اپ کو یہ اپنی روش بدلنا پڑے گی، ورنہ نو جوان بھڑک اٹھیں گے، اور کہیں پاکستان کا بھی اسپین والا معاملہ نہ ہو۔ اس کے جواب میں علامہ عثمانیؒ نے فرمایا: ملک صاحب! مجھے سپین سے نہ ڈرائیے، بلکہ افغانستان کے حالات سے عبرت حاصل کیجئے، جہاں کے بادشاہ امان اللہ خان نے خلاف اسلام سرگرمیاں شروع کیں تو اسے ملک چھوڑنا پڑا۔ ❷

وزیر اعظم لیاقت علی خان صاحب مرحوم جن کو ایک اچھا اور اسلام پسند وزیر اعظم تسلیم کیا جاتا ہے، ان کے بارے میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ فرماتے ہیں: کہ ایک دفعہ ان سے ملنے کے لئے میں اور مولانا شبیر علی اسمبلی گئے، اور ان سے یہ سوال کیا کہ کیا کہ پاکستان کے اندر تو اسلامی نظام نافذ ہوگا؟ تو اس کے جواب میں انھوں کہا کہ ہاں! ہوگا، اور قرآن وسنت کے مطابق ہوگا۔ لیکن چلتے چلتے ایک ایسی بات کہہ دی جس سے مجھے تکلیف پہنچی، وہ کہنے لگے: کہ مولانا! ٹخنے کٹا پاجامہ نہیں پہنایا جائے گا،۔ (یعنی مولوی کا اسلام اور لباس اور ٹخنوں سے اوپر والا پاجامہ نہیں ہوگا۔)

۱۹۵۰ء میں لیاقت علی خان صاحب نے ایک دستور نافذ کرنا چاہا، لیکن غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے علماء سیاست نے اس کو مسترد کر دیا، اور ایک اسلامی دستور کا مطالبہ کیا۔ تو

❶ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۵۱۷، ۵۱۸، بیت العلوم لاہور، ط ن

❷ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۵۶۵، ۵۶۶، بیت العلوم لاہور، ط ن

لیاقت علی خان صاحب نے اس پر کہا کہ آپ لوگوں نے تو میرے دستور کو مسترد کردیا، اب آپ میں سے کس کا اسلام اور دستور نافذ کیا جائے؟ شیعہ کا یا سنی کا، بریلوی کا یا دیوبندی کا؟ اس کے حل کے لئے علماء دیوبند کی کوششوں سے تمام مسالک اور مکاتب فکر کا ایک حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے ہاں کراچی میں ایک اجتماع منعقد ہوا، جس میں تمام مکاتب فکر نے متفقہ طور ایک اسلامی دستوری خاکہ منظور کیا، جو ۲۲ نکات کے نام سے مشہور ہے۔ ❶

پھر قائداعظم صاحب کے بعد جو لوگ مسند اقتدار پر براجمان رہے، اور اپنے آپ کو جانشین قائداعظم کہلاتے تھے، ان کے بارے میں قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا تبصرہ یوں ہے: قائداعظم کے کس قول پر یہاں عمل ہو رہا ہے؟ اب تو اخبار کے کسی گوشے میں یا ٹی وی کے خبر نامے سے قبل ان کا قول نظر آتا ہے، عمل تو کہیں نہیں ہوتا، قائد اعظم تو اس ملک میں بڑا مظلوم ہو کر رہ گیا ہے۔ اب وہ اگر اس مسلم لیگ کو دیکھتے، اپنے وارثوں کے کردار کو دیکھتے تو پتا نہیں انہیں کتنا دکھ ہوتا۔ ان کے تصورات پر یہ ملک نہیں چل رہا ہے، ان کے تصورات ان کے ساتھ دفن ہو گئے۔ ❷

یہ تو ایک طرف مشکلات اور رکاوٹوں کا ایک اجمالی بیان تھا، دوسری طرف ان تمام مشکلات کے باوجود علماء کرام نے اسلامی نظام کے لئے اپنا سفر کامیابی سے طے کرتے رہے، قرارداد مقاصد، اسلامی سفارشات، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں اسلامی دفعات کی شمولیت، ایوب خان دور کے منظور شدہ غیر شرعی عائلی قوانین کی منسوخی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور دیگر مغربی افکار والوں کی اسلام میں تخریب کاری اور خرافات کی مدافعت اور مقابلہ، مارشل لاء کے خاتمے اور تحریک ختم نبوت اور دیگر اسلامی دفعات کے

---

❶ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۵۶۹...۵۷۱، بیت العلوم لاہور، ط ن

❷ ماہنامہ سطور انٹرنیشنل کراچی، جولائی ۲۰۰۰، بحوالہ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۲ ص ۱۹۲، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

لئے قربانیاں اور جیلوں کی صعوبتیں اور قید و بند برداشت کرنا، اسمبلی اور باہر بھرپور تحریکوں کی قیادت کرنا، اور خصوصاً ۱۹۷۳ء آئین میں اسلامی دفعات کے ساتھ قادیانی اور منکرین ختم نبوت کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا قائدین ملت اسلامیہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک وغیرہ حضرات کا ایک ایسا کامیاب روشن اور تاریخ کا کامیاب ترین کارنامہ ہے، جس کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے وہ کم ہے، انھوں نے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب، جناب خان عبدالولی خان صاحب اور اس طرح دیگر مختلف الخیال اور سوچ والے حضرات کو قائل کر کے ان سے اس کارنامہ پر دستخط ثبت فرما دیئے۔

دوسروں پر تنقید کرنا آسان ہے، لیکن خود کام کرنا مشکل ہوتا ہے، لہذا ان اکابرین پر تنقید کرنے والے حضرات کو نہ ان حالات کا احساس اور ادراک ہے، اور نہ وہ میدان سیاست کے افراد ہیں، خود تو نفاذ اسلام کے بارے میں ان کی خدمات صفر کے درجے میں ہیں، ان کی خدمات اور ذمہ داری صرف دوسروں پر اعتراضات اور تنقیدات کی ہے، اگر اس میدان میں خود ان کے کچھ کارنامے ہوتے، پھر تو ان کے اعتراضات اور تنقیدات کی کوئی حیثیت ہوتی، لیکن جب ان کی خدمات اور مساعی صفر کے درجے میں ہیں، تو پھر ان کو دوسروں پر اعتراضات کا کوئی حق نہیں ہے۔

مکمل طور پر شریعت نافذ نہ ہونے کے چند اسباب

پاکستان میں علماء کرام اور مذہبی جماعتوں کی سعی اور کوشش کے باوجود اب تک مکمل شریعت نافذ نہیں ہوسکی ہے، اس کے چند اسباب ہیں:

۱...... اکثر عوام کی دین سے دوری اور غفلت: پاکستان میں بہت سے لوگ دین سے دور ہیں، وہ نماز جیسے عبادت کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، تو شرعی نظام کی اہمیت اور خواہش ان

کو کیسے ہوگی؟ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس بارے میں فرماتے ہیں: اگر مسلم عوام دین پر پختہ ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ قیادت کے انتخاب میں غیر متشرع لوگوں کو غلبہ ہو... جیسے عام مسلمان ہونگے ویسا ہی نظام ہوگا، وہ اگر دیندار ہیں تو قرآنی نظام اور عین شریعت ہوگا، اور خدانخواستہ اگر عام مسلمان ہی دین سے غافل یا اس کے خلاف ہوئے تو نظام شرعی کی امید رکھنا اپنے کو دھوکہ دینا ہے۔ ❶

اس کا علاج قائد مولانا فضل الرحمٰن صاحب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: غلبہ اسلام کے لئے ذہن سازی کی ضرورت ہے... اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر قرآن وسنت پر مبنی نظریہ کو اتنا پھیلایا گیا کہ اسے عوامی کی بھرپور تائید حاصل ہوئی تو اسلام کا غلبہ ضرور ہوگا۔ اور قرآن کریم بھی یہی تصور پیش کرتا ہے کہ دین حق اس لئے ہے کہ تمام نظریات پر غالب آجائے۔ ❷

۲...... نا اہل قیادت: پاکستان میں جو حکمران آئے ہیں، وہ بھی دین بیزار اور مغربی ذہن رکھنے والے حکمران ہیں، وہ اسلام کے نفاذ میں رکاوٹ ہیں، اگر کبھی اسلام کا نعرہ لگایا تو وہ بھی اپنی حکمرانی کو طول دینے کے لئے۔ اسلام اور شریعت نافذ کرنے میں وہ کبھی بھی مخلص نہیں رہے ہیں۔ جب تک ان کی جگہ صالح اور اسلام پسند افراد منتخب نہ کیا جائے، تو مکمل شریعت کا نفاذ مشکل ہے۔ قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں: وہ عناصر ہمارے ملک پر غالب ہیں جو اس ملک میں انگریز کے قانون کا تحفظ چاہتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ملک پر جس طبقہ کا غلبہ ہے اس سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی موجودگی میں جس طبقے کا تعلق ہے، ان کے مفادات کو تحفظ اسلام میں نہیں ہے...... یہ ضرور

❶ جواہر الفقہ، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۵ ص ۴۵۵، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء ❷ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۱ ص ۱۵۵، ۱۵۶، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

ہے کہ ہمارے پاس جتنے وسائل ہے چاہے ہماری اسٹیبلشمنٹ ہو، چاہے وہ قوتیں جو اقتدار میں چاہے وہ سرمایہ دار اور جاگیردار ہوں، یہ سب کے سب اسلام کا راستہ روکتے رہے، اور صرف مذہبی قوتیں تھیں جو اس راہ پر چل کر کچھ نہ کچھ کامیابیاں حاصل کرتی رہیں۔ ❶

اس کا علاج یہ ہے کہ نظام کی تبدیلی کے لئے حکمران قیادت کو تبدیل کیا جائے۔ چنانچہ قائد جمعیت فرماتے ہیں: دو چیزیں ہیں ایک نظام کی تبدیلی اور دوسری قیادت کی تبدیلی، اور یہ ذمہ داری قوم پر پڑتی ہے۔ اور ہم عوام سے رابطے کر رہے ہیں اور قوم کو احساس دلا رہے ہیں کہ اگر وہ حقیقت میں آزاد رہنا چاہتی ہے اور مسلط غلامی سے نکلنا چاہتی ہے تو وہ آزادی کے جذبے سے ایک بار پھر از سر نو منظّم ہو۔ اگر فرنگی کے خلاف ڈیڑھ سو سال تک علماء کی قیادت میں آزادی کی تحریک چلائی گئی تھی، تو آج بھی ان علماء کے سیاسی وارث ہی آزادی کے لئے لڑ سکتے ہیں۔ ❷

۳۔ علماء کرام کا سیاسی مسائل کو اجاگر نہ کرنا: علماء کرام کا معاشرہ پر بڑا اثر ہے، جن مسائل میں علماء نے عوام کا اعتماد حاصل کیا ہے، ان مسائل میں عوام ان ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، خواہ وہ نماز اور دوسرے عبادات کے مسائل ہوں، چاہے نکاح وطلاق کے مسائل ہوں، ان سب میں عوام ان ہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ کسی جاگیردار، سرمایہ دار یا بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو عوام نہ مسائل ان سے پوچھتے ہیں اور نہ ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک سیاست اور حکومت کے مسائل اور ذمہ داریاں ہیں، عموماً علماء کے بجائے عوام دوسرے طبقات پر اعتماد کرتے ہیں، اور وہ اپنے مسائل کا حل انہیں کے پاس تلاش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام علماء کرام نے دوسرے مسائل کی طرح سیاسی مسائل

❶ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۱ ص ۲۲۷، ج ۳ ص ۱۴۹، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء ❷ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۲ ص ۲۸۷، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

کو اجاگر نہیں کیا ہے، اور اپنے بیانات اور مواعظ میں سیاسی مسائل پر ان کی گفتگو نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس کے متعلق مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: یہ صحیح نہیں کہ اقتصادیات و شخصیات کی اصلاح تو علماء کا فرض ہو اور سیاست سے علیحدہ رہنے کی انہیں ہدایت کی جائے، اور سیاسیات کو مذہبی دائرہ سے خارج سمجھ کر ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیا جائے جو مذہبی معلومات پر چنداں عبور نہیں رکھتے،،۔ ❶

دوسرا اعتراض: موجودہ جمہوری سیاست میں ایک جاہل اور عالم کے ووٹ برابر ہے

معترضین حضرات کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ موجودہ طرز انتخاب اسلام اور شریعت کے اس لئے متصادم ہے، کہ اس میں ایک عام آدمی اور عالم کے ووٹ برابر ہے۔

جواب: اس حد تک تو یہ بات درست ہے کہ ایک عالم کی رائے اور ووٹ کو عام اور جاہل شخص کے رائے پر ترجیح ہونی چاہئے، لیکن اگر اس ترجیح والی صورت پر عمل نہ ہو، تو اس بنا پر اس عمل کو شریعت سے متصادم قرار نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ شریعت نے اس بارے میں کوئی خاص حکم اور صورت کو لازم اور واجب قرار نہیں دیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نامزدگی اور خلیفہ مقرر کرنے میں چیف الیکشن کمشنر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا امتیاز مردوں، عورتوں اور بچوں سے بھی ووٹ اور رائے طلب کی تھی، تقریباً تمام حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور انتخاب کے بارے میں اپنا ووٹ اور رائے دی۔

ثم نهض عبد الرحمن بن عوف رضى الله عنه يستشير الناس فيهما،

---

❶ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۳۹۵، بیت العلوم لاہور، ط ن

ویجمع رأی المسلمین برأی رؤس الناس واقیادھم جمیعا واشتاتا، مثنیٰ وفرادیٰ، ومجتمعین، سرا وجھرا، حتی خلص الی النساء المخدرات فی حجابھن، وحتی سأل الولدان فی المکاتب، وحتی سأل من یرد من الرکبان والاعراب الی المدینة، فی مدة ثلاثة ایام بلیالھا، فلم یجد اثنین یختلفان فی تقدم عثمان بن عفان، الا ما ینقل عن عمار والمقداد انھما أشارا بعلی بن أبی طالب. ❶

''پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے اور تیار ہوکر لوگوں سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں مشورہ کرنے لگے، تین دن اور رات لوگوں سے انفرادی، دودو سے اور مجمع سے بھی رازداری اور جہری دونوں طور پر رائے طلب کرتے ہوئے عام لوگوں، اور صاحب حیثیت اور قائدین سب کی رائے برابر حساب کر کے جمع کرتے، حتی کہ پردہ میں پردہ نشین خواتین اور مکاتب کے طلبہ اور بچوں کے پاس پہنچ کر ان سے بھی رائے طلب کی، حضرت عمارؓ اور مقدادؓ کے علاوہ سب نے بلا اختلاف حضرت عثمانؓ کے بارے میں مشورہ دیا، اور صرف ان دوحضرات نے حضرت علیؓ کے بارے میں مشورہ دیا''۔

بلکہ بعض صورتوں میں عالم کے بجائے جاہل کی رائے اور اس کو ذمہ داری سونپنا زیادہ راجح ہوسکتا ہے۔ اجتماعی اور مملکتی امور کے چلانے کے لئے علم اور سیاسی مہارت دونوں صفات کسی میں جمع ہوں تو اچھی بات ہے، لیکن اگر جمع نہ ہوں، ایک طرف صرف نیک اور صالح شخص ہو اور دوسری طرف فاسق امور سیاست سے واقف اور ماہر ہو، تو علماء کے قول کے مطابق صالح کے بجائے فاسق کو ذمہ داری دینا زیادہ راجح اور اولیٰ ہے۔ شیخ الاسلام

❶ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر اسماعیل بن عمر المتوفی ۷۷۴ھ، خلافۃ أمیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ، ج ۷ ص ۱۶۴، دار احیاء التراث الاسلامی، ط ۱۴۰۸ھ

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

فاذا تعين رجلان احدهما اعظم امانةوالآخر اعظم قوة، قدم انفعهما لتلك الولاية، واقلها ضررا فيهما، فيقدم فى امارة الحروب الرجل القوى الشجاع وان كان فيه فجور على الرجل الضعيف العاجز، وان كان امينا، كما سئل الامام احمد عن الرجلين يكونان اميرين فى الغزو، واحدهما قوى فاجر والآخر صالح ضعيف، مع ايهما يغزى. فقال اما الفاجر القوى فقوته للمسلمين، وفجوره على نفسه، واما الصالح الضعيف فصلاحه لنفسه وضعفه على المسلمين، فيغزى مع القوى الفاجز. ❶

''جب دو آدمی ہوں، ان میں سے ایک زیادہ امانت دار اور دوسرا زیادہ قوی ہو، تو ان میں سے ملک کے لئے جو زیادہ مفید اور کم نقصان والا ہو اسی کو ترجیح ہوگی، پس جنگ اور قتال کے امیر بنانے میں قوی بہادر کو ترجیح دی جائے گی اگر چہ وہ فاجر ہو، کمزور عاجز پر اگر چہ وہ امین ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ دو شخص جو امیر جنگ ہوں، ان میں سے ایک قوی فاجر ہو اور دوسرا صالح کمزور ہو، ان میں کس کے ساتھ قتال اور غزوہ میں شرکت کی جائے؟ تو انہوں نے فرمایا: کہ قوی کی قوت مسلمانوں کے کام آوےگی اور اس کے برے اعمال کی خرابی اس کی ذات کو پہنچے گی اور نیک ضعیف آدمی کی نیکی اس کی ذات کے لئے ہے، اور اس کے ضعف اور کمزوری کا جو نقصان ہوگا وہ سب مسلمانوں کو بھگتنا پڑے گا۔ اس لئے قوی فاجر کے ساتھ مل کر غزا کیا جائے''۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

وسئل عن رجلين: احدهما انكىٰ فى العدو مع شربة الخمر والآخر ادين، فقال يغزى مع الانكىٰ فى العدو لانه انفع للمسلمين، وبهذا مضت

❶ السياسة الشرعية، ابن تیمیہ احمد بن عبد الحليم المتوفى ۷۲۸ھ، ص۱۵، وزارة الشئون الاسلامية والاوقاف والدعوة والارشاد السعودية العربية، ط ۱۴۱۸ھ

سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فانه كان يولى الانفع للمسلمين على من هو افضل منه كما ولّى خالد بن الوليد من حين اسلم على حروبه لنكايته فى العدو، وقدمه على بعض السابقين من المهاجرين ولانصار... والمقصود ان هديه صلى الله عليه وسلم تولية الانفع للمسلمين وان كان غيره افضل منه. ❶

''ان سے ان دو آدمیوں کے متعلق پوچھا گیا کہ ان میں سے ایک دشمن کے لئے زیادہ نقصان رساں ہو لیکن شرابی ہو، اور دوسرا زیادہ دین دار ہو، تو انہوں نے جواب میں فرمایا: کہ جو دشمن کے لئے زیادہ نقصان رساں ہو اسی کو امیر بنا کر غزا کیا جائے، اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کے لئے زیادہ فائدہ ہے۔ اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور عمل تھا، کہ افضل کی موجودگی کے باوجود اس کو ذمہ داری سپرد فرماتے جو مسلمانوں کے لئے زیادہ فائدہ مند ہو، جس طرح اسلام لانے کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ کو لڑائیوں میں امیر بناتے، اس لئے کہ وہ دشمن کو زیادہ نقصان پہنچانے والے تھے، اور کئی سابقین مہاجرین اور انصار پر ان کو ترجیح دیتے... پس مقصود اور حاصل یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ انفع للمسلمین کو ذمہ دار بنانا تھا، اگرچہ اس سے افضل موجود ہوتے تھے''۔

بہر حال اسلام میں عالم اور عام آدمی کے ووٹ اور رائے میں برابری کی کسی حد تک گنجائش ہے، اس بنا پر ووٹ اور انتخاب کا انکار کرنا درست موقف نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض: خواتین کو ووٹ کا حق دینا، اور عورت کی سربراہی شرعا درست نہیں ہے

جو حضرات انتخاب کے موجودہ طریقہ کار کو مغرب اور غیر مسلموں کا طریقہ کار بتاتے

---

❶ اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن قیم محمد بن ابی بکر المتوفی ۷۵۱ھ، صفات الحاکم و مایشترط فیہ، ج ۱ ص ۸۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط ۱۴۱۱ھ

ہیں، ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ اس میں خواتین کو ووٹ دینے، ممبر بننے بلکہ سربراہ بننے کا حق ملا ہے، اس لئے یہ طریقہ کار اور نظام کفریہ اور غیر اسلامی نظام ہے۔

جواب: جہاں تک خواتین کو رائے دہی اور ووٹ دینا کا حق ہے، تو اعتراض دوم کے جواب کی تفصیل میں علامہ ابن کثیرؒ کے حوالے سے یہ بات گذر چکی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے خواتین سے بھی رائے طلب کی تھی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے مختلف مواقع پر ازواج مطہراتؓ اور دوسری خواتین سے مشورے اور رائے طلب کر کے ان کے مشوروں پر عمل کیا۔

ووٹ درحقیقت ایک قسم کی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، ووٹ کے ذریعہ ووٹر امیدوار کی اہلیت کی گواہی دیتا ہے، اور اسی طرح ووٹر اپنے حلقہ کے امیدوار کے حق میں رائے اور مشورہ دیتا ہے۔ شریعت مطہرہ نے عورت کو اہل الرائے، اہل مشورہ اور اسی طرح اہل شہادت قرار دیا ہے۔ ❶

اس بارے میں علماء عرب کے مفتیان کرام کی مجلس فقہی کا فیصلہ یہ ہے:

فان مبدأ المشاركة فى الانتخابات يدور مع المصلحةفيها كما رجحناه فى الجواب رقم: ۵۱۴۱، واذا وجدت المصلحة فيها لامانع أن تشارك المرأة فى الانتخابات والادلاء برأيها فى اختيار احد المرشحين اذا التزمت بالضوابط الشرعية فى خروجها من بيتها، والتزمت بالشرع فى اختيار من تدلى بصوتها لصالحه، ويدل لذلك ان عبد الرحمن بن عوف استشار الناس فى اختيار من يجعله اميرا للمسلمين حتى استشار النساء. ❷

❶ فتاوی حقانیہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق متوفی ۱۹۸۸ء، ج ۲ ص ۳۱۱، ۳۱۲، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ط ۲۰۰۶ء ❷ فتاوی الشبكة الاسلامية، لجنة الفتوى بالشبكة الاسلامية، ضوابط مشاركة المرأة فى الانتخابات، ج ۱۳، ص ۱۵۹۹۳، ن

''انتخابات میں شرکت کی بنیاد مصلحت ہے، تو مصلحت کی صورت میں عورت کی انتخابات میں شرکت اور رائے دہی سے کوئی مانع نہیں ہے، کہ وہ کسی ایک امیدوار کے حق میں اپنی رائے استعمال کرے، بشرطیکہ گھر سے نکلنے اور مستحق امیدوار کے حق میں رائے اور ووٹ دینے کے سلسلے میں شرعی ضابطوں اور شرائط کا التزام اور لحاظ رکھے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ نے مسلمانوں کے امیر کے انتخاب میں لوگوں سے مشورہ لیتے ہوئے اس بارے میں خواتین سے بھی مشورہ لیا تھا''۔

جہاں تک خواتین کے امیدوار اور شوریٰ یا پارلیمنٹ کے رکن اور ممبر بننے کا مسئلہ ہے، تو اس کے بارے میں بعض علماء کرام اور مفتیان کرام نے جواز کا قول کیا ہے، اور دلیل میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل پیش کیا ہے، کہ انہوں نے حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بازار کی نگرانی کا عہدہ سپرد کیا تھا۔

وكان عمر يقدمها فى الرأى ويرعاها ويفضلها، وربما ولاها شيئا من امر السوق. ❶

''حضرت عمرؓ ان کی رائے کو ترجیح دیتے تھے، اور ان کی رعایت اور احترام فرماتے تھے، اور کئی مرتبہ ان کو بازار کی نگرانی اور ذمہ داری بھی سپرد فرماتے''۔

استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے عورت کے رکن شوریٰ بنے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اقوال ذکر کرنے کے بعد حاصل کے طور پر فرمایا: بہر حال! اس مسئلہ میں دونوں طرف کچھ دلائل ہیں۔ لیکن کوئی ایسی واضح نص بھی موجود نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ انہیں شوریٰ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ اگر انہیں شوریٰ میں شامل کیا جائے تو حجاب شرعی کے احکام کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہوگا۔ ❷

❶ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ابن حجر احمد بن علی العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ، الشفاء بنت عبد اللہ، ج ۸ ص ۲۰۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط ۱۴۱۵ھ

❷ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۲۶۹، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

اور جہاں تک عورت کی سربراہی کا مسئلہ ہے، تو جمہور علماء کرام کی رائے میں اسلام میں عورت کی سربراہی جائز نہیں ہے۔ ❶

تاہم اس کو جائز ناجائز یا راجح اور مرجوح کا مسئلہ قرار دیا جا سکتا ہے، اس کو کفر یا کفریہ نظام نہیں کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ بعض علماء کے نزدیک عورت کا حاکم بننا جائز ہے۔

قال علیہ الصلاۃ والسلام "لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" ومذھب الجمھور ان المرأۃ لا تلی الامارۃ والقضاء، واجاز الطبری فی روایۃ عن مالک، وعن ابی حنیفۃ تلی الحکم فیما تجوز فیہ الشھادۃ. ❷

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "وہ قوم ہرگز کامیابی نہیں پا سکے گی جس اپنے امور (مملکت) عورت کے سپرد کر دیئے" جمہور کا مسلک یہ ہے کہ عورت امارت اور قضاء کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتی، اور علامہ طبری نے امام مالکؒ کی روایت میں اس کو جائز قرار دیا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت میں ہے کہ جن امور میں اس کی شہادت اور گواہی جائز ہے، ایسے امور میں اس کی حاکمیت درست ہے"۔

علامہ ابن نجیمؒ کے بقول بعض فقہاء کرام نے عورت کی خلافت کے جائز نہ ہونے کے ساتھ اس کی بادشاہت کے جواز کا قول کیا ہے۔

واما سلطنتھا فصحیحۃ، وقد ولی مصر امرأۃ تسمی شجرۃ الدر. ❸

"عورت کا سلطان اور بادشاہ بننا درست ہے، ایک عورت جس کا نام شجرۃ الدر تھا، وہ مصر کی حاکمہ تھیں"۔

---

❶ تفصیل کے لئے عورت کی سربراہی اور حکمرانی کے موضوع پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کریں ❷ ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری وقیصر، ج ۶ ص ۴۶۰، المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر، ط ۱۴۲۳ھ ❸ البحر الرائق، ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم المتوفی ۹۷۰ھ، کتاب القضاء، ج ۷ ص ۵، دار الکتاب الاسلامی، ط ن

مسألة: وجائز ان تلی المرأة الحکم وھو قول ابی حنیفة، وقد روی عن عمر بن الخطاب: انه ولی الشفاء امرأة من قومه. فان قیل: قد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأة". قلنا: انما قال ذلک رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الامر العام الذی ھو الخلافة. ❶

"امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق عورت کا حکم اور حاکم بننا جائز ہے، حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنی قوم کی ایک خاتون شفاء کو ذمہ داری دی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: "کہ وہ قوم ہرگز کامیابی نہیں پاسکتی جس نے عورت کو اپنے امر کا ذمہ دار بنایا" تو اس حدیث شریف کا تعلق امر عام یعنی خلافت سے ہے، (یعنی وہ خلیفہ نہیں بن سکتی)"۔

رہی استیلاء وتغلب کی صورت میں تو اس میں بالاجماع عورت کی امامت درست ہے، اس کے احکام نافذ اور واجب الاطاعت ہوں گے۔ اور الیکشن پارٹی، ووٹ اور اکثریت تغلب ہی کی صورت ہے۔ ❷

یہ تو عورت کی سربراہی کے متعلق ایک تحقیق تھی، جس کا مقصد اتنا ہے کہ عورت کا سربراہ مملکت بننا کفر نہیں ہے، اور اس بنا پر موجودہ طریقہ انتخاب کو بالکلیہ رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک اس کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ ہے، تو اس بارے میں ہمارا موقف وہی ہے جو جمہور علماء کا ہے، کہ کسی طور پر عورت کا سربراہ بننا شرعا جائز نہیں ہے، اور جس طرح علماء سیاست کی کوششوں سے پاکستان کے آئین میں سربراہ مملکت کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کو لازم قرار دیا گیا ہے، اسی طرح آئین میں مرد ہونے کی شرط کو لازم قرار دیا

❶ المحلی بالآثار، ابن حزم علی بن احمد الظاہری المتوفی ۴۵۶ھ، کتاب الشہادات، ج ۸ ص ۵۲۷، دار الفکر بیروت، ط ن ❷ تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی، مفتی سعید احمد پالنپوری استاذ حدیث دار العلوم دیوبند، ج ۵ ص ۵۹۷، زمزم پبلشرز کراچی، ط ۲۰۱۱ء، الیکشن کے شرعی احکام (مجموعہ مقالات علماء ہند)، ص ۸۵، ایفا پبلکشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

جائے، اور یہ تب ممکن اور آسان ہوگا جب پارلیمنٹ میں علماء کو قوت حاصل ہو۔ یہ بات اسمبلی کے ریکارڈ میں ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ وزیراعظم بنیں، تو جمعیت علماء اسلام نے عورت کی سربراہی کو شرعاً ناجائز ہونے والے مسئلے کو اسمبلی کے فلور پر واضح کیا، اور مولانا محمد احمد صاحبؒ، مولانا محمد خان شیرانی صاحب اور حافظ حسین احمد صاحب نے اس مسئلہ پر بڑے مدلل انداز میں شرعی حکم اور اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔

جمعیت علماء اسلام نے عورت کی حکمرانی یا خواتین کا ممبر بننا بادل نخواستہ برداشت کیا ہے، اور جب بھی خواتین کے لئے مخصوص سیٹوں میں اضافہ کرنے کی بات چلی، جمعیت نے اس کی مخالفت کی ہے، اور باوجود ایک بڑی مذہبی سیاسی جماعت کے آج تک جمعیت نے کسی عام نشست پر خاتون کو بطور امیدوار نامزد نہیں کیا ہے، البتہ بامر مجبوری خواتین کے لئے مخصوص نشستوں پر باپردہ خواتین کو ممبرز منتخب کی ہیں۔

قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عورت کے ممبر اور حکمران بننے میں اپنا موقف یوں بیان فرمایا ہے: ہماری رائے یہ ہے کہ موجودہ معاشرے میں کوئی عورت پارلیمنٹ میں آکر شرعی حدود میں نہیں رہ سکتی، اس لئے ہم احتیاط چاہتے ہیں...... جہاں ہم خاتون کی حکمرانی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ خاتون اس ملک کی حکمران اس وجہ سے بنتی ہے کہ ملک کا غلط نظام اس کو اجازت دیتا ہے، اس لئے ہمارے مدنظر ایک غلط نظام کا خاتمہ ہے، تاکہ پھر اس قسم کی غلط حکومت قائم نہ ہو سکے... ہمارا موقف اس سلسلے میں بڑا واضح ہے کہ اسلام میں عورت حکمران ہرگز نہیں ہو سکتی، اور اب اس مسئلے کو طے کرنے کا وقت آگیا ہے، آئینی ترمیم کے ذریعے اس مسئلے کو ختم کرنا اسلامی جمہوری اتحاد کی ذمہ داری ہے، اور ہم اس معاملے میں بھرپور تعاون کریں گے...... عورت کی حکمرانی موجودہ نظام کا حصہ ہے، جہاں نظام کی دوسری خرابیاں ہیں، وہاں ایک یہ بھی خرابی ہے۔ (1)

(1) مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۱ ص ۲۹، ۱۸۷، ۲۱۰، ۳۷۵، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

چوتھا اعتراض: کہ پارلیمانی سیاست میں اختلاط مرد وزن اور اس قسم کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے

ایک اعتراض یہ ہے کہ پارلیمانی سیاست میں غیر محرم مرد وزن کا اختلاط ایک، بے پردہ خواتین سے ہم کلامی اور ملاقاتیں ہوتی ہیں، جو شرعاً ناجائز ہیں۔ اس لئے یہ پارلیمانی اور جمہوری سیاست درست نہیں ہے۔

جواب: اسلام میں یقیناً غیر محرم مرد وزن کا اختلاط ممنوع اور گناہ ہے، لیکن اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، کنارہ کشی سے اس گناہ میں کمی نہیں، بلکہ اضافہ ہوگا، اور پھر قانوناً اس کو تحفظ بھی مل سکتا ہے۔ علماء نے پارلیمنٹ میں اس طرح کے قوانین کی مخالفت اور سدباب کیا ہے، اور جنرل مشرف کے دور میں حکومت کی سرپرستی میں جب میراتھن ریس کے نام سے مخلوط دوڑ کا پروگرام شروع ہوا تھا، تو علماء سیاست نے پارلیمنٹ اور باہر اس کی بھرپور مخالفت کی تھی، پارلیمنٹ میں اس بارے میں قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی مدلل اور مسکت تقریر ریکارڈ پر موجود ہے، اسی طرح اس وقت رکن قومی اسمبلی حضرت مولانا قاضی حمید اللہ صاحبؒ نے گجرانوالہ میں اس ریس کے مقابل میں ایک بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے اس کو اپنے علاقے میں بند کرایا، جس میں وہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ زخمی بھی ہوئے تھے، اور ان پر کیس بھی بنا تھا۔

اور چونکہ اس طرح کے مفاسد کو روکنا اور ختم کرنا جب تک اختیار میں نہ ہو، تو ان کو برداشت کیا جائے گا۔ سفر عمرہ اور حج کے لئے دفتروں، ائرپورٹ اور جہاز میں بے پردہ خواتین خصوصاً عملہ جہاز سے ہم کلامی، غیر اختیاری طور پر بدنظری اور ملاقات ہونا پڑتا ہے، لیکن ان سب کو برداشت کیا جاتا ہے۔ فقہاء کرام نے بعض صورتوں میں مصلحت کے حصول کے لئے معصیت اور گناہ کے ارتکاب کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ سلطان العلماء فرماتے ہیں:

قد یجوز الاعانة علی المعصیة لالکونها معصیة، بل لکونها وسیلة الی تحصیل المصلحة الراجحة، وکذلک اذا حصل بالاعانة مصلحة تربو علی مصلحة تفویت المفسدة، کما تبذل الاموال فی فدی الأسری الاحرار المسلمین من ایدی الکفرة والفجرة. ❶

’’کبھی معصیت اور گناہ پر اعانت جائز ہوتی ہے، معصیت ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ یہ اعانت اعلیٰ مصلحت اور مقصد حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہوتا ہے، اسی طرح جب اعانت سے ایک ایسی مصلحت حاصل ہوجاتی ہے جو مفسدہ اور گناہ ترک کرنے سے زیادہ راجح اور اولیٰ ہو۔ جیسا کہ کفار یا فجار کے ہاتھوں میں مسلمان قیدیوں کی رہائی کے بدلے ان کفار اور فجار کو مال دے کر ان سے تعاون کرنا‘‘۔

بہرحال ساست جو دین کا ایک اہم شعبہ ہے اور موجودہ دور میں اس کا میدان جمہوریت اور پارلیمنٹ ہے، تو اس کے حصول اور اعلاء کلمۃ اللہ جو ایک اعلیٰ مقصد ہے، اس کے لئے اگر غیر اختیاری طور پر مذکورہ قسم کے مفاسد کے ارتکاب اور سامنا کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ ان کو برا سمجھتے ہوئے یہ عزم ہو کہ جب بھی اقتدار اور اختیار نصیب ہوجائے، تو ان مفاسد کا خاتمہ کیا جائے گا۔

پانچواں اعتراض: انتخابات اور سیاست میں مقابلے کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دینے پر اعتراض

ایک حضرت صاحب جو جمعیت علماء اسلام کا مخالف تھا، اس نے ایک دفعہ اپنے بیان میں اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ لوگ انتخابات میں اپنے اور مقابل کے بارے میں یہ

❶ قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، سلطان العلماء عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام المتوفی ۶۶۰ھ، قاعدة فی تعذر العدالة فی الولایات، ج۱ ص۸۷، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ القاہرۃ، ط۱۴۱۴ھ

کہتے ہیں کہ یہ اسلام اور کفر کی جنگ ہے، حالانکہ مقابل جیسا بھی ہو اور جس پارٹی کا بھی ہو وہ بھی تو کلمہ گو مسلمان ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دینا درست نہیں ہے۔

جواب: ایک عام آدمی اگر یہ اعتراض کرے تو اس سے تعجب نہیں ہوتا، لیکن اگر ایک عالم یہ اعتراض کرے تو ہمیں ضرور حیرانگی اور تعجب ہوتا ہے۔ کفر کا اطلاق صرف اس عمل اور عقیدہ کے ساتھ خاص نہیں ہے جس کی وجہ سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے، بلکہ کبھی اس کا اطلاق باطل اور ناجائز عمل پر بھی ہوتا ہے، تو انتخابات کے مقابلے میں کفر اور اسلام کی جنگ سے مراد حق اور باطل کی جنگ اور مقابلہ ہے۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب ''باب کفران العشیر و کفر دون کفر'' قائم فرمایا ہے، اور اس کے تحت جو روایت ذکر فرمائی ہے، اس میں عورتوں کی ناشکری جو ایک باطل عمل ہے اس پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور شراح محدثین نے اس باب کی تفصیل میں یہ ذکر کیا ہے کہ معاصی اور گناہوں پر بھی کفر کا اطلاق درست ہے۔

قال القاضی ابوبکر بن العربی فی شرحہ: مراد المصنف ان یبین ان الطاعات کما تسمی ایمانا کذلک المعاصی تسمی کفرا، لکن حیث یطلق علیها الکفر لا یراد الکفر المخرج عن الملة. (1)

''قاضی ابوبکر ابن عربیؒ نے اپنی شرح میں فرمایا ہے: کہ اس باب سے امام بخاریؒ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جس طرح طاعات پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح معاصی پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن اس سے مراد پھر وہ کفر مراد نہیں جو ملت اسلامی سے خارج کردے''۔

(1) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ابن حجر احمد بن علی العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ، ج ۱ ص ۸۳، دار المعرفة بیروت، ط ۱۳۷۹ھ

ان الایمان لما کان مرکبا امکن ان یوجد فی المؤمن بعض اشیاء الکفر وفی الکافر بعض اشیاء الایمان، کالکبر فانه من الکفر وقد یوجد فی المسلم ایضاً، وکالحیاء فانه من الایمان وقد توجد فی الکافر ایضاً. فالاسلام عرض عریض ، اعلاه لا الـه الا الله وادناه اماطة الاذی عن الطریق، وبینهما مراتب لا تحصی، وکذلک الکفر ایضاً عرض عریض، فکما ان الایمان المنجی ماهو فی المرتبة الاخیرة، کذلک الکفر المهلک ایضاً ما کان فی تلک المرتبة. وبین اعلی الکفر وادناه مراتب لا تحصی، وعلی هذا فالکفر اسم للجحود والفسوق. ❶

''جب ایمان مرکب ہے، تو مومن میں بعض کفریہ اعمال کا پایا جانا اور اس طرح کافر میں بعض ایمانی اعمال کا پایا جانا ممکن ہے، مثلاً تکبر ایک کفریہ عمل ہے لیکن یہ عمل کبھی مومن میں یہ پایا جاتا ہے، اسی طرح حیاء ایک ایمانی عمل ہے لیکن کبھی کافر میں پائی جاتی ہے۔ پس اسلام ایک بڑا میدان ہے، جس کی اعلی طرف کلمہ توحید ہے اور ادنی طرف راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے، اور ان دونوں طرفوں میں بے شمار مراتب ہیں، اسی طرح کفر بھی ایک بڑا میدان ہے، اور جس طرح وہ ایمان جو نجات کا سبب ہے وہ آخری مرتبہ میں ہے، تو دوسری طرف ہلاکت کا سبب بننے والا کفر بھی آخری مرتبہ میں ہے، اور اعلی کفر اور ادنی کے درمیان میں کفر کے اور بے شمار مراتب ہیں۔ پس کفر انکار اسلام کو بھی کہا جاتا ہے اور فسق اور فجور کو بھی''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ لادین عناصر کے راستہ روکنے اور ملک پر آنے والی افتاد کے مقابلے کرنے کو کفر اور اسلام کی فیصلہ کن جنگ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اس لیے موجودہ دور میں علماء اور عام مسلمانوں کو دو کام کرنے ہیں:

❶ فیض الباری شرح صحیح البخاری، العلامة انورشاه الکشمیری المتوفی ۱۳۵۲ھ، ج ۱ ص ۱۲۷، موقع شبکة مشکاة الاسلامیة، طن

ایک یہ کہ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ سے ان حضرات کو اس غلط راہ سے روکنے کی سعی جاری رکھیں، دوسرے یہ کہ ان کی مخالفت کی وجہ سے اپنی صفوں میں کوئی اختلال یا عزم وہمت میں کسی کمزوری کو راہ نہ دی جائے اور ملک پر آنے والی ہر افتاد کا مقابلہ پوری قوت سی کیا جائے کہ درحقیقت یہ کفر و اسلام کی فیصلہ کن جنگ ہے۔ ❶

چھٹا اعتراض: تلوار اور مسلح جہاد کے علاوہ کبھی اسلام آیا نہیں، لہذا جمہوری سیاست سے اسلام نہیں آسکتا

بعض وہ حضرات جو جمہوری سیاست کے قائل نہیں ہیں، ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ تلوار اور مسلح جہاد کے علاوہ کبھی اسلام آیا نہیں، لہذا جمہوری سیاست سے اسلام نہیں آسکتا، اس لئے جمعیت علماء اسلام اور دوسری مذہبی جماعتوں کا جمہوری سیاست کے ذریعہ اسلام لانے کا نعرہ اور جدوجہد درست نہیں ہے۔

جواب: ہم نے باب دوم کے آخر میں جہاد اور سیاست دونوں کی اہمیت اور باہمی تعلق اور نسبت پر تفصیلاً بحث کی ہے، ہم اسلام میں جہاد قتال کے اہم فریضہ ہونے اور اس کی اہمیت کا ہرگز انکار نہیں ہے۔ البتہ ہم قتال، دعوت وتبلیغ، اخلاق وکردار اور سیاست سب کی اہمیت کے قائل ہیں، اور ان سب کو اسلام کی اشاعت کے ذرائع سمجھتے ہیں۔ ہم ان سب میں اعتدال کے قائل ہیں، افراط تفریط کے اس طور پر قائل نہیں ہیں کہ ان میں سے صرف ایک کو لیکر اسی کو اشاعت اسلام کا ذریعہ اور سبب سمجھیں، اور دوسرے کو نظر انداز کریں۔ ہم نہ اس گروہ میں شامل ہیں جو یہ رٹ لگاتے ہیں کہ اسلام صرف اور صرف اخلاق سے پھیلا، اس میں تلوار کا کردار نہیں، اور نہ اس طبقہ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں جو اسلام کی اشاعت کا ذریعہ اور سبب صرف اور صرف تلوار ہی سمجھتے ہیں، اشاعت اسلام میں دوسرے

❶ جواہر الفقہ، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۵ ص ۱۲۸، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء

ذرائع کے عمل دخل کے قائل نہیں اور نہ ان کو ذرائع سمجھتے ہیں۔ ہمارے سامنے تاریخ کے اوراق میں ۲۴/۲۷ ایسے مسلح غزوات بھی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس تلوار لیکر قیادت کرتے ہوئے شرکت فرمائی ہے، جن کے سبب مکہ اور عرب کے دوسرے کئی علاقوں میں اسلام پہنچا اور پھیلا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والے ستر سے زائد ایسے وفود بھی ہیں جو اخلاق و کردار، اسلام کی حقانیت یا بحث مباحثہ سے متأثر ہوکر اسلام کے سامنے سرنگوں ہوگئے تھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوت تبلیغ کے لئے بھیجے گئے وفود اور افراد کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریبا تین سو تک دعوتی اور سیاسی خطوط اور وثائق بھی کتابوں میں محفوظ ہیں، اور جس طرح کئی علاقے اور ممالک تلوار کے ذریعے اسلام کے دامن میں آئے ہیں تو اسی طرح کئی علاقے صلح اور مصالحت کے طور پر بھی اسلام کے زیر نگین ہوئے ہیں۔

بہرحال اسلام کی اشاعت کے لئے قتال اور جہاد کی اہمیت اور بڑے ذریعہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ سیاست، دعوت اور اخلاق بھی اسلام کی اشاعت اور نفاذ کے ذرائع ہیں۔ ہم مثال کے لئے یہاں پر صرف یمن والوں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں، جن کے ایمان کی پختگی اور حکمت اور سمجھداری کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان تو یمن والوں کا ہے اور حکمت اور سمجھداری بھی ان کی بڑی صفت ہے۔ (۱)

اور ان اہل یمن والوں کے ساتھ جہاد نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ خود برضا ورغبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر انہوں نے اسلام قبول کیا، جو اس بات کی علامت اور دلیل ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے جہاد اور قتال کے علاوہ اور بھی ذرائع ہیں۔

لما بلغ اهل اليمن ظهور رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعلو حقه

(۱) صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، کتاب المغازی، باب قدوم الاشعریین واہل الیمن، ج۵ص۱۷۳، دار طوق النجاۃ، ط ن

اتتہ وفودھم، فکتب لھم کتابا باقرارھم علی ما اسلموا علیه من اموالھم وارضھم ورکازھم، فأسلموا ووجه الیھم رسله وعماله. ❶

’’جب اہل یمن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور حقانیت کی خبر پہنچی، تو ان کے وفود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دے کر اسلام کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے ان کو اپنے اموال، زمینوں اور خزانوں اور معدنیات پر برقرار رکھا، اور ان کی طرف اپنے نائبین اور عمال کو بھیجا‘‘۔

مدینہ منورہ جو اسلام کا سب سے پہلا مرکز ہے، وہ جہاد وقتال کے بغیر دارالاسلام بن گیا تھا، اس وقت تو جہاد کی فرضیت اور حکم نازل نہیں ہوا تھا، بلکہ مولانا ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ کے بقول مکی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل مدینہ نے اسلام اور نصرت اسلام پر جو بیعت کی تھی، وہ اسلامی سیاست اور ریاست کی اساس اور بنیاد تھی۔

ان السیاسة الحکومیة فی العھد النبوی علی صاحبه السلام کانت قد ألقیت أساساتھا قبل الھجرة الی المدینة فی بیعات العقبة الثلاث. ❷

’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سیاسی اور اسلامی حکومت کی بنیادیں ہجرت مدینہ سے پہلے عقبہ کے پاس تینوں بیعتوں سے پڑ چکی تھیں‘‘۔

ساتواں اعتراض: اسمبلی میں غیر شرعی قوانین پاس ہونے کی صورت میں ممبر علماء کو بھی شریک جرم سمجھا جائے گا

بعض حضرات یہ اشکال بھی کرتے ہیں کہ کبھی جب اسمبلی میں اکثریت کی بنا پر غیر شرعی قوانین پاس ہوں، جو کہ ایک سنگین گناہ ہے، اور علماء ان کے پاس ہونے کو نہ روک

❶ فتوح البلدان، احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ، ص۷۵، ۷۶، مکتبۃ الہلال بیروت، ط۱۹۸۸ء

❷ مجموع الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، محمد حمید اللہ المتوفی ۱۴۲۴ھ، ص۲۱، دار النفائس بیروت، ط۱۴۰۷ھ

سکے، تو پھر اس میں وہاں پر موجود تمام ممبران بشمول علماء کرام شریک جرم سمجھے جائیں گے، اس لئے علماء کو ایسی اسمبلی کا ممبر نہیں بننا چاہئے۔

جواب: اگر کوشش کے باوجود علماء کرام اسمبلی میں خلاف شرع قانون کے نفاذ میں رکاوٹ نہ بن سکے، تو بھی اس کی وجہ سے اسمبلی کے ممبر بننا اور اس میں شرکت کرنا ناجائز اور گناہ گار ہونے کا باعث نہیں ہوگا، اس لئے کہ نہی عن المنکر بقدر استطاعت ہے، ان کا ممبر بننا اور ان کو کوئی عہدہ ملنا امت کے لئے اس میں خیر ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اس بارے میں بڑی پُرمغز اور جامع بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فالواجب على المسلم ان يجتهد في ذلک بحسب وسعه، فمن ولى ولاية يقصد بها طاعة الله واقامة ما يمكنه من دينه ومصالح المسلمين، واقام فيها ما يمكنه من الواجبات واجتناب ما يمكنه من المحرمات، لم يؤاخذ بما يعجز عنه . فان تولية الابرار خير للامة من تولية الفجار. [1]

''مسلمان پر اپنی طاقت کے بقدر کوشش اور جدوجہد واجب ہے، پس اگر کسی کو ولایت (سرکاری ذمہ داری اور عہدہ) مل جائے، جس سے اس کا مقصد اللہ کی اطاعت، بقدر طاقت اقامت دین اور مسلمانوں کی مصالح کا نفاذ ہو، اور پھر اس نے اپنی طاقت اور وسعت کے بقدر واجبات قائم کئے، اور بقدر طاقت محرمات کی ممانعت قائم کی، تو جس سے وہ عاجز ہے اس کے بارے میں اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، (یعنی مجرم اور گناہ گار متصور نہیں ہوگا) اس لئے کہ فجار کو عہدہ دینے سے نیک لوگوں کو عہدہ دینا امت کے لئے بہتر ہے''۔

علماء کرام نے اس پر حضرت یوسف علیہ السلام کے عمل سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے وزیر خزانہ بننے کی درخواست کی، حالانکہ وہ سب امور میں خود مختار نہیں تھے بلکہ بادشاہ

[1] مجموع الفتاوی، ابن تیمیہ احمد بن عبدالحلیم المتوفی ۷۲۸ھ، فصل: ولایۃ الأمر من اعظم واجبات الدین، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف المدینۃ المنورہ، ط ۱۴۱۶ھ

وقت کے تابع تھے، جس کی وجہ سے اس وقت وہ کسی بڑی تبدیلی لانے کی پوزیشن میں نہیں تھے، بلکہ اپنی حیثیت کے بقدر تبدیلی لانے کے امکان پر انہوں نے یہ ذمہ داری اور عہدہ قبول کیا۔ ❶

آٹھواں اعتراض: قرآن وسنت کے ہوتے ہوئے دستور مرتب کرنا درست نہیں

اعتراض یہ ہے کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے، جن کا دستور قرآن وسنت ہے، ان کے ہوتے ہوئے کوئی دستور مرتب کرنا یہ قرآن وسنت کے مقابل دوسرے دستور ماننے کے مترادف ہے، خلفاء راشدین کے زمانے میں قرآن وسنت کے علاوہ کوئی اور آئین اور دستور نہیں تھا۔ اس لئے پاکستان میں پارلیمنٹ نے جو دستور کی منظوری دی ہے، یہ جمہوریت کا کارنامہ تو قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اسلام اور مسلمان کی شان اور نظریہ نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اسی طرح قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، افراد یا پارلیمنٹ کو قانون سازی کا حق دینا شریعت کے خلاف ہے۔ اس بارے میں یہ حضرات اپنے دعویٰ ثابت کرنے کے لئے مختلف آیاتوں مثلا: ''**ولا یشرک فی حکمہ احدا**'' اور ''**لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم**، الآیۃ'' کو پیش کرتے ہیں۔

جواب: اولاً: اس اعتراض کا سلسلہ اور کڑی شروع سے ملتی ہے، جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ نے تصفیہ اور فیصلے کے لئے حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم بنایا، تو خوارج نے اس کو قرآن اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت میں یہ نعرہ لگایا: کہ **لا حکم الا للہ**۔ ❷

❶ الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص ۳۸، ایفا پبلکشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء ❷ تاریخ الخلفاء، عبد الرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، الخلیفۃ الرابع: علی رضی اللہ عنہ، ص ۱۳۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ط ۱۴۲۵ھ

اور منکرین حدیث نے قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضروت اور حجیت سے انکار کیا۔ اسی طرح منکرین فقہ نے بھی مذکورہ آیاتوں کا سہارا لیتے ہوئے فقہ کے مرتب ہونے اور اس سے مسئلہ بتانے کو شرک قرار دیا، تو اسی طرح جمہوریت اور پارلیمانی سیاست میں ملکی دستور کے مرتب اور مدون ہونے کو بھی معترضین نے قرآن وسنت کے مقابل اور غیر اسلامی عمل قرار دیا ہے۔

ثانیاً: دستوری احکام دوقسم کے ہیں: ایک قسم وہ احکام ہیں جو ثابت اور غیر مبدل ہیں، اس قسم کے احکام قرآن وسنت میں متعین اور محفوظ ہیں، ان کے لئے آئین اور دستور مرتب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور دوسری قسم وہ احکام غیر ثابت ہیں، جو زمانے اور ملک کے اختلاف سے ان میں اختلاف اور فرق ہوسکتا ہے۔ ایسے احکام کو آئین اور دستور کے نام سے مرتب اور مدون کرنا قرآن وسنت کے مقابل نہیں سمجھا جائے گا۔ معترضین حضرات نے دونوں قسموں میں فرق نہیں سمجھا، اس لئے اعتراض کیا ہے۔ چنانچہ عرب کے ایک محقق علامہ توفیق صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں:

أن الأحكام الدستورية قسمان: قسم ثابت وقسم غير ثابت، وعليه فان الأحكام والقواعد الثابتة لا تتغير مدى الزمان، سواء دونت فيما يسمى بوثيقة الدستور ام لم تدون، بل لم يثبت تدوينها على مر التاريخ الاسلامي، اذ ليس هناك حاجة الى تدوينها ما دامت ثابته في كتاب الله سبحانه وتعالىٰ، وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم، واجماع المسلمين... فالبحث في تدوين الدستور انما هو لدولة اسلامية معينة بما يحتويه من أحكام غير ثابتة، لانها تختلف من دولة لأخرى، ولانها هي التي يجب ان يحتويها الدستور. [1]

[1] الاسلام والدستور، توفیق بن عبدالعزیز السدیری، ص ۴۳، ۴۷، وکالۃ المطبوعات والبحث العلمی، ط ۱۴۲۵ھ

’’دستوری احکام دو قسم کے ہیں: ایک قسم ثابت اور دوسری قسم غیر ثابت ہے، اس بناپر جو احکام اور قواعد ثابتہ ہیں، ان میں زمانے کے گذرنے سے کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، اس قسم کو خواہ دستوری ضابطے میں مدون کیا جائے یا نہیں، بلکہ اب تک اسلامی تاریخ میں اس کی تدوین ثابت نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن، سنت اور اجماع میں ثابت اور موجود ہونے کی وجہ سے اس قسم احکام کی تدوین کی ضرورت ہی نہیں... پس کسی معین ملک کے لئے دستور کے مرتب اور مدون ہونے کی جو بحث ہے یہ احکام غیر ثابتہ کے متعلق ہے، کیونکہ ہر ملک کے یہ احکام دوسرے ملک کے احکام سے مختلف بھی ہو سکتے ہیں، اور ملکی دستور بھی ان پر مشتمل ہوتا ہے‘‘۔

خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں جس طرح احادیث با قاعدہ مدون صورت میں نہیں تھیں، اسی طرح دستور مرتب اور مدون ہونے کی شکل میں اس لئے نہیں تھا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے شرف حاصل ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ احادیث اور قرآن کا علم حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو دستور مرتب ہونے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اور جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنے، یا ایک دوسرے یا قائم کردہ شوریٰ سے پوچھنے اور معلوم کرنے، یا اپنے اجتہاد سے اس کا حل پیش فرماتے۔ اہل اسلام اور مسلمانوں کی مملکت میں باقاعدہ ملکی دستور کے مرتب ہونے کی ابتدا ۱۸۶۱ء تیونس میں ہوئی، اس کے بعد خلافت عثمانیہ میں علماء اور فقہاء کے تعاون سے ۱۸۷۶ء میں ملکی دستور مدون کیا گیا۔ اور دستور کا مرتب ہونا آسانی کے لئے ہے، کوئی جمہوری تقاضا نہیں ہے، اس لئے کہ برطانیہ میں اب تک ملکی دستور مرتب نہیں ہے۔ ❶

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب خلافت عثمانیہ کے دستور مرتب ہونے کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ترکی کی خلافت عثمانیہ کے آخری دور

❶ الاسلام والدستور، توفیق بن عبد العزیز السدیری، ص ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۵۹، وکالۃ المطبوعات والبحث العلمی، ط ۱۴۲۵ھ

میں اسلام کے دیوانی قانون کو مدون کرنے کے لئے علماء کی ایک جماعت بنائی گئی، ان کے سپرد صرف دیوانی قانون (معاملات، بیع وغیرہ) کی تدوین وتسوید تھی، اور یہ بھی طے تھا کہ وہ یہ قانون فقہ حنفی کے مطابق مرتب کریں گے، اس مجلس کے ارکان میں اس وقت کے چوٹی کے علماء شامل تھے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ کے صاحب زادے علامہ علاؤ الدین ابن عابدینؒ (صاحب تکملہ رد المحتار) بھی اس کے رکن تھے۔ اس مجلس نے ''مجلۃ الاحکام العدلیۃ'' کے نام سے اسلام کے دیوانی قانون کو مرتب کیا، تو اس کی تسوید وترتیب میں تقریباً آٹھ سال صرف ہوئے۔ ❶

بہر حال دستور کا مرتب ہونا صرف آسانی کے لئے کوئی شرعی یا جمہوری تقاضا نہیں ہے، البتہ شرعاً اس سے کوئی مانع بھی نہیں ہے، اس لئے اس پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

وتدوين الدستور فى وثيقة واحده أمر شكلى، فليس هناك ما يمنع تدوينه، وكذلک ليس هناک ما يلزم تدوينه فى وثيقه واحدة. ❷

''دستور کا ضابطے میں ایک ساتھ مدون کرنا ایک صورت اور شکل ہے، اس مدون کرنے سے نہ کوئی مانع ہے، اور نہ کوئی ایسا امر ہے جو اس کو لازم کرتا ہو''۔

نواں اعتراض: پاکستان کے آئین میں کچھ غیر اسلامی شقیں شامل ہونے کی وجہ سے پورا آئین غیر اسلامی ہے

پاکستان کے آئین پر یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ اس میں کچھ شقیں شریعت اور اسلام کے خلاف ہیں، اس لئے اس کو اسلامی آئین نہیں کہہ سکتے، جس طرح پاک پانی میں خون وغیرہ کا ایک ناپاک قطرہ بھی شامل ہو جائے تو شرعاً پورا پانی ناپاک سمجھا جاتا ہے۔

❶ نفاذ شریعت اور اُس کے مسائل، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۵۳، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۰۲ء

❷ الاسلام والدستور، توفیق بن عبد العزیز السدیری، ص ۱۹۴، وکالۃ المطبوعات والبحث العلمی، ط ۱۴۲۵ھ

جواب: یہ قاعدہ کہ ''پاک پانی میں خون وغیرہ کا ایک ناپاک قطرہ بھی شامل ہو جائے تو شرعاً پورا پانی ناپاک سمجھا جاتا ہے'' مطلق اور عام نہیں ہے، اس لئے کہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ماء کثیر (زیادہ پانی) میں ناپاک چیز شامل ہونے سے وہ پانی نجس نہیں ہوتا، جب تک اس پر نجاست غالب نہ ہو۔ اسی طرح احادیث کی ان چھ کتابوں (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ) کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض کتابوں میں ضعیف بلکہ موضوع تک کی روایات ہیں، لیکن چونکہ غالب اور اکثر روایات صحیح ہیں، اس لئے ان سب کو صحاح میں شمار کیا گیا ہے۔

علماء کرام نے اس بارے میں بھی یہ وضاحت کی ہے کہ اگر آئین میں اکثر دفعات شریعت اور اسلام کے موافق ہوں، تو ''للاکثر حکم الکل'' اور ''العبرۃ للغالب'' قاعدہ کی وجہ سے اس آئین کے تحت حلف اُٹھانا جائز ہے۔ ❶

دستور پاکستان میں تقریباً تین سو دفعات ہیں، ان میں سے زیادہ تر دو شقوں پر غیر شرعی ہونے کا اعتراض ہے۔ ایک دفعہ ۴۵ ہے جس میں صدر مملکت کو کسی شخص کو دی گئی عدالتی سزا معاف اور تبدیل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ شق یقیناً شریعت کے خلاف ہے، شریعت میں حاکم کو تعزیرات معاف کرنے کا اختیار تو ہے، لیکن حدود اور قصاص معاف کرنے کا وہ مُجاز نہیں ہے۔ اور اس شق کے غیر شرعی ہونے پر علماء سیاست نے پارلیمنٹ میں بیانات میں بھی آواز اُٹھائی ہے، اور اسلامی نظریاتی کونسل والوں نے بھی اس کی نشاندہی کی ہے۔ استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (سابق جسٹس وفاقی شرعی عدالت، وسابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل) نے اس بارے میں اپنا نقطہ نظر یوں بیان فرمایا ہے: دفعہ میں کہا گیا کہ جن افراد کو کسی عدالت سے سزائے موت کا حکم ہو گیا ہو، صدر مملکت کو ان کی سزا معاف کرنے یا اس میں تخفیف کرنے کا اختیار ہوگا۔ یہ اختیار بیشتر

❶ الیکشن کے شرعی احکام، مجموعہ مقالات علماء ہند، ص ۵۳، ۱۲۶، ایفا پبلیکیشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

صورتوں میں اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، اسلام میں سزائے موت چند گنے چنے جرائم پر مقرر ہے اور جب کسی پر وہ جرم ثابت ہو جائیں، تو ان کی سزا معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، کیوں کہ اس پر سزا جاری کرنا اسلام کی رو سے اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ قصاص کی صورت میں مقتول کے قانونی اولیاء کو یہ اختیار ضرور ہے کہ وہ سزائے موت معاف کر سکتے ہیں، لیکن صدر مملکت کو یہ حق اختیار نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کا مستحق سزا ہونا یا قابل رحم ہونا ایک خالصۃً عدالت کا مسئلہ ہے، اسے عدالت ہی میں طے ہونا چاہیے، اسے صدر مملکت تک پہنچانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے یہ دفعہ حذف ہو جانی چاہیے۔ ❶

آئین پاکستان میں دوسری شق جس پر غیر شرعی ہونے کا اعتراض ہوتا ہے، وہ دستور کی دفعہ ۲۴۸ ہے، جس میں صدر اور گورنر کو استثنیٰ حاصل ہے، کہ عہدے کے میعاد میں ان کے خلاف عدالت میں فوجداری مقدمات جاری اور قائم نہیں کئے جا سکتے ہیں۔

جمہور ائمہ کے نزدیک یہ شق بھی شریعت کے خلاف ہے، کیونکہ شریعت میں بڑے چھوٹے کا فرق نہیں ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حاکم پر حدود کے مقدمات قائم نہیں کئے جائیں گے۔ امام ابوحنیفہؒ نے حد جاری کرنے میں سیاسی ماحول اور حالات کو پیش نظر رکھا ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہؒ نے نصوص کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔

(وکل شیء فعله الامام الذی لیس فوقه امام) مما یجب به الحد کالزنا والشرب والقذف والسرقة (لایؤاخذ به الا القصاص والمال) فانه اذا قتل انسانا او أتلف مال انسان یؤاخذ به، لان الحد حق الله تعالیٰ وهو المکلف باقامته وتعذر اقامته علی نفسه، لان اقامته بطریق الخزی والنکال، ولا یفعل احد ذلک بنفسه، ولا ولایة لاحد علیه یستوفیه. ❷

❶ نفاذ شریعت اور اُس کے مسائل، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۴۷، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۰۲ء

❷ فتح القدیر، ابن الہمام محمد بن عبدالواحد المتوفی ۸۶۱ھ، کتاب الحدود، ج۵ ص ۲۷۷، دار الفکر، ط ن

''اگر امام اور حاکم اعلیٰ سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے، جس سے حد واجب ہو جیسا کہ زنا، شرب خمر، تہمت لگانا اور چوری کرنا، تو اس پر اس کا مواخذہ نہیں ہوگا یعنی حد قائم نہیں کی جائے گی، البتہ قصاص اور مال میں مواخذہ ہوگا۔ پس اگر اس نے کسی انسان کو قتل کیا، یا کسی کا مال ہلاک کیا تو میں اس کا مواخذہ ہوگا۔ اس لئے کہ حد حق اللہ ہے جس کے قائم کرنے کا مکلّف حاکم ہے، اور اس کا اپنے اوپر حد قائم کرنا بھی متعذر رہے، کیونکہ اس کا قائم کرنا سزا اور عبرت کے لئے ہے، اور کوئی بھی اپنے ساتھ اس طرح نہیں کرتا ہے، اور دوسروں کو بھی اس پر ولایت اور اختیار نہیں کہ اس پر حد قائم کرے''۔

انهم اختلفوا فی الامام الذی لیس فوقه امام، ولهم فی سریان نصوص الشریعة علیه نظریتان: النظریة الاولی: وهی نظریة أبی حنیفة، ویری أن کل شیء فعله الامام الذی لیس فوقه امام مما یجب به الحد کالزنا والشرب والقذف لا یؤاخذ به الا القصاص والمال... النظریة الثانیة: وهی نظریة مالک والشافعی وأحمد، وهؤلاء لا یفرقون بین جریمة وجریمة، ویرون الامام مسئولا عن کل جریمة ارتکبها سواء تعلقت بحق الله او بحق الفرد. ❶

''ایسے حاکم اور امام جس سے اوپر اور بالا کوئی نہ ہو، اس پر سزا جاری کرنے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، اس بارے میں دو قول اور نظریے ہیں: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصاص اور مال کی سزا کے علاوہ دوسرے قسم کی حدود زنا، شراب اور قذف کی حد اور سزا اس پر جاری نہیں ہوگی... جبکہ دوسرا نظریہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے، ان کے نزدیک جرائم میں کوئی فرق نہیں ہے، اور امام ہر جرم کے ارتکاب میں مسئول اور ذمہ دار ہوگا، خواہ اس جرم کا تعلق حق اللہ سے ہو یا حق العبد سے''۔

❶ التشریع الاسلامی مقارنا بالقانون الوضعی، عبد القادر عودة المتوفی ۱۳۷۳ھ، ج۱ ص۳۲۰...۳۲۳ دار الکاتب العربی بیروت، ط ن

دسواں اعتراض: پاکستان کی عدالتوں میں شریعت کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے ہیں

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ پاکستان کی عدالتوں میں شریعت کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے، بلکہ انگریزی قانون کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں، اس لئے پاکستان کو اسلامی مملکت اور ریاست کہنا درست نہیں ہے۔

جواب: پاکستان کی عدالتوں میں اگر انگریزی قانون کے تحت فیصلے ہوتے ہیں، تو اس کی وجہ عدالتی نظام اور جج حضرات کی شریعت سے ناواقفیت اور انگریزی تعلیم کا اثر ہے۔ اس لئے کہ جج صاحبان قرآن وسنت اور فقہ کے عالم تو نہیں ہوتے، بلکہ انگریزی قانون کے ماہرین ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ قانون کے سقم اور خامی ہے، اس کو دستور کا سقم قرار نہیں دے سکتے ہیں، اس لئے کہ دستور اور قانون میں فرق ہے، ہم قانون کے اعتبار سے نہیں، بلکہ دستور کے اعتبار سے پاکستان کو اسلامی ریاست سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بنیاد دستور ہے، چنانچہ استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دستور کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں: کسی ملک کا دستور وآئین درحقیقت اس کا وہ بنیادی پتھر ہے جس پر نظام حکومت کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ (1)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دستور اور قانون میں فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دستور اور قانون میں فرق واضح کر دیا جائے کیونکہ عموماً لوگ اس سے واقف نہیں، دونوں کو ایک چیز سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ سے طرح طرح کے اشکالات میں الجھ جاتے ہیں۔ دستور: نام ہے نظام حکمرانی اور حکومت کے بنیادی اصولوں کا کہ کسی سلطنت کو کس طرح چلایا جائے، اس کی دفعات اس طرح کی ہوتی

(1) عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۱۳، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۱۴۰۹

ہیں مثلاً اقتدار اعلیٰ کس کا ہے، صدر مملکت کا عزل ونصب کس کے اختیار میں، اس کا تقرر کن اصول پر کیا جائے، صدر کے اوصاف کیا ہوں، اس کے فرائض کیا ہوں، طرز حکومت پارلیمانی ہو یا جمہوری، قانون سازی کا اختیار کس کو ہو اور کن اصول وشرائط پر، وغیر ذلک، اور قانون ملک کے شعبہ جاتی نظام اور اس کی تفصیلات سے متعلق ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ دستور، قانون سے بالکل مختلف ایک چیز ہے۔ ❶

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: حکومت کے بنیادی اصولوں کا نام دستور ہے، کہ حکومت کس طرح اور کس طرز پر چلائی جائے۔ امارت، اور وزارت اور ولایت (گورنری) وغیرہ وغیرہ کے کیا شرائط ہیں اور اس کے کیا فرائض ہیں۔ اور ملک کے انتظامی شعبوں سے جو احکام متعلق ہیں، ان کا نام قانون ہے۔ ❷

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں: دستور اس دستاویز کو کہا جاتا ہے جس میں حکومت چلانے کے قواعد وضوابط درج ہوں۔ گویا کہ دستور حکومت کا قانون ہے، اور حکومت اس قانون کے تحت چلائی جاتی ہے۔ مثلاً اس میں یہ درج ہوتا ہے کہ مقنّنہ کے کیا اختیارات ہیں؟ انتظامیہ کے اختیارات کیا ہیں؟... جبکہ قانون عوام کے لئے ہوتا ہے، کہ عوام اپنے معاملات کن قوانین کے تحت انجام دیں گے۔ ❸

پاکستان کے عدالتی نظام پر جمعیت علماء اسلام نے ہمیشہ تحفظات کا اظہار کیا ہے، حتی کہ حکومت کی قائم کردہ وفاقی شرعی عدالت کے بارے میں بھی مختلف فورمز پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے، چنانچہ اس بارے میں قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب ایک انٹرویو میں ایک سوال کے جواب میں یوں فرماتے ہیں: پاکستان کا عدالتی نظام متوازی ہے،

---

❶ جواہر الفقہ، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۵ ص ۴۶۸، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء ❷ دستور اسلام، مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۹۷۴ء، ص ۱۳، ن

❸ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۱۰۸، ۱۰۹، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

یعنی یہاں بیک وقت کئی عدالتی نظام کام کر رہے ہیں۔ظاہر بات ہے کہ شرعی عدالتوں کے ساتھ متوازی طور پر دوسری عدالتیں کام کر رہی ہوں، تو اس کا مطلب شرعی عدالت کے تجربے کو ناکام بنانے کے سوا کچھ نہیں، پھر یہ کہ کسی اسلامی ملک میں شرعی عدالت کو دوسری عدالتوں پر فوقیت حاصل نہ ہونا بھی تعجب انگیز ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ شرعی عدالتوں کے فیصلوں کو فوجی عدالتوں میں چیلنج نہ کیا جاسکے۔مگر ہوا اس کے برعکس رہا ہے، اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ حکومت شرعی عدالتوں کے اختیارات مارشل لاء اور فوجی عدالتوں کے اختیارات سے کم کر کے ان کی توہین کی مرتکب ہو رہی ہے۔ ❶

اس سوال ''کہ معاشرے میں جمہوریت اور دینی مدارس کا تضاد پیدا کیا گیا، دینی مدارس کے طلبہ شاید جمہوریت کو درست نہیں سمجھتے ہیں؟'' کے جواب میں قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں: وہ اس لئے کہ ان کے سامنے عملی نقشہ ہے، لیکن اپنے ملک کے آئین اور جو صورت حال ہے اس پر ان کی نظر نہیں ہے، لہذا انہیں یورپ کا عملی نقشہ نظر آ رہا ہے، جیسے ہماری جمہوریت یورپ والی جمہوریت ہے تو پھر اس حوالے سے فتویٰ دیتے ہیں، لیکن اگر ہم آئین کو پڑھ لیں اور آئین نے جو حکومت کا مفہوم متعین کیا ہے، تو پھر اسے یہ سمجھ آتی ہے کہ آئینی طور پر جمہوریت کو شریعت کا پابند بنایا گیا ہے، تو پھر اس طرح فتویٰ نہیں دیں گے۔سیاسی کارکن آئین اور دستور کو پڑھتے ہیں، وہ اس حوالے سے فتویٰ دینے میں محتاط ہوتے ہیں۔ ❷

بہر حال دستور کے اعتبار سے پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر حضرت

❶ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ا ص ۳۱، ۳۲، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

❷ جنگ سنڈے میگزین، ۲ جولائی ۲۰۰۰ بحوالہ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۲ ص ۱۸۱، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء

مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس کو اسلامی ملک قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے، اس کا نظام اسلامی اصول کے مطابق شورائی ہی ہوسکتا ہے، لیکن سابقہ آمریت نے ۵۶ء کے دستور کو منسوخ کر کے ملک کو ایک بار پھر ۱۹۴۷ء کی سطح کی طرف دھکیل دیا ہے۔ سوشلسٹ عناصر روز اول ہی سے پاکستان میں دستور اسلامی اور قانون اسلامی کے نفاذ کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں۔ ❶

گیارھواں اعتراض: دستور میں اسلامی دفعات کاغذی وعدے ہیں، عملاً نافذ نہیں ہیں

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان میں شرعی احکام کا نفاذ نہیں ہے، جب تک شریعت عملاً نافذ نہ ہو اس وقت تک اس کو اسلامی ریاست قرار نہیں دے سکتے ہیں، بلکہ کفریہ ریاست سمجھیں گے۔ جہاں تک دستور میں اسلامی دفعات ہیں، وہ ایک کاغذی کاروئی کے علاوہ کچھ نہیں۔

جواب: یہ بات اس حد تک تو درست ہے کہ مجموعی طور پر پاکستان میں شریعت اور اسلام کا نفاذ نہیں، علماء سیاست نے تو نفاذ کے لئے کوشاں ہیں، ان کے احساسات بھی یہی ہیں کہ آزادی اور علیحدہ ملک، مسلمانوں کی قربانیاں، نظریہ پاکستان اور دستور پاکستان سب کا تقاضا یہ ہے کہ مملکت پاکستان میں اسلام اور شریعت کا عملاً نفاذ ہو۔ اور جن حکمرانوں نے اس کو نافذ نہیں کیا ہے وہ ان بالا سب امور کے اعتبار سے مجرم ہیں۔ مفکر اسلام فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمودؒ اسی بارے میں اپنے احساسات کا یوں اظہار فرماتے تھے: اسلامی آئین کے نافذ نہ ہونے کی ذمہ داری اُن افراد پر عائد ہوتی ہے جو گذشتہ بائیس برس تک اس ملک کے حکمران رہ چکے ہیں... گذشتہ بائیس برسوں میں تمام حکمران یہی کہتے رہے کہ وہ

❶ جواہر الفقہ، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، متوفی ۱۳۹۶ھ، ج۵ ص۱۲۶، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۱۳ء

ملک میں اسلامی نظام رائج کریں گے، لیکن عملاً انہوں نے ایسا کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ گذشتہ بائیس برس تک حکمران رہنے والے لوگوں نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ سے انحراف کر کے اسلام اور قیام پاکستان کے مقصد سے غداری کی ہے۔ ❶

تاہم یہ بات بھی اہل السنّت والجماعت کے نزدیک مسلم ہے کہ مسلمان کا عملاً اسلام نافذ نہ کرنا بہت بڑا جرم اور گناہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ اسلام کے دائرے سے نہیں نکلتے ہیں، اور ان پر کافر کا اطلاق نہیں کریں گے۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

ان المخل بالتصديق فقط مع القول الظاهر منافق، والمخل بالتصديق والقول كافر مجاهر، والمخل بالعمل فقط فاسق. ❷

"ظاہراً ایمان کا قول کرنا اور صرف تصدیق میں خلل اور نقص سے منافق بن جاتا ہے، اور تصدیق اور قول دونوں میں خلل والے کو کافر مجاہر کہتے ہیں، اور صرف عمل میں خلل اور کوتاہی کرنے والا فاسق ہے"۔

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں: مؤمن گناہ کرنے سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ گناہ کبیرہ ہو، اس لئے کہ ایمان اصل حقیقت تصدیق قلبی ہے اور اعمال صالحہ ایمان کی اصل حقیقت میں داخل نہیں، اس لئے گناہ کرنے سے اصل ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا مگر اس کا ایمان ناقص ضرور ہو جاتا ہے۔ ❸

بہر حال حکمرانوں کا عملاً اسلام نافذ نہ کرنا فسق اور گناہ ہے، لیکن اس کو کفر نہیں کہہ سکتے ہیں، اس لئے پاکستان کے معتبر مفتیان کرام نے نہ حکمرانوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، اور نہ پاکستان کو کفریہ مملکت قرار دیا ہے۔

---

❶ اقوال محمود، اختر کاشمیری رحمہ فاروق قریشی، ص ۱۴۹...۱۵۲، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ۲۰۱۵ء ❷ فیض الباری شرح صحیح البخاری، العلامۃ انور شاہ الکشمیری المتوفی ۱۳۵۲ھ، ج ۱ ص ۵۷، موقع شبکۃ مشکاۃ الاسلامیۃ، ط ن ❸ عقائد الاسلام، مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۹۷۴ء، ص ۲۱۳، زمزم پبلشرز کراچی، ط ۲۰۰۵ء

بارھواں اعتراض: پاکستان میں سود وغیرہ جیسے غیر شرعی امور رائج ہیں

پاکستان میں سود جیسے غیر شرعی امور رائج ہیں، تو اس کے پھر اس کو کیسے اسلامی ملک قرار دیا جائے گا؟

جواب: یقیناً ایک اسلامی ملک میں سود جیسے غیر شرعی امور کا رائج ہونا بڑے افسوس اور نقصان وخسارہ کا امر ہے، جس کی وجہ سے یہ ملک مسائل کا شکار ہے۔ علماء سیاست نے اس کے خلاف ہر محاذ پر آواز حق بلند کی ہے۔ حتیٰ کہ دستور میں بھی اس کے خاتمے کی شق کو شامل کیا ہے، دستور کی دفعہ ۳۸ شق (و) میں ہے کہ مملکت رباء کو جتنی جلد ممکن ہو ختم کرے گی۔ اور پھر وفاقی شرعی عدالت نے ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء نے اپنے تاریخ ساز فیصلے میں سود کو غیر قانونی اور اسلامی احکامات کے منافی قرار دیا۔ ❶

یہ الگ بات ہے کہ اس وقت کے مغربی سوچ اور ذہن والے حکمرانوں نے سود کو پاکستان کی مجبوری قرار دیتے ہوئے اس فیصلے سے انحراف کیا۔

مفکر اسلام فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے اس بارے میں اپنے افسوس کا اظہار یوں کیا ہے: ملک کا اقتصادی نظام آج تک غیر اسلامی اُصولوں پر قائم ہے، سود کے نظام کو حلال سے بھی زیادہ اپنایا جارہا ہے، نہ معلوم اس لعنت سے ملک کو کب نجات ملے گی؟... اگر ہماری حکومت بغیر سود کے بینکاری کو چلانے تیار ہوتی اور سود کی لعنت سے چھٹکارا پانے کی ادنیٰ سی خواہش دل میں رکھتی، تو یقیناً یہ فرسودہ نظام آج تک بدل گیا ہوتا۔ ❷

قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اس بارے میں اپنا موقف واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہمارا موقف بڑا واضح رہا ہے، کہ یہاں مکمل طور پر شریعت کا نفاذ ہونا

❶ سود پر تاریخی فیصلہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۶، ۷، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط ۲۰۱۰

❷ اقوال محمود، اختر کاشمیری رمحمد فاروق قریشی، ص ۱۱۲، ۱۱۳، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ۲۰۱۵ء

چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سودی معاملات اور لین دین پر مکمل پابندی عائد ہونی چاہیے۔ ❶

تاہم اس کے باوجود اگر کوئی سود کو حلال تو نہ سمجھتا ہو لیکن اس کو مجبوری سمجھ کر کرتا ہو، تو ایسے شخص کو فاسق تو کہیں گے، لیکن کافر قرار نہیں دے سکتے ہیں۔

ان الدستور الأساسی للمسلم هو الشريعة الاسلامية، فكل قانون وضعی جاء متفقا مع نصوصها او مسايرا لمبادتها العامة اور روحها التثريعية فهو على العين والرأس يطيعه المسلم بأمر الله، وكل قانون جاء على خلاف ذلک فهو فی الرغام وتحت الأقدام، ولا كرامة لما يخالف الاسلام ، ولا طاعة لمخلوق فی معصية الله. وای مسلم يأتی ما يعلم انه مخالف للاسلام فهو فاسق، فانه ان أتاه مستحيلا اتيانه فهو مرتد عن الاسلام كافر بالله...... فمن اعرض عن الحكم بحد السرقة او القذف او الزنا لانه يفضل غيره من اوضاع البشر فهو كافر قطعا، ومن لم يحكم به لعلة أخرى غير الجحود والنكران فهو ظالم ان كان فی حكمه مضيعا لحق او تاركا لعدل او مساواة، والا فهو فاسق. ❷

”مسلمان کے لئے دستورِ اساسی شریعت اسلامی ہے، پس انسانی قانون اگر نصوص شرعی، یا اس کے عام مبادی اور روح شریعت سے متفق ہو، تو سر اور آنکھوں پر منظور ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمان اس کی اطاعت کرے گا، اور اگر انسانی قانون شریعت کے مخالف ہو تو پھر وہ مردود اور پاؤں سے روندنے کے قابل ہے، اس لئے کہ اسلام کے مخالف حکم قابل احترام نہیں ہے، اور مخلوق کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جائز نہیں ہے۔ پس

❶ مشافہات (مولانا فضل الرحمٰن کے فکر انگیز انٹرویوز کا مجموعہ)، ترتیب ڈاکٹر امیر زادہ خان، ج ۱ ص ۲۰۵، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۱۷ء ❷ الاسلام وأوضاعنا القانونية، عبد القادر عودة المتوفی ۱۳۷۳ھ، ص ۱۴، ۵۸، المختار الاسلامی للطباعة القاهرة، ط ۱۹۷۷ء

ایسے حکم کو شریعت کا مخالف سمجھ کر کرے کوئی مسلمان اسے کرے تو وہ فاسق ہے، اور اگر اس کو حلال سمجھ کر کرے تو وہ مرتد اور کافر ہے......پس جو حدود اللہ، حد سرقہ، حد قذف اور حد زنا کے حکم سے کوئی اس طور پر اعراض کرے کہ اس سے انکار کرتے ہوئے دوسرے انسانی احکام کو اس پر فوقیت دے، تو وہ یقیناً کافر ہے، اور اگر انکار کے علاوہ کسی اور وجہ سے شریعت کے حکم پر فیصلہ اور اس کو نافذ نہ کرے، تو اگر اس میں انصاف اور مساوات اسلامی کا ترک لازم آتا ہو تو وہ ظالم ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ فاسق ہے''۔

فتاوی حقانیہ میں ایک دوسوال کے جواب میں یہ تفصیل مذکور ہے: ایمانی کی نشانی یہ ہے کہ مومن اپنے تمام معاملات زندگی میں فیصلہ کن قانون صرف اور صرف خدائی قانون اور اسلامی شریعت کو تسلیم کرے، اور جو شخص دل سے اسلامی شریعت کو معاملات زندگی میں فیصلہ کن قانون تسلیم نہیں کرتا، وہ ہرگز مومن نہیں، بلکہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لیکن اگر وہ دل سے اسلامی شریعت کو فیصلہ کن قانون تو مانتا ہو، مگر اس پر فیصلہ کرنے سے گریز کرتا ہے تو ایسا کرنا منافقوں کی علامت ہے... ''مجھے شریعت کی ضرورت نہیں'' کے الفاظ میں کچھ ابہام پایا جاتا ہے، اگر اس کے کہنے والے کا مقصد یہ ہو کہ میں اس مسئلہ میں شریعت پر فیصلہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں، ظاہر بات ہے کہ یہ الفاظ موجب کفر نہیں ہیں، لیکن اگر ان الفاظ سے مقصد شریعت سے انکار ہو، تو شریعت چونکہ عالم انسانیت کے لئے پورے ضابطہ حیات کا نام ہے، اس لئے اس سے انکار کرنا موجب کفر ہے۔ ❶

تیرھواں اعتراض: کہ آئین کے اعتبار سے ہر پانچ سال کے بعد حاکم کی مدت ختم ہونا اور دوبارہ انتخاب ہونا

ایک اعتراض یہ ہے کہ پاکستان میں دستور کے اعتبار سے ہر پانچ سال کے بعد

❶ فتاوی حقانیہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ متوفی ۱۹۸۸ء، ج ا ص ۱۹۶، ۱۹۷، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، ط ۲۰۰۶ء

انتخابات کا انعقاد ضروری ہے، اور جو منتخب حکومت ہوتی ہے، وہ ختم ہو جاتی ہے، دوبارہ انتخابات میں وہ پارٹی یا دوسری پارٹی برسر اقتدار آتی ہے۔ اور یہ عمل بھی شریعت کے خلاف ہے، اس لئے کہ شریعت میں جب تک خلیفہ کی موت یا دوسرے موانع اور عوارض نہ ہوں، اس وقت تک خلیفہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔

جواب: اس بارے میں استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آج کل بیشتر ملکوں میں طریق کار یہ ہے کہ سربراہ حکومت، چاہے وہ صدر کی شکل میں ہو، یا وزیر اعظم کی شکل میں، ایک مخصوص مدت کیلئے مقرر کیا جاتا ہے جس کے گذرنے کے بعد وہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد نیا سربراہ منتخب کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اسلامی تاریخ میں اس طرح محدود مدت کیلئے کسی کو خلیفہ بنانے کی مثالیں موجود نہیں ہیں، لیکن جیسا بار بار عرض کیا گیا ہے سیاسی نظام کی تفصیلات میں اسلام کا رویہ بہت لچکدار رہا ہے، چنانچہ قرآن وسنت کا کوئی حکم خلیفہ کی مدت تقرر متعین کرنے کے خلاف بھی موجود نہیں ہے۔ خلیفہ یا امیر کا تقرر شوریٰ کرتی ہے، اور وہ حالات کے پیش نظر اگر تقرر کی مدت مقرر کر دے، تو اس میں کوئی شرعی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ [1]

بعض حضرات نے اس بات پر کہ اسباب عزل نہ پائے جانے کی صورت میں بھی خلیفہ کا تاحیات عہدہ خلافت پر برقرار رہنا کوئی قطعی حکم نہیں ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے استدلال کیا ہے، کہ وہ خلیفہ برحق تھے، اور پھر بھی حالات کی مناسبت سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے تھے، جو حاکم کی حیات میں پُر امن طور پر حکومت منتقلی کی صورت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر قانوناً مدت تقرر متعین کی جائے تو یہ کسی نص اور شرعی حکم کے خلاف نہیں سمجھا جائے گا۔

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۳۶۱، ۳۶۲، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

چودھواں اعتراض: کہ مسلمان کی طرح غیر مسلم بھی ارکان پارلیمنٹ بنتے ہیں

بعض حضرات نے یہ اعتراض اُٹھایا ہے کہ پاکستان میں بھی مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے ووٹ برابر ہے، اور مسلمانوں کی طرح غیر مسلم بھی ارکان پارلیمنٹ بنتے ہیں۔ حالانکہ شریعت میں دونوں برابر نہیں ہیں

جواب: کہ برابر نہ ہونے کا حکم عام نہیں ہے، بعض حقوق میں دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ائمہ کرام کے نزدیک بالاتفاق ایک اسلامی حکومت میں مسلمانوں کے اموال اور جانوں کی طرح ذمیوں کے اموال اور جانوں کی حفاظت ضروری ہے، حتی کہ احناف کے نزدیک اگر ایک مسلمان نے ذمی کو عمداً قتل کیا، تو اس کے بدلے میں اس مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ ❶

جہاں تک ووٹ اور اسمبلی رکنیت میں برابری کا سوال ہے، تو یہ رائے اور شوریٰ میں برابری کا مسئلہ ہے، اور فقہاء کرام نے غیر مسلم سے مشورہ کرنے کو جائز کہا ہے۔ چنانچہ علامہ سرخسیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے، جس میں انہوں نے شراب کی ایک قسم کے بارے میں ایک نصرانی سے معلومات حاصل کئے تھے۔ اور اس پر علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

وفيه دليل انه لا بأس باحضار بعض اهل الكتاب مجلس الشورى، فان النصرانى الذى قال ما قاله قد كان حضر مجلس عمر رضى الله عنه للشورى، ولم ينكر عليه. ❷

''اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ مجلس شوریٰ میں بعض اہل کتاب کو حاضر کرنے اور بلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ نصرانی نے جو کہا، وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی مجلس میں حاضر ہو کر کہا، اور حضرت عمرؓ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمایا''۔

❶ الهدايہ، علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ، کتاب الجنایات، باب مایوجب القصاص ومالا یوجبہ، ج۴ص۴۴۴، داراحیاء التراث العربی بیروت، طن ❷ المبسوط للسرخسی شمس الائمۃ السرخسی محمد بن احمد المتوفی ۴۸۳ھ، کتاب الاشربۃ، ج۲۴ص۷، دارالمعرفۃ بیروت، ط۱۴۱۴ھ

ووٹ ایک شہادت اور گواہی ہے، اور امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے بقول سنن ابی داود کی ایک روایت کے مطابق کافر کی شہادت اور گواہی قبول ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

واعلم ان فی أبی داود ص ٦١٠ عن أبی هريرة ما يدل علی قبول شهادة الكافر، ولايجوز ذلک عند الشافعي، وجائز عندنا فی بعض الصور. ❶

''جان لیجئے کہ سنن ابی داود کے صفحہ ۶۱۰ پر حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کافر کی گواہی مقبول ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک تو کسی صورت میں جائز نہیں ہے، جبکہ ہمارے نزدیک بعض صورتوں میں جائز ہے''۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے دشمن ہوں، انہیں نہ راز دار بنانا جائز ہے، اور نہ انہیں شوریٰ میں شامل کیا جاسکتا ہے، لیکن جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے پُرامن باشندے ہوں، انہیں شوریٰ میں شریک کرنے کو فقہاء کرامؒ نے جائز قرار دیا ہے۔ ❷

پندرھواں اعتراض: کیا پاکستان پر اسلامی مملکت اور دارالاسلام کی تعریف صادق آتی ہے؟

بعض حضرات کو یہ اشکال پیش آتا ہے، کہ کیا پاکستان پر دارالاسلام کی تعریف صادق آتی ہے؟ حالانکہ یہاں پر مجموعی اعتبار سے شریعت کے احکام نافذ العمل نہیں ہیں۔

جواب: دارالاسلام کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، علامہ سرخسیؒ نے سب سے آسان تعریف ذکر فرمائی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

❶ العرف الشذی، للعلامۃ محمد انور شاہ الکشمیری المتوفی ۱۳۵۳ھ، ابواب الحدود، باب رجم اھل الکتاب، ج۱ ص ۲۶۷، ۲۶۸، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

❷ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۲۷۱، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

فان دار الاسلام اسم للموضع الذی یکون تحت ید المسلمین، وعلامة ذلک ان یأمن فیه المسلمون. ❶

"دار الاسلام اس علاقے اور جگہ کا نام ہے، جو مسلمانوں کے زیر تسلط اور اقتدار ہو۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس میں مسلمان امن سے رہتے ہوں"۔

جہاں تک عملاً نفاذ احکام شرعیہ کا تعلق ہے، علامہ شامیؒ نے جمعہ کی شرائط میں ایسے امیر کا شرط ہونا جو حدود قائم کرتا ہو، اس کی تفصیل کے بارے میں فرماتے ہیں: کہ جو امام اور حاکم ہوتا ہے، اس کا قدرت تنفیذ ہونا شرط ہے، تمام احکام کا اجراء اور تنفیذ بالفعل شرط نہیں ہے۔

(کل موضع له امیر وقاض یقدر علی اقامة الحدود) لیس المراد تنفیذ جمیع الأحکام بالفعل، اذ الجمعة اقیمت فی عهد اظلم الناس، وهو الحجاج وانه ما کان ینفذ جمیع الأحکام، بل المراد، واللہ اعلم، اقتداره علی ذلک. ❷

(ہر وہ جگہ جس میں ایسا امیر اور قاضی ہو جو حدود قائم کرنے پر قدرت رکھتا ہو) اس سے مراد تمام احکام کا بالفعل تنفیذ مراد نہیں ہے، اس لئے کہ سب سے بڑے ظالم حجاج کے زمانے اور عہد میں بھی جمعہ قائم ہوتا تھا، حالانکہ وہ تمام احکام کو بالفعل نافذ نہیں کرتے تھے، بلکہ اس سے مراد تنفیذ احکام کی قدرت ہے"۔

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس بارے بڑی اچھی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہاں حکم سے مراد تمام احکام شریعت ہیں، لہذا اگر مسلمانوں کے زیر تسلط کسی ملک میں شریعت کے تمام احکام نافذ نہ ہوں، تو اُسے دار الاسلام نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے، درحقیقت کسی ملک کے دار الاسلام قرار پانے کے لئے اصل بات یہ ہے کہ اُس پر مکمل اقتدار مسلمانوں کو حاصل

❶ شرح السیر الکبیر، شمس الائمة السرخسی محمد بن أحمد المتوفی ۴۸۳ھ، باب قسمة الغنائم، ج ۱ ص ۱۲۵۳، الشرکة الشرقیة للاعلانات، ط ۱۹۷۱ء ❷ رد المحتار علی الدر المختار، ابن عابدین محمد امین بن عمر المتوفی ۱۲۵۲ھ، باب الجمعة، ج ۲ ص ۱۳۸، دار الفکر بیروت، ط ۱۴۱۲ھ

ہو، اور انہیں اپنے احکام جاری کرنے کی مکمل قدرت حاصل ہو۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت یا کوتاہی سے اسلام کے تمام احکام جاری نہ کریں تو یہ ان کے لئے شدید گناہ ہے، اور اُن پر واجب ہے کہ تمام احکام شریعت کو نافذ کریں، لیکن اُن کی اس مجرمانہ غفلت کی وجہ سے ملک دارالاسلام کی تعریف سے خارج نہیں ہوتا... کسی ملک کے دارالاسلام ہونے کے لئے اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ اُس پر مسلمانوں کا اقتدار اور قبضہ مکمل ہے یا نہیں؟ اگر اقتدار مکمل ہے تو اس ملک کو دارالاسلام کہا جائے گا، اور اُس پر دارالاسلام کے احکام جاری ہونگے، اگر چہ مسلمان حکمرانوں کی غفلت سے وہاں شریعت کا مکمل نفاذ نہ ہوسکا ہو۔ ❶

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے حکومت کی اقسام کی تفصیل یوں فرمائی ہے: اگر حکومت کا تمام تر انتظام منہاج نبوت پر ہو اور حکمران اور امیر سلطنت نبی کی صفات فاضلہ کا نمونہ اور اس کا عکس اور پرتو ہو، تو وہ حکومت خلافت راشدہ ہے...اور اگر وہ حکومت وریاست منہاج نبوت پر نہ ہو، تو اگر وہ حکومت اپنے کو مسلمان کہتی ہو اور من حیث الحکومۃ اپنا مذہب اسلام بتاتی ہو، یعنی یہ اقرار اور اعتراف کرتی ہو کہ حکومت کا من حیث الحکومۃ مذہب اسلام ہے اور قانون شریعت کے پیروی اور اتباع کو اپنے لئے دل وزبان سے لازم اور ضروری سمجھتی ہو، تو یہ حکومت کو حکومت اسلامیہ ہے جس کا مذہب اسلام ہے۔ پھر اگر اس میں عدل وانصاف اور امانت اور دیانت غالب ہو تو وہ حکومت عادلہ کہلائیگی، ورنہ وہ حکومت ظالمہ اور جابرۃ کہلائیگی۔ اور حکومت من حیث الحکومۃ کا مذہب اسلام نہ ہو، قانون شریعت کے اتباع اور پیروی کا اعتراف نہ کرے، تو وہ لادینی اور غیر مسلم حکومت ہے۔ ❷

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ، وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ.

---

❶ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۳۲۶، ۳۲۷، مکتبہ معارف القرآن کراچی ط ۲۰۱۰ء

❷ دستور اسلام، مولانا محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۹۷۴ء، ص ۱۷، ۱۸، ن